عماد الدین زنگی

صادق حسین صدیقی



ایک اسلامی تاریخی ناول

عمادالدین زنگی

صادق حسین صدیقی

ارشد برادرس

۱۵۶۱- گلی کوتانا- سوئیوالان، نئی دہلی ۲

ناشر ——— ارشد برادرس

باہتمام ——— اطہر صدیقی

مطبع ——— زم زم پرنٹرز دہلی ۶

سنِ اشاعت ——— ۱۹۹۴ء

قیمت ——— ۵۰/- روپے

ناشر

ارشد برادرس

۱۵۶۱- گلی کوتانا- سوئیوالان نئی دہلی ۲

صلیبی لڑائیاں

عیسائی مورخ ان لڑائیوں کو صلیبی لڑائیاں کہتے ہیں جو بیت المقدس کیلئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہوئیں۔ بیت المقدس ۱۶ھ میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم کے زمانہ میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ انہوں نے عیسائیوں کو مذہبی آزادی دیدی تھی۔ اس وقت سے ۴۸۴ھ تک عیسائیوں نے اس مقدس شہر کو واپس لینے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن جب یورپ میں عیسائیوں کی تعداد بڑھ گئی۔ تب انہیں ایشیا میں پھیلنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور بے شمار عیسائی بیت المقدس فتح کرنے کے بہانہ سے ایشیا میں آئے۔ چنانچہ انہوں نے ۴۹۱ھ میں بیت المقدس فتح کر لیا۔

اگر صلیبی لڑائیاں محض بیت المقدس کے لئے ہوتیں تو اس مقدس شہر کو فتح کرنے کے بعد عیسائی مطمئن ہو جاتے لیکن انہوں نے ایشیا میں آ کر دیکھا کہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہیں۔ اور ان میں خانہ جنگی ہے۔ انہیں ملک و حکومت کی طمع لاحق ہوئی اور وہ یورپ سے بھاری تعداد میں امڈ آئے۔ کئی تو اب قسمت آزمائی کرنے آئے۔ آخر انہوں نے انطاکیہ۔ مراکش اور اعزاز میں اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔

عماد الدین زنگی

اس وقت بغداد میں عباسی خلافت اور مصر میں فاطمی، خلافت تھی لیکن دونوں خلیفہ برائے نام تھے۔ ان کی سلطنتیں حد درجہ کمزور تھیں۔ عیسائیوں نے مصر، شام، اور عراق پر قبضہ کرنے کی جدوجہد شروع کی۔ ان کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ اسلامی علاقوں میں تاخت کر کے وہاں کے مسلم زن و فرزند تک کو قتل کرنے لگے۔ ان کے خوف سے اسلامی سرحدی علاقوں کی بستیاں خالی ہو گئیں۔ راستے بند ہو گئے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "عیسائی مجاہد" جو بیت المقدس کی فتح کا بہانہ کر کے ایشیا میں آئے تھے، مسلمانوں کی حکومتیں ہڑپ کرنے لگے۔ وہ اسلامی بستیوں پر تاخت کرتے تھے۔ مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے ذبح کر ڈالتے تھے۔ انہوں نے ڈاکہ زنی شروع کر دی تھی۔ ان کے خوف سے راستے بند ہو گئے تھے۔ وہ کھیتوں کو جلا ڈالتے تھے۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی تھی۔ وہ مسلمانوں کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

ایسی حالت میں خدا نے عماد الدین زنگی کو کھڑا کر دیا۔ انہوں نے عیسائیوں کے سیلاب کو روکا۔ عماد الدین زنگی کون تھے؟ انہوں نے کس سرفروشی سے عیسائیوں سے مقابلے کئے؟ اور بچپن میں کیسی دلیری کا کام کیا تھا۔ اس ناول میں وہ سب واقعات مفصل بیان کئے گئے ہیں۔

یہ ناول ہلالی و صلیبی لڑائی کا مرقع ہے ---- اور مجھے پوری امید ہے کہ میرے پچھلے ناولوں کی طرح شائقین اسے پسند فرمائیں گے۔

احقر

صادق سردھنوی

باب ۱

سفاکی

دریائے فرات کے کنارے ایک سنسان مقام پر ایک خس پوش جھونپڑی تھی۔ اس جھونپڑی کے سامنے ایک بزرگ صورت شخص ایک لکڑی سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ ان کی عمر چالیس پینتالیس سال ہو گی۔ داڑھی سیاہ تھی۔ صورت سے ذہانت اور بہادری کے آثار ظاہر تھے۔ لیکن چہرے سے ضعیف و نقاہت ہویدا تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بیمار ہوں۔ یا کسی غم نے انہیں چوس لیا ہو۔

ان کے سامنے ایک دس سال کا بچہ بیٹھا تھا۔ یہ بچہ تندرست اور خوبرو تھا۔ اس کا رنگ گورا، آنکھیں بڑی بڑی اور گہری سیاہ تھیں۔ دونوں عربی لباس پہنے ہوئے تھے۔ بچہ پر عربی لباس خوب زیب دے رہا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ رات کو برف باری ہوتی تھی۔ اس روز بھی برف پڑی تھی۔ اگرچہ دن کو نکلے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی تک آفتاب کہر میں منہ چھپائے تھا۔ جس کی وجہ سے سردی بڑھی ہوئی تھی۔

بچہ نے کہا "آج کس قدر سردی ہے ابا جان"۔

بزرگ شخص کسی خیال میں مستغرق تھے۔ انہوں نے چونک کر کہا۔ "ہاں بیٹا آج سردی زیادہ ہے۔ مگر اب کہر چھٹنے لگا ہے۔ اور آفتاب نکلنے والا ہے۔ تھوڑی دیر کی سردی اور باقی ہے"۔

بچہ: "سامنے دریا کو دیکھئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دریا میں سے دھواں اٹھ رہا ہو"۔

ضعیف: "یہ کہر ہے بیٹا۔ دریا میں سے نہیں اٹھ رہا بلکہ آسمان سے برس رہا ہے"۔

بچہ: "اگر ہمارے پاس گرم کپڑے ہوتے تو سردی سے تکلیف نہ اٹھاتے"۔

ضعیف: "خدا جس حال میں رکھے اس کا شکر کرنا چاہئے بیٹا۔ انہوں نے ٹھنڈا سانس لیا

اور کہا۔ ہم اچھا زمانہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس وقت تم ... ہوتے تھے۔ پھر ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے" ۔۔۔ یہ کہتے کہتے وہ بہت غمگین ہو گئے۔ بچہ ان کی صورت دیکھنے لگا۔ انہوں نے اس معصوم کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا۔ انہیں خوف ہوا کہ بچہ بھی غمزدہ نہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا "بیٹا ہشام! دیکھو سورج نکل آیا ہے۔ اور دھوپ پھیلنے لگی ہے"۔

ہشام نے دیکھا واقعی کہر چھٹنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہلکے بادل اڑے جا رہے ہوں۔

آفتاب نے کہر کا نقاب الٹنا شروع کر دیا تھا اور دھوپ نکلنے لگی تھی۔ معصوم بچے کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے خوش ہو کر کہا "ہاں ابا جان دھوپ نکلنے لگی ہے۔ رات سردی کس قدر زیادہ تھی۔ میں تو اکڑ کر رہ گیا تھا"۔

ضعیف: "رات برف پڑی تھی اور ہوا بھی تیز تھی اس لئے سردی بڑھ گئی تھی"۔

بچہ: "ابا جان! ہمارا گھر تھا وہ کیا ہوا؟"

ضعیف: "دشمنوں نے برباد کر دیا بیٹا"۔

بچہ: "آپ تو کہتے تھے کہ گھر چلیں گے"۔

ضعیف: "گھر ہی چلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ پھر کچھ وقفے کے بعد ضعیف نے کہا۔ ہشام ۔۔۔ کیا تمہیں گھر یاد ہے"۔

ہشام: "گھر اور گھر کی ہر چیز یاد ہے ابا جان۔ یہ بھی یاد ہے کہ آپ مجھے گھر سے باہر لائے تھے۔ وہاں سے باغ میں لے گئے تھے۔ اور وہاں ہم چھپے رہے تھے"۔

ضعیف: "تمہیں سب باتیں ٹھیک یاد ہیں بیٹا۔ میں تمہیں دشمنوں سے بچانے کے لئے لے کر بھاگا تھا"۔

ہشام: "مگر آپ نے تو یہ کہا تھا کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے"۔

ضعیف: "وہ ڈاکو ہی تھے۔ بلکہ سچ پوچھو تو ڈاکوؤں سے زیادہ بے رحم اور سفاک تھے"۔

ہشام: "آپ انہیں جانتے تھے؟"

ضعیف: "ہاں بیٹا وہ عیسائی تھے"۔

ہشام: "مگر انہوں نے ہم پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

ضعیف: "اس لئے کہ ہم مسلمان تھے"۔

ہشام: "مگر مسلمان تو اور بھی ہیں"۔

ضعیف: جن مسلمانوں پر ان کا قابو چلتا ہے۔ وہ انہیں مار ڈالتے ہیں"۔

ہشام: "مگر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟"

ضعیف: "انہیں یہ رنج ہے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے ان کی حکومتیں چھین لی تھیں۔ ان کے ملکوں پر قبضہ کر لیا تھا"۔

ہشام: "ابا! مسلمانوں نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

ضعیف: "یہ ایک لمبی تاریخی داستان ہے بیٹا! بات تو یہ ہوئی تھی کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو مشرکوں اور یہودیوں کو بڑا ناگوار گذرا۔ چنانچہ عرب کے کافروں اور یہودیوں نے مسلمانوں کی سخت مخالفت کی۔ ان سے لڑائیاں شروع کر دیں۔ مگر خدا اپنے رسول کا مددگار تھا۔ اس لئے عام طور پر مسلمانوں کو فتوحات ہوتی رہیں۔ جب دشمن زیر ہونے لگے تو انہوں نے ملک شام کے رومی عیسائیوں کو عرب پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا۔ اسی دوران رسول اللہ صلعم نے ایشیا کے بعض بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی۔ جب حضور کا قاصدؓ ملک شام میں پہنچا تو بصرو کے گورنر شرجیل نے انہیں قتل کر دیا۔ اس اسلامی سفیر کا نام حارث تھا۔ جب آنحضور کو اپنے قاصد کے مارے جانے کا علم ہوا تو حضور نے قصاص طلب کرنے کے لئے کچھ لشکر ملک شام کو بھیجا۔ اس لشکر کو فتح ہوئی۔ اس وقت سے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ کی ٹھن گئی۔ اور یہی ایک چھوٹا سا واقعہ ممالک شام، مصر اور فلسطین سے عیسائی حکومت کے ختم ہو جانے کا باعث ہوا۔ اس وقت سے عیسائیوں کو مسلمانوں سے کد ہے"۔

ہشام: "کیا مسلمانوں نے شام، مصر اور فلسطین کے تمام عیسائیوں کو مار ڈالا تھا؟"

ضعیف: "نہیں۔ مسلمانوں نے ان عیسائیوں کو قتل کیا تھا۔ جو ان سے لڑے تھے۔ اور وہ بھی میدان جنگ میں۔ لڑائی کے ہنگامے میں جو لوگ مارے جاتے تھے۔ بس وہی مارے جاتے تھے۔ اور جو عیسائی شہری تھے۔ امن پسند تھے لڑتے نہیں تھے۔ انہیں وہ کبھی قتل نہیں کرتے تھے۔ اگر ان ممالک کے تمام عیسائی باشندوں کو قتل کر دیا جاتا یا مسلمان بنا لیا جاتا تو دنیا میں عیسائیت بہت کم رہ جاتی۔ جب کوئی بستی فتح ہوتی تھی تو وہاں کے عیسائی امان مانگ لیتے تھے۔ اور مسلمان انہیں امان دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے"۔

ہشام: "مگر مسلمانوں نے انہیں مسلمان کیوں نہیں بنالیا تھا؟"

ضعیف: "کسی کو زبردستی مسلمان کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ مسلمان اسی کو کہا جاتا ہے جو خدا کو واحد اور حضرت محمد صلعم کو خدا کا پیغمبر سمجھ کر مسلمان ہونا چاہے جسے اسلام اچھا مذہب معلوم ہوتا ہو"۔

ہشام: "ابا جان! ہم پر کن عیسائیوں نے حملہ کیا تھا؟"

ضعیف: "بیٹا! جب تک تم کو تمام حالات نہ بتائے جائیں تم سمجھ نہ سکو گے۔ میرا خیال یہ تھا کہ جب تم خیر سے بڑے ہو جاؤ اور تم میں بہادری اور دلیری کا جذبہ پیدا ہو جائے جب تم انتقام لینے کے قابل ہو جاؤ تب تمہیں سارے حالات سناؤں۔ لیکن اب یہ سوچتا ہوں کہ اس وقت زندہ بھی رہوں گا یا نہیں۔ اس لئے میں نے سوچا ہے کہ کسی روز تمہیں سب حالات سنادوں۔ خود میرا ارادہ انتقام لینے کا تھا لیکن میری صحت جواب دے گئی ہے۔ مجھے امید نہیں رہی ہے کہ میں اچھا ہو کر انتقام لے سکوں۔ تمہاری ذات سے توقع ہے اگر خدا نے چاہا تو تم انتقام لو گے"۔

ہشام: "میں ضرور انتقام لوں گا۔ ابا جان! مجھے بتاؤ کس سے انتقام لوں"۔

ضعیف: "سب کچھ بتادوں گا۔ بیٹا دیکھو دھوپ نکل آئی ہے اب ذرا بدن گرم ہوا ہے"۔

ہشام: "جی ہاں۔ جی چاہتا ہے اس دھوپ کو رات کے لئے رکھ لوں"۔

ضعیف ہنس پڑے انہوں نے کہا "دھوپ رکھنے کی چیز ہوتی تو سب ہی غریب رات کے لئے رکھ لیا کرتے اور سردی کی تکلیف نہ اٹھاتے"۔

ہشام: "اچھا تو بتایئے ابا جان وہ کون عیسائی تھے جنہوں نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ اور جن سے مجھے انتقام لینا ہے؟"

ضعیف: "بیٹا! سب کچھ بتادوں گا اور دیکھنا یہ سامنے کون سے سوار آرہے ہیں؟"

ہشام نے بھی غور سے دیکھا۔ اس نے کہا "کوئی ہوں مگر یہ مسلمان نہیں ہیں"

ضعیف غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا افسوس یہ تو سفاک عیسائی ہیں۔ بیٹا! ہشام تم جلدی سے جھونپڑی میں گھس جاؤ اور اندر گڑھے میں داخل ہو کر اوپر گھاس کھینچ لو، کچھ بھی ہو تم اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک کہ یہ لوگ چلے نہ جائیں چاہے وہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں۔ لیکن تم باہر نہ آنا۔ کیونکہ تمہیں ان سے انتقام لینا ہے۔ جاؤ جلدی کرو بیٹا"۔

ہشام فوراً جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ ضعیف نے چادر تان لی اور پڑے رہے۔ تھوڑی دیر میں سوار وہاں آپہنچے۔ وہ عیسائی تھے۔ پانچ آدمی تھے ان میں سے ایک گھوڑے سے نیچے اترا۔ اس نے چادر کا کونہ پکڑ کر کھینچا اور ضعیف کو دیکھ کر کہا "لو یہ رہا شکار"۔

اس نے بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہا "کمبخت تو کیوں زندہ ہے"۔ یہ کہتے ہی اس نے تلوار سونتی اور قبل اس کے کہ ضعیف کچھ کہیں کئی تلواریں ان کے ماریں' خون کے فوارے ابل پڑے۔ ضعیف نے آہ کر کے کہا "خدا اس ظلم کا انتقام لے"۔

ان کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ عیسائی ہنستا ہوا گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بولا "چلو ایک کو تو مارا" وہ سب وہاں سے چلے گئے۔

........☆☆☆........

باب ۲

کیتھرائن

خیریت یہ ہوئی کہ عیسائی جھونپڑی کے اندر نہیں گئے۔ ورنہ وہ ہشام کو ضرور دیکھ لیتے۔ اور وہ خونخوار اس معصوم کو بھی ہلاک کر ڈالتے۔ ہشام باپ کے کہنے پر جھونپڑی کے اندر تو چلے گئے مگر گڑھے میں جا کر نہیں چھپے۔ بلکہ ایک ٹٹی سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ جب وہ وحشی عیسائی چلے گئے تب وہ جھونپڑی سے باہر آئے انہوں نے اپنے باپ کو دیکھا ان کے پاس خون کا پرنالہ بہہ رہا تھا اور ان کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ہشام کو بڑا قلق ہوا۔ وہ ان کے اوپر گر گئے اور انہوں نے روتے ہوئے کہا "ابا جان! یہ کیا ہوا؟"

ضعیف نے آنکھیں کھول کر ہشام کو دیکھا۔ پھر ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹا صبر کرو۔ خدا کی یہی مرضی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ صحت یاب ہو کر دشمنوں سے انتقام لوں۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ ہی میرا چراغ سحر بجھا ڈالیں گے"۔ ان کے زخموں سے خون جاری تھا۔ ہشام رو رہے تھے۔ ضعیف نے پھر کہا جان پدر مجھے یہ حسرت اور ملال رہے گا کہ تمہیں جنگل بیابان میں بے پناہ چھوڑ رہا ہوں۔ نہ تمہارے لئے کوئی ٹھکانا کر سکا۔ اور نہ تمہیں امن و حفاظت کی جگہ پہنچا سکا۔ بیٹا، میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس چادر کو بھگو کر میرے زخموں پر باندھ دو۔ شاید اس سے خون بہنا بند ہو جائے اور جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہہ سکوں"۔

ہشام جلدی سے اٹھے۔ آبگینہ اور چادر لے کر دریا پر پہنچے۔ آبگینہ میں پانی بھرا اور چادر پانی میں تر کر کے واپس آئے۔ اول انہوں نے زخم دھوئے اور ان پر چادر پھاڑ کر پٹیاں کس دیں۔ ان پٹیوں کے کسنے سے خون کی روانی میں کمی تو ہو گئی مگر بند نہیں ہوا۔

اس کے بعد انہوں نے اس خون کو صاف کیا جو زمین پر بہہ گیا تھا۔ ان کاموں سے فراغت کر کے وہ ضعیف کے پاس بیٹھ گئے۔ ضعیف نے کہا۔ بیٹا! تمہیں اپنا گھر یاد ہے۔ ہم سب اس گھر میں

رہتے تھے۔ وہ گھر الفراما میں واقع تھا۔ الفراما مصر کی حدود میں ایک مشہور قصبہ تھا۔

الفراما میں سب سے ذی عزت گھرانا ہمارا تھا۔ میرے باپ یعنی تمہارے دادا حسام الدین کی ساری بستی والے بڑی عزت و توقیر کیا کرتے تھے۔ ان کے صرف ایک ہی بیٹا تھا اور وہ ضیغم الدین تھا۔ میرا ہی نام ضیغم الدین ہے۔ تمہارے دادا نے میری شادی کے لئے کئی جگہ پیام دیئے۔ لیکن میری طبیعت میں کچھ لا ابالی پن تھا۔ میں شادی کے لئے تیار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ میری عمر پچیس سال سے بھی زیادہ ہو گئی۔

ایک روز میں شکار کھیلنے گیا اور اتنی دور نکل گیا کہ راستہ ہی میں دن چھپ گیا۔ مجبور ہو کر جنگل ہی میں درختوں کے سائے میں بسیرا کرنا پڑا۔ میں نے گھوڑا ایک درخت سے باندھ دیا۔ اور نمد گیرہ بچھا کر سو رہا۔ کچھ شور سن کر میری آنکھ کھل گئی' میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے چیخ کی آواز سنی۔ فوراً میں تلوار لے کر اٹھا اور چل پڑا۔ چاندنی رات تھی' چاند آسمان پر تیر رہا تھا۔ نور کی بارش ہو رہی تھی۔ رات کا قدرتی سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تین آدمی کسی لڑکی کو زبردستی اٹھائے لے جا رہے ہیں میں جھپٹ کر ان کے پاس پہنچا اور للکار کر ان سے کہا "خبردار۔ میں آ پہنچا ہوں"۔ ان مردوں نے میری طرف دیکھا۔ وہ عیسائی تھے۔ انہوں نے لڑکی کو چھوڑ دیا۔ اور تینوں تلواریں نکال کر مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ میں ان کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔ اس وقت میرے جسم میں قوت تھی اور سینہ میں جوش تھا۔ میں نے ان کے حملے روکے اور خود بھی ان پر حملے شروع کئے۔ اتفاق سے ان میں سے ایک کی گردن پر میری تلوار پڑی اور اس کا سر اڑ گیا۔

اب دو حریف میرے مقابلہ میں رہ گئے ان دونوں نے نہایت پھرتی اور قوت سے مجھ پر حملے شروع کئے۔ میں بھی اور سرگرمی سے ان کا مقابلہ کرنے لگا۔ کچھ دیر تک ہم ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ اور دونوں میرے سامنے تھے۔ لیکن دفعتہ ان میں سے ایک پیچھے چلا گیا۔ اس نے میرے پشت کی طرف سے آ کر حملہ کرنا چاہا تھا۔ میں سامنے والے پر جھپٹا۔ وہ پیچھے ہٹا میں نے بڑی پھرتی سے پلٹ کر اپنے آنے والے پر حملہ کر دیا۔ وہ اس حملہ کی مدافعت پر تیار نہ تھا۔ جھجک گیا۔ میری تلوار اس کے سر پر پڑی اور اس کے سر کی دو پھانکیں کر گئی۔ وہ ہولناک چیخ مار کر گرا۔ اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اب صرف ایک آدمی میرے مقابلہ میں رہ گیا۔ اس پر میری ہیبت چھا گئی۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا۔ وہ درختوں کے جھنڈ میں گھس کر غائب ہو گیا۔ میں واپس لوٹ آیا۔ اور اس لڑکی کے پاس پہنچا جسے وہ اٹھا کر لائے تھے۔

وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی صورت چاندنی میں جگمگا رہی تھی۔ وہ بہت زیادہ حسین تھی۔ اس نے مجھے مشکورانہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا "تم کون ہو؟"

اس نے کہا "میں ایک عیسائی لڑکی ہوں۔ قریب ہی کے ایک گاؤں میں رہتی ہوں۔ میرا نام کیتھرائن ہے"۔

اس کی آواز میں ترنم اور موسیقی تھی۔ میں نے پوچھا "تمہارے گاؤں کا کیا نام ہے؟"

اس نے جواب دیا "غرہ"۔

میں: یہاں سے کتنی دور ہے تمہارا گاؤں؟

اس نے بھولے پن سے جواب دیا "مجھے کیا خبر"۔

میں: یہ کون لوگ تھے جو تمہیں اٹھا لائے؟

کیتھرائن: وہ ان صلیبی مجاہدین میں سے تھے جو صلیبی جنگ کے لئے یورپ سے آئے ہیں۔

میں: تم سے کب سے واقف تھے؟

کیتھرائن: ان میں سے ایک جو بھاگ گیا ہے ہمارے گھر ایک روز آکر ٹھہرا تھا۔ اس نے میرے باپ کو میرے لئے پیغام بھی بھیجا تھا۔ مگر وہ کچھ اوباش تھا۔ میرے باپ نے نامنظور کر دیا تھا۔ آج رات کو وہ دو اور ساتھیوں کو لے کر ہمارے مکان پر چڑھ آیا میرے باپ نے مزاحمت کی۔ اس بدبخت نے انہیں مار ڈالا۔ اور تینوں مجھے اٹھا لائے میں نے شور کرنا چاہا مگر انہوں نے میرے منہ میں میری اوڑھنی ٹھونس دی۔ اتفاق سے یہاں آکر اوڑھنی میرے منہ سے نکل گئی۔ میں نے شور کیا۔ وہ مجھے دھمکانے لگے۔ اور اسی بدبخت نے جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا میرے تلوار کا دستہ مارا میری چیخ نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد تم آگئے۔

میں: بڑے ظالم اور بدکار ہیں یہ لوگ۔

کیتھرائن: بڑے ہی ظالم ہیں۔ بالکل درندے۔

میں: چلو۔ میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں۔

وہ چپ ہو گئی۔ میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے نظریں جھکا لی تھیں کچھ جواب کا انتظار کر کے میں نے پھر کہا "تم چپ کیوں ہو گئیں"۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھرتھرا رہے تھے۔ اس نے کہا "اب

گمر کون ہے جس کے پاس جاؤں۔ لے دے کے ایک باپ تھے۔ ظالموں نے انہیں مار ڈالا"۔

میں: اور جس جگہ کہو وہاں لے چلوں۔

کیتھرائن: اب مجھے یروشلم کے بڑے گرجا میں پناہ مل سکتی ہے۔ عیسائی بیت المقدس کو یروشلم کہتے ہیں۔

میں نے کہا "اس گرجا میں جا کر کیا کرو گی؟"

کیتھرائن: نن بن جاؤں گی۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ لڑکیاں جو ساری عمر کنواری رہنے کا قصد کر لیتی ہیں۔ کسی گرجا میں داخل ہو کر نن بن جاتی ہیں۔ اس نے پھر میری طرف دیکھا اور کہا "مگر تم میرے ساتھ یروشلم نہیں جا سکتے"۔

میں: اگر تم یروشلم ہی جانا چاہتی ہو تو میں ضرور تمہیں وہاں لے جانے کی کوشش کروں گا۔ خواہ اس کوشش میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا تم مجھے وہاں لے چلو گے؟"

میں: ضرور لے چلوں گا۔ آؤ ہم ابھی روانہ ہو جائیں۔ وہ میرے ساتھ چلی۔ میں گھوڑے کے قریب آیا اور اس پر زین کسنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہے۔ اور اس تمام علاقہ میں وہ خونخوار عیسائی پھیلے ہوئے ہیں۔ جو اپنے آپ کو صلیبی مجاہد کہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔ مگر نہ معلوم کیوں میں اس لڑکی کو وہاں پہنچانے کے لئے تیار ہو گیا۔

جب میں نے گھوڑے پر زین کس لیا تو اس نے مجھ سے کہا "مگر تم مسلمان ہو عیسائی تمہارے دشمن ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم میری وجہ سے اپنی جان خطرہ میں ڈالو"۔

میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

کیتھرائن: میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

میں بہت حیران ہوا۔ میں نے کہا "مگر میں مسلمان ہوں اور تم عیسائی"۔

اس نے کہا "عیسائی وہ تھے جنہوں نے میرے باپ کو مار ڈالا۔ اور مجھے یہاں اٹھا لائے۔ اور تم مسلمان ہو جو مجھے یروشلم پہنچانے کو تیار ہو۔ ان عیسائیوں سے تم اچھے۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ مگر ایک وعدہ کرو"۔

میں: کیا؟

کیتھرائن: میری مرضی کے خلاف مجھے کسی بات پر مجبور نہ کرو گے۔

میں: میں وعدہ کرتا ہوں۔

کیتھرائن: میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں۔

میں نے اسے گھوڑے پر سوار کیا اور خود پیدل اس کے جلو میں چل پڑا۔ میں یہ سوچتا چل رہا تھا کہ گھر والے اس لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

........☆☆☆........

باب ۳

حیرت

ضیغم الدین نے کچھ دیر دم لے کر کہا "بیٹا! میں اس لڑکی کو گھر لے آیا۔ اس کی شکل و صورت اور حسن و خوبصورتی دیکھ کر تو سب بہت خوش ہوئے۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ وہ عیسائی دوشیزہ ہے تو سب کے تیور بدل گئے۔ لیکن چونکہ مہمان کی مدارات کرنا مسلمان عموماً اور عرب خصوصاً اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کی تواضع کرتے مگر کچھ اوپرے دل سے۔

کیتھرائن بھی نا سمجھ نہیں تھی سمجھ دار تھی۔ وہ سمجھتی کہ میرے گھر والے اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ لیکن وہ کچھ دن میں ایسی گھل مل گئی کہ گھر والوں کا تعصب دور ہو گیا۔ اور وہ اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

آخر کیتھرائن مسلمان ہو گئی۔ اس سے جو تھوڑا بہت تعصب باقی تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور بالاخر اس کے ساتھ میری شادی ہو گئی۔ ان ہی ایام میں صلیبی لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ یورپ سے عیسائی بیت المقدس میں آنے لگے۔ آئے تو وہ بیت المقدس کی حفاظت کے بہانہ سے تھے۔ لیکن دراصل ان کا منشاء ممالک شام، مصر اور فلسطین پر قبضہ کرنے کا تھا۔ مسلمانوں کا عام خیال یہ تھا کہ یورپ کی آبادی بڑھ گئی ہے۔ اس لئے وہاں سے عیسائی ایشیا میں آباد ہونے کے لئے آ رہے ہیں۔ حقیقت بھی کچھ یہی تھی۔ اگر یہ لوگ ایشیا میں بسنے کے لئے آتے۔ اور انسانیت سے رہنا چاہتے تو مسلمان انہیں اپنے علاقہ میں بسا لیتے۔ مگر وہ دولت و حکومت کی طمع لے کر آتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی بہت سی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اس لئے وہ ان حکومتوں کے ختم کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔

افسوس ان چھوٹی حکومتوں میں اتحاد نہ ہو سکا۔ ایک حکومت دوسری حکومت کو تباہ و تاراج ہوتے دیکھتی رہی۔ سب حکمران متحد ہو کر عیسائیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس لئے عیسائیوں کا سیلاب

بڑھتا رہا۔ انہوں نے بیت المقدس فتح کر لیا۔ اس مشہور شہر کو فتح کرنے سے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے انطاکیہ اور اعزار (اڈیسہ) کو بھی مسلمانوں سے چھین لیا۔

ان شہروں کے فتح ہو جانے سے مسلمانوں کی قوت ٹوٹ گئی۔ اور عیسائیوں کی ہمت بڑھ گئی۔ اب عیسائیوں نے ایک طرف ملک شام اور فلسطین پر اور دوسری طرف مصر پر یلغاریں شروع کر دیں۔ ان تینوں ملکوں میں کوئی ایسی مضبوط اسلامی سلطنت نہیں تھی جو خونخوار عیسائیوں کا مقابلہ کر سکتی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہ درندے جس بستی پر حملہ کرتے وہاں کے مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے ذبح کر ڈالتے۔ جو ہاتھ آتا لوٹ کر لے جاتے۔ جس علاقہ میں سے گذرتے وہاں کی سبز کھیتیاں جلا ڈالتے۔ ان وحشی اور سفاک عیسائیوں کے خوف سے راستے بند ہو گئے۔ کھیتیاں پامال ہو گئیں۔ تجارت جاتی رہی۔ ان ملکوں کے سرحدی علاقے تاراج ہو گئے۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ اس خوف کا اثر الفرما تک بھی پہنچا۔

تمہارے دادا نے وہاں سے موصل چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ موصل بہت محفوظ مقام تھا۔ اور وہاں ایک پرجوش اور صاحب ایمان سلطان حکمران تھے۔ ان حکمراں کا نام عماد الدین زنگی تھا۔ ان کی بہادری، اسلامی ہمدردی اور قوت ایمانی کی بڑی شہرت تھی۔

لیکن تمہارے دادا کو ایک حادثہ پیش آگیا جس کی وجہ سے نقل سکونت نہ ہو سکی۔ ہوا یہ کہ ایک دفعہ تمہارے دادا ہوا خوری کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر گئے۔ نہ معلوم کس چیز سے گھوڑا بھڑک گیا اور وہ گر پڑے۔ اس صدمہ سے ان کی ایڑی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ لوگ انہیں پالکی میں ڈال کر لائے۔ ان کا علاج شروع ہوا۔ اس وقت تم تین سال کے ہو گئے تھے۔ ایک تمہاری بہن سلطانہ تھی جو آٹھ مہینے کی تھی۔

تمہارے دادا حسام الدین بوڑھے تو تھے ہی۔ اس تکلیف نے انہیں صاحب فراش کر دیا۔ وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اور ذرا سی ٹھیس سے انہیں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے وہاں سے موصل نہیں جا سکتے تھے۔

تمہاری والدہ کیتھرائن جن کا اسلامی نام خالدہ رکھا گیا تھا۔ حسام الدین کی بڑی محنت سے تیمار داری کر رہی تھیں۔ اگرچہ خدا کا فضل تھا۔ کئی کنیزیں اور کئی غلام تھے۔ مگر کیتھرائن خود تیمار داری میں لگی رہتی تھیں۔ اس اللہ کی بندی نے رات اور دن ایک کر دیئے۔ رات رات بھر جاگتے ان کی دیکھ بھال کرتے گذار دیتی تھی۔ تمہارے دادا اس کی یہ جانفشانی اور محبت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ مجھے تنہائی میں کہا "کیتھرائن بڑی اچھی دلہن ہے۔

قسمت والوں کو ایسی دلہن ملتی ہے خبردار اس کا دل میلا نہ ہونے دینا"۔

کیتھرائن نے گھر بھر کا دل موہ لیا تھا۔ گھر کا ہر آدمی اس کا گرویدہ اور ثنا خواہ تھا۔ ہر ایک اس سے محبت کرتا تھا۔ خدا نے اسے بڑا نرم دل اور خوش مزاج بنایا تھا۔ وہ ہر وقت بلبل کی طرح چہکتی رہتی تھی۔ ایسی باتیں کرتی تھی جس سے افسردہ دلوں کی افسردگی دور ہو جاتی تھی۔ بشاشی اور خوش دلی عود کر آتی تھی۔

تمہارے دادا کو اگرچہ سخت تکلیف تھی۔ مگر کیتھرائن ان سے ایسی باتیں کرتی رہتی تھی۔ جس سے انہیں تکلیف کا احساس کم ہو جاتا تھا۔

تمہارے دادا ایک سال تک اس تکلیف میں مبتلا رہے۔ آخر ان کا انتقال ہو گیا۔ ہم سب ہی کو ان کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ مگر مشیت ایزدی میں کس کا چارہ ہے۔ ایک سال تک ہم سوگوار رہے۔ آخر غم کے بادل چھٹنے لگے۔ اس عرصے میں تم پانچ برس کے ہو گئے۔ اور سلطانہ تین برس کی ہو گئی۔ ہمارے لئے تم دونوں ہی سب کچھ تھے۔ تمہیں دیکھ کر ہم جیتے تھے۔ خصوصاً تمہاری والدہ تم دونوں پر جان چھڑکتی تھی۔

اس دو سال کے عرصے میں نہ معلوم کیا اسباب پیدا ہوئے کہ عیسائیوں کا سیلاب آگے نہیں بڑھا ان کے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے واقعات میں بھی کمی رہی۔ سچ پوچھو تو ہم ان کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ لیکن یہ اطمینان جلد ہی رخصت ہو گیا۔ پھر طوفان اٹھنے لگا تھا اور عیسائیوں نے پھر اسلامی بستیوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں پر خوف و ہراس چھا گیا۔ ہماری بستی القرا ما تک بھی اس کی دست درازیاں ہونے لگیں۔

ہم نے پھر موصل چلنے کا تہیہ کر لیا۔ مگر بڑی سستی سے کام لیا۔ فوراً ہی تیاری نہیں کی۔ لیکن ہم مجبور تھے۔ کسی جگہ سے ہجرت کرنا کچھ آسان نہیں ہوتا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ اسے سمیٹنا تھا۔ سکنائی اور صحرائی جائیدادوں کا انتظام کرنا تھا۔ غیر ضروری سامان علیحدہ کرتا تھا اور ضروری سامان ساتھ لے کر چلنے کا بندوبست کرنا تھا غرض بہت سے کام تھے جو کرنے تھے۔ اور ہم ان کاموں میں مصروف ہو گئے۔

لیکن خدا کو یہ منظور نہیں تھا کہ ہم وہاں ہجرت کر جائیں۔ پھر ایک رکاوٹ حائل ہو گئی۔ ہوا یہ کہ تمہاری والدہ کیتھرائن بیمار ہو گئی اگرچہ اس کا نام خالدہ رکھ دیا گیا تھا مگر میں اسے کیتھرائن ہی کہتا تھا۔ اس کا علاج شروع ہوا۔ تم اور سلطانہ ہر وقت اس کی بالیں پر بیٹھے رہتے۔ میں بھی زیادہ تر

تمہارے پاس ہی رہتا۔ کنیزیں باری باری رات اور دن جاگتی رہتیں۔ غرض ہم سب تیمار داری میں مصروف تھے۔ اسے میعادی بخار ہو گیا تھا۔ کچھ روز تو اس پر ایسی غفلت طاری رہی کہ اسے دین دنیا کی خبر نہ رہی۔ ہم سب گھبرا گئے۔ بستی کے طبیب بڑی ہوشیاری سے اس کا علاج کر رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے مرض کا زور گھٹا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ہماری جان میں جان آئی۔

رفتہ رفتہ مرض بالکل جاتا رہا۔ مگر وہ کمزور زیادہ ہو گئی۔ ایک تو وہ تھی ہی دھان پان۔ بیماری سے اور بھی نازک ہو گئی لیکن وہ کچھ ایسی خوبصورت تھی کہ اس عالم میں اور بھی حسین ہو گئی۔

خدا خدا کر کے کمزوری بھی دور ہونے لگی۔ اب اس کی جبلی سرخی عود کر آئی' وہ پھر ہنسنے اور ہنسانے لگی۔ معالج طبیبوں نے اسے ہوا خوری کا مشورہ دیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بستی سے باہر جانے لگی۔

جب وہ غزہ سے آئی تھی تو گھوڑے پر سوار ہونا بالکل نہ جانتی تھی لیکن میں نے اسے گھوڑے کی سواری سکھا دی تھی۔ اب وہ اچھی خاصی سوار بن گئی تھی۔

شروع شروع میں تو میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بستی سے دور نکل جاتے اور کئی کئی گھنٹوں میں واپس آتے۔ مگر جب اس کی کمزوری اچھی طرح رفع ہو گئی تو تنہا جانے لگی۔ چونکہ مجھے اور بہت سے کام رہتے تھے۔ اس لئے میں دونوں وقت اس کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روز وہ صبح کی نماز پڑھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر گئی۔ میں اس کے ساتھ نہ جا سکا اس روز وہ معمول سے زیادہ دیر کر کے آئی۔ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ مکان کے اندر داخل ہوئی تو میں نے دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے کیتھرائن' تم خوفزدہ کیوں ہو؟"

اس نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا "مجھے سنبھالو' جلدی سنبھالو"۔

میں نے دیکھا وہ بید مجنوں کی طرح کانپ رہی تھی گرنے والی تھی۔ میں نے لپک کر اسے سہارا دیا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے اس کے کمرہ میں لے گیا۔ میں اس کی حالت دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ کبھی میں نے اسے اس قدر خوفزدہ نہیں دیکھا تھا۔

......☆☆☆......

باب ۴

میرا استعجاب

کمرہ میں پہنچتے ہی وہ ناتوانوں کی طرح بستر پر جا پڑی۔ میں نے اس کی قبا کے بند کھول دیئے۔ اس نے اس طرح آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے وہ بہت خوفزدہ ہو۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "کیتھرائن خوف نہ کرو۔ اس وقت تم محفوظ ہو"۔

اس نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں۔ خاموش پڑی رہی۔ مجھے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ڈرپوک اور بزدل نہیں ہے۔ جب سے وہ مسلمان ہوئی تھی اور اس نے مسلم مجاہدوں کے کارنامے سنے تھے۔ خصوصاً دختران اسلام کی بہادری کے واقعات۔ اس وقت سے اس کے دل میں بھی دلیری اور جرات آگئی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ اگر دشمنوں سے میرا مقابلہ ہو گیا تو دکھا دوں گی کہ میں بھی مردوں سے پیچھے رہنے والی نہیں ہوں۔

یہ کچھ اس کی تعلیاں نہ تھیں بلکہ حقیقت ہی تھی۔ ایک روز جب کہ میں گھر پر نہیں تھا۔ باہر گیا تھا۔ بستی میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے۔ کیتھرائن یہ سنتے ہی مسلح ہو کر غلاموں کو اپنے جلو میں لے کر ساری بستی میں گشت لگا آئی تھی۔ اس کی یہ دلیری دیکھ کر مسلمانوں میں صد گونہ جوش و جرات پیدا ہو گئی۔ اور بستی کے تمام مرد ساری رات اس کے ساتھ بستی کے چاروں طرف گھومتے رہے تھے۔ انہوں نے جرات مردانہ دیکھ کر اس کی قیادت قبول و منظور کر لی تھی۔ اگلے روز سارے قصبہ میں اس کی بہادری جوش اور جرات کا تذکرہ مردوں، عورتوں اور بچوں کی زبان پر تھا۔ میں نے شام کو آکر راستہ ہی میں جب یہ واقعہ سنا تو باغ باغ ہو گیا۔

مجھے اس لئے زیادہ خوشی ہوئی تھی کہ جیسی بہادر بیوی چاہتا تھا ویسی ہی ملی تھی۔ ایک مرتبہ اور ایسا ہوا تھا کہ میں شکار کے لئے گیا تھا۔ رات کو واپس نہ آ سکا۔ کیتھرائن، بڑی رات گئے تک

میرا انتظار کیا۔ مگر جب میں نہ آیا تو کھانا کھا کر سو رہی۔

وہ کھانا میرے ساتھ کھایا کرتی تھی۔ اکثر مجھے آنے میں دیر ہو جاتی تھی۔ اور وہ میرا انتظار کرتی رہتی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ اس سے درخواست کی تھی کہ وہ میرا انتظار نہ کیا کرے مگر اس نے نہیں مانا تھا۔ غرض وہ سو رہی آدھی رات کے بعد دفعۃً شور ہوا۔ کنیزیں چور چور کا غل مچانے لگیں۔ کیتھرائن کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جلدی سے اٹھی۔ اور تلوار سونت کر باہر نکل آئی۔ کنیزیں اس کے گرد جمع ہو گئیں۔ اس نے پوچھا "کیا ہے؟"

انہوں نے بتایا کہ مطبخ میں چور ہیں۔ وہ مردانہ وار اس طرف چلی۔ کنیزوں نے اسے پکڑ لیا اور کہا غلاموں کو بلوا لیجیے۔

اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "اس کی کیا ضرورت ہے"۔ کنیزوں نے کہا "اچھا روشنی آ جانے دیجیے"۔

اندھیری رات تھی۔ وہ روشنی کے انتظار میں ٹھہر گئی۔ کئی کنیزیں دوڑ کر گئیں اور روشنی لے آئیں۔ کیتھرائن نے ایک ہاتھ میں روشنی لی اور ایک ہاتھ میں تلوار سنبھالی۔ اور بڑھی۔ کنیزیں بھی ڈرتی ڈرتی ساتھ ہو لیں۔ مطبخ کا دروازہ کیتھرائن نے کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی بلی کود کر بھاگی۔ کیتھرائن ہنس پڑی۔ اس نے کہا "یہ تھا چور"۔

بات یہی تھی۔ بلی نے برتن گرا دیئے تھے۔ کنیزیں گھبرا گئیں۔ اور چور چور پکارنے لگیں۔ سب کنیزیں شرمندہ ہو گئیں۔

اسی طرح کے اور بھی کئی واقعے گذر چکے تھے۔ اور ان سے اس کی دلیری کا ثبوت مل چکا تھا۔ اس لئے مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ ایسا کیا واقعہ پیش آ گیا ہے۔ جس نے اسے اس قدر غمگین اور خوف زدہ کر دیا ہے کہ آنکھیں نہیں کھول سکتی۔

کچھ وقفہ کے بعد میں نے اسے پھر آواز دی اور کہا "کیتھرائن' بتاؤ نا کیا بات ہوئی؟"

وہ اب بھی خاموش رہی۔ نہ اس نے آنکھیں کھولیں نہ کچھ کہا۔ گم صم خاموش پڑی رہی۔ اب مجھے فکر ہوا کہ کہیں اسے نظر تو نہیں لگ گئی ہے۔ یا کسی جن نے تو نہیں ڈرا دیا ہے۔ میرے دل میں عجیب عجیب طرح کے وسوسے گذرنے لگے۔ پریشانی بڑھنے لگی۔ طبیعت بے چین ہونے لگی۔ اس کا حال معلوم کرنے کے لئے دل کچھ بہت زیادہ بے قرار ہو گیا۔ میں نے کہا "کیتھرائن' تم تو کہا کرتی تھیں کہ اگر تم خدانخواستہ موت میں بھی ہو اور میں پکاروں تو تم جواب دو گی۔ آج کیا بات

ہے کہ بولتی بھی نہیں ہو"۔

اس نے رفتہ رفتہ آنکھیں کھولیں۔ میری طرف دیکھا اور عاجزی کے انداز میں کہا "آپ ذرا ٹھہر جایئے میرے حواس تو بحال ہو جانے دیجئے"۔

یہ کہہ کر اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ میں سر جھکا کر غم و فکر کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ اس وقت وہاں تم آ گئے۔ تمہاری عمر سات سال کی اور سلطانہ پانچ سال کی ہو چکی تھی۔ تم نے آتے ہی آواز دی "امی"۔

اس نے آنکھیں کھول کر تمہیں دیکھا۔ اور اپنی آغوش میں لینے کے لئے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

میں نے دیکھا اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا مجھے اور بھی فکر ہوئی۔ اس نے "میرے بیٹے" کہہ کر تمہیں اپنے سینے سے لگایا۔ اسی وقت سلطانہ بھی کہیں سے دوڑتی ہوئی آ گئی۔ اس کا چہرہ گل انار کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ کہیں دھوپ میں کھیلتی رہتی تھی۔ اپنی امی کو خلاف معمول بستر پر پڑا ہوا اور تمہیں اس کی گودی میں دیکھ کر تڑپ گئی۔ وہ جلدی سے بچی کے پاس پہنچ کر "امی" "امی" کہہ کر رونے لگی۔

کیتھرائن کو تم سے اور سلطانہ سے یعنی اپنے دونوں بچوں سے بے پناہ محبت تھی۔ سلطانہ کی آواز سنتے ہی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اور سلطانہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی "میرا چاند، میری آنکھوں کا نور۔ رو مت"۔

اس کے آنکھیں کھولنے اور بولنے سے سلطانہ کی کچھ تسلی ہوئی۔ اس نے چھوٹے رومال سے جو اکثر اس کے ہاتھ میں رہتا تھا اپنے آنسو پونچھتے اور سسکی لے لے کر کہا "امی ــــ، تم کیوں ــــ پڑی ہو"۔

کیتھرائن نے کہا "میری بچی، ــــ میں تھک گئی تھی"۔

مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا "کیتھرائن؟ تم نے ــــ ان معصوموں کو تو تسلی دے لی۔ مگر میرا خیال نہ کیا"۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میرے سرتاج! میں تمہیں سب کچھ سنا دوں گی۔ ابھی میری طبیعت ٹھکانے نہیں ہے"۔

میں: جانتی ہو میری طبیعت کس قدر بے قرار اور فکر مند ہو رہی ہے۔

کیتھرائن: جانتی ہوں۔ کاش میں سب کچھ تم سے ایک فقرہ یا ایک لفظ میں کہہ سکتی۔ اور تمہاری بھی اسی طرح تسلی ہو جاتی جیسے ان بچوں کی ہو گئی ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔

میں: مجھے بھی تو حیرت ہے کہ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے۔

کیتھرائن: اور وہی بتانے کی اس وقت مجھ میں جرات نہیں ہے۔

میں: آخر تم نے کیا دیکھا ہے۔

کیتھرائن: میں نے وہ دیکھا ہے جس کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں ہے۔ اور جسے دیکھ کر میں سہم جایا کرتی ہوں۔

میں: کیا وہ کوئی انسان ہے؟

کیتھرائن: اللہ ذرا ٹھہر جاؤ۔

میں: اگر تم مجھے بتا دو تو میں اس کا خاتمہ کر ڈالنے کے لئے اس کا پیچھا کروں۔

میں نے دیکھا وہ یہ سنتے ہی لرز گئی۔ مجھے اور بھی حیرت ہوئی کہ وہ کون ہے۔ یا کیا چیز ہے جس سے وہ اتنی خائف ہے کہ میرا اسکے تعاقب میں جانا بھی گوارا نہیں کرتی۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا"۔

میں نے کہا "اچھا نہ بتاؤ۔ میں خود جا کر دیکھتا ہوں"۔

یہ کہہ کر میں کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں بچوں کو ادھر ادھر پھینک کر جلدی سے اٹھی اور گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولی "نہیں، نہیں، خدا کے لئے ایسا نہ کرو"۔

وہ بستر سے اترنا چاہتی تھی لیکن اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ کھڑی نہ ہو سکی۔ میں نے جلدی سے بڑھ کر اسے لٹایا اور کہا "اچھا میں نہ جاؤں گا"۔

اس نے اطمینان کا سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میرا استعجاب بڑھنے لگا۔

.........☆☆☆.........

باب ۵

خوفناک انسان

مجھے خالدہ (کیتھرائن) کی حالت دیکھ کر بڑی حیرت اور پریشانی تھی، وہ کبھی کسی چیز سے اس قدر نہیں سہمی تھی۔ نہ ڈری تھی۔ میں خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا، کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں، میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا "کیتھرائن! کچھ طبیعت کو سکون ہوا"۔

اس نے میرے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مجھے اب کیتھرائن نہ کہا کرو۔ خالدہ کہا کرو، خالدہ نام اچھا معلوم ہوتا ہے"۔

میں نے اسے خوش کرنے کے لئے کہا "تم اتنی اچھی ہو کہ جو نام بھی تمہارا لیا جائے وہ اچھا ہی ہو گا"۔

اس وقت سے میں اسے خالدہ کہنے لگا۔ میں نے پھر کہا "خالدہ! اب بتاؤ کیا دیکھا ہے تم نے؟

خالدہ: ذرا ان بچوں کو چلے جانے دو۔

تم کافی سمجھدار تھے۔ تم نے کہا۔ میں نہیں جانے کا امی۔ مجھے بتاؤ وہ کون تھا؟

اس نے مسکرا کر تمہیں دیکھا۔ اور کہا "تمہیں کیسے معلوم کہ کوئی تھا"۔

تم نے کہا "تم پر کسی نے حملہ کیا ہے۔ میں اسے مار کر رہوں گا"۔

اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس نے کہا "میرا بیٹا بڑا بہادر ہے"۔

سلطانہ نے جلدی سے کہا "اور میں"۔

خالدہ نے اس کا منہ چوم لیا اور کہا "تو بھی بہادر ہے"۔

وہ مسکرانے لگی۔ میں نے کہا "میرے دل کی الجھن دور کرو خالدہ"۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ چند لمحے دیکھتی رہی ' پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دوپٹہ ٹھیک کر کے اوڑھا۔ میں نے دیکھا اب ذرا سی دیر میں اس کی حالت بہت کچھ بہتر ہو گئی تھی اور اس کے چہرے کی زردی دور ہونے اور سرخی بڑھنے لگی تھی۔ مجھے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے کہا "چلو۔ باہر بیٹھیں گے "۔

وہ چلی۔ میں نے اسے سہارا دینے کے لئے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے مسکرا کر کہا "اب اندیشہ نہ کرو۔ اب میں ٹھیک ہوں "۔

وہ۔ میں۔ تم اور سلطانہ چاروں باہر آ کر بیٹھ گئے۔ سلطانہ نے نہ جانے کیا چیز دیکھی کہ وہاں سے دوڑی چلی گئی۔ تم بھی اس کے پیچھے دوڑے چلے گئے اب میں اور خالدہ رہ گئے۔ میں نے کہا "اب بتاؤ تم نے کیا دیکھا تھا؟"

اس نے کہا "میں نے اس خوفناک انسان کو دیکھا ہے جسے دیکھ کر میرے بدن میں تھرتھری پڑ جاتی ہے "۔

میں: وہ کون ہے ؟"

خالدہ: یہ میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔ مگر اتنا سمجھتی ہوں کہ وہ انسان ہے لیکن بڑا خوفناک انسان۔ اس کی صورت بڑی ہی ڈراؤنی ہے۔

میں: تعجب ہے تم ایک انسان سے اتنی ڈر گئیں۔

خالدہ: جب میں اسے دیکھتی ہوں سہم جاتی ہوں ' ـــــ نہ جانے کیوں ؟

میں: کیا تمہیں وہ اکثر ملتا رہتا ہے ؟

خالدہ: نہیں ' چند مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ مجھے وہ کب کب ملا ہے۔

وہ چپ ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ گویا حافظہ پر زور دے کر یاد کر رہی تھی ' کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

ایک روز میں غزہ کے بڑے گرجا سے نکل رہی تھی کہ وہ کئی آدمیوں کے ساتھ گرجا کے سامنے کھڑا تھا۔ میری نگاہ سب سے پہلے اس پر پڑی۔ اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اور سر کے بال بگلوں کی طرح کھڑے تھے۔ اس کی صورت بہت ہی خوفناک تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں تھرتھری سی پڑ گئی۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے جلدی سے نظریں جھکا

لیس، وہ میری طرف بڑھا۔ میری روح کھنچنے لگی۔ دل چاہا وہاں سے بھاگ جاؤں۔ مگر پیر جیسے سو سو من کے ہو گئے، بھاگنا تو در کنار چلنا بھی مشکل ہو گیا، وہ مجھے گھورتا بڑھتا آ رہا تھا۔ اس کی تیز نظریں میرے دل کے پار ہوئی جا رہی تھیں۔ اس نے قریب آ کر پوچھا "کیا یہ ٹمپلر[1] (خدام معبد) کا گرجا ہے"۔

میرا گلا خشک ہو رہا تھا، زبان سوکھ گئی تھی، بات منہ سے نہ نکلتی تھی۔ میں نے سر سے اشارہ کر کے ہاں کہا۔

وہ برابر مجھے دیکھتا رہا۔ اس نے نرمی سے کہا "ڈرو نہیں۔ میں بھی اسی فرقہ ٹمپلر کا ایک فرد ہوں، اور یہ میرے ساتھی بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں"۔

مگر میرا خوف دور نہیں ہوا میری ہمت اس کی طرف دیکھنے کی نہ ہوتی تھی، میں نے چلنے کا ارادہ کیا، لیکن قدم نہ اٹھے۔ اس نے کہا "کیا پادری گرجا کے اندر ہے؟"

میں نے بہت چاہا کہ جواب دوں مگر زبان اتنی خشک ہو چکی تھی کہ ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، میں نے پھر سر ہلا کر کہا "ہاں"۔

وہ میرے اور قریب آیا اور اس نے اس آہستگی سے جس سے صرف میں ہی سن سکوں کہا "میرا نام دلیرن ہے۔ میری بہادری کے افسانے مشہور ہیں، میں عورتوں سے نفرت کرتا تھا، مگر تم سے محبت کرتا ہوں"۔

میں جرات کر کے وہاں سے چلی آئی، اس روز تمام دن مجھے اس کا خیال رہا اس کی صورت کچھ عجیب اور خوفناک سی تھی۔ رات کو سوتے میں بھی وہ خواب میں نظر آیا، لیکن دوسرے روز میں اسے بھول گئی۔ اور چند روز میں وہ مجھے بالکل ہی یاد نہ رہا، ایک روز شام کے وقت میرے والد آئے۔ انہوں نے کہا "کیتھرائن، بیٹی! دلیرن نے تیرے لئے پیغام دیا ہے"۔

میں سہم گئی۔ انہوں نے کہا "وہ بڑا بہادر اور مشہور آدمی ہے، یروشلم کے بادشاہ کا مصاحب ہے۔ کافی دولت مند ہے اور......"

بے ساختہ میری زبان سے نکلا "مگر میں اس سے نفرت کرتی ہوں"۔

میرے والد بہت حیران ہوئے مگر وہ میری مرضی کے خلاف کچھ کرنا نہ چاہتے تھے، اس لئے

---

[1] صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں عیسائیوں کے زبردست فرقے ہو گئے ان میں سے ایک کا نام ٹمپلر یعنی معبد گر جاؤں کے خادم اور دوسرے کا نام ہاسپٹلر یعنی شفا خانوں کے خادم تھے۔

خاموش ہو کر چلے گئے' اس بات کے چوتھے روز دلیرن ہمارے گھر آیا۔ اس وقت اس کے چہرے سے غصہ اور غضب کے آثار ظاہر تھے۔ آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ میں اور والد دونوں بیٹھے تھے۔ اس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا۔ "مغرور کیترائن' تو نے میرا پیغام رد کر دیا۔ تو اور تیرا باپ دونوں کان کھول کر سن لو کہ تو میرے حرم میں داخل ہو گی۔ ایک ذلیل لونڈی کی طرح۔ میں اس وقت ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ عنقریب تجھے اٹھوا لوں گا"۔

میں خوف و دہشت سے کانپ رہی تھی' میرے باپ کوئی معمولی آدمی نہ تھے' فرقہ ٹمپلر کے معزز طبقے میں سے تھے۔ میں نے کہا "دلیرن تمہارا یہ حوصلہ' یاد رکھو اگر تم نے مجھے چھیڑا تو انجام اچھا نہیں ہو گا"۔

دلیرن نے ہنس کر کہا "معلوم ہو جائے گا کس کا انجام اچھا نہ ہو گا"۔

وہ چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی نہ معلوم کیوں میں رونے لگی۔ میرے باپ نے مجھے تسلی دی۔ میں چپ ہو گئی مگر ایک نامعلوم خلش میرے دل میں پیدا ہو گئی' میں نے دلیرن کے ڈر سے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔

آج وہ بدبخت مجھے پھر ملا' وہ تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا "کیترائن! میں تجھے تلاش کر رہا ہوں۔ تیرے باپ کا انجام اچھا نہ ہوا اسے میرے آدمیوں نے مار ڈالا' مگر وہ بزدل ایک مسلمان کا مقابلہ نہ کر سکے' لیکن میں نے تجھے پا لیا"۔

مجھ پر دہشت غالب آ گئی' اسی دہشت میں یہ غم بھی داخل ہو گیا کہ وہ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں کانپ گئی' نہ معلوم خوف کی وجہ سے یا جوش اور غصہ کی وجہ سے۔ اس نے کہا "تم اپنی خیریت چاہتی ہو تو میرے ساتھ چپ چاپ چلو"۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ چند مسلمان قریب ہی تھے' میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے اس درندے سے کہا "میں انہیں بلاتی ہوں"۔

اس نے جلدی سے کہا "اس وقت میں جا رہا ہوں' مگر یقین رکھو بہت جلد آؤں گا"۔

وہ چلا گیا' میں واپس لوٹ آئی' میں نہیں کہہ سکتی کہ کیسے گھر تک آ گئی' جب بھی میں اسے دیکھتی ہوں خوف و دہشت سے میرا برا حال ہو جاتا ہے۔

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

.......☆☆☆.......

باب ٦

دلیرن

مجھے خالدہ کی باتیں سن کر تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ تعجب اس لئے ہوا کہ اس شخص کی جس کا نام دلیرن ہے ایسی کیسی خوفناک صورت ہے جسے دیکھ کر خالدہ جیسی دلیر عورت خوف اور دہشت سے کانپنے لگتی ہے' غصہ اس لئے آیا کہ وہ بد بخت خالدہ کا پیچھا کرتا رہا۔ اس سفاک نے اس نازنین کے باپ کو ذبح کرا دیا۔ یہ خیال نہ کیا کہ اس سے اس کے نازک دل کو سخت اذیت پہنچے گی۔

میں نے خالدہ سے کہا "کاش تم آتے ہی اس ظالم کا بتا دیتیں' میں یقیناً اس کا خاتمہ کر ڈالتا"۔

خالدہ نے کہا "میں نہیں چاہتی کہ تم اس خونخوار درندے کا مقابلہ کرو' وہ کوئی بڑا وحشی ہے' اسے دیکھتے ہی مجھ پر سخت قسم کی دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ میں خوب جانتی تھی کہ اگر میں آتے ہی تم سے اس کا ذکر کر دیتی تو تم ضرور اس کا تعاقب کرتے' اور یہ بات مجھے پسند نہیں تھی۔

"اب وہ ضرور یہاں سے دور چلا گیا ہو گا۔ اس لئے میں نے تم سے کہا ہے"۔

میں: کیا تم مجھے بزدل سمجھتی ہو؟

خالدہ: نہیں۔ مگر اسے خونخوار وحشی سمجھتی ہوں۔ اس لئے اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ تم اس کا مقابلہ کرو۔

میں: اس نے تمہارے باپ کو قتل کرایا ہے' اس سے انتقام لینا تو ضروری ہے۔

خالدہ: لیکن اس سے میرے باپ تو واپس نہ آ جائیں گے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ضیغم' اس حادثہ نے مجھے تم سے ملنے کا موقع دیا۔ اس حادثہ کی بدولت میں نے دین اسلام اختیار کیا۔ ایک ایسی نعمت حاصل کی جسے میں اپنی جہالت کی وجہ سے نعمت نہ سمجھتی تھی' میرے لئے یہ حادثہ مبارک ہوا۔

میں: یہ درست ہے مگر تمہارے لئے ابھی مستقل خطرہ تو موجود ہے۔

خالدہ: اس کا اندیشہ تو مجھے ضرور پیدا ہو گیا ہے' مگر میرا خیال ہے کہ وہ مسلمانوں سے ڈرتا ہے' اس لئے یہاں کوئی دست درازی نہ کرے گا۔

میں: ممکن ہے وہ تمہاری تاک میں رہے' اور جب تمہیں تنہا اور بستی سے دور دیکھے تو دست درازی کر بیٹھے۔

خالدہ: میں اسے ایسا موقع ہی نہ دوں گی۔ اب ہوا خوری کیلئے تنہا اور بستی سے دور نہ جایا کروں گی۔

میں: مگر ہم الفراما کو چھوڑ ہی کیوں نہ دیں' موصل چلیں' وہاں اس کے شر سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔

خالدہ: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میں نے اسی روز سے موصل چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ خالدہ نے ہوا خوری کیلئے جانا چھوڑ دیا۔ ابھی ہم تیاری کر رہے تھے کہ معلوم ہوا کہ مصر کے وزیر اعظم اس نواح کا دورہ کرنے کے لئے آنے والے ہیں' اس علاقہ کے معزز لوگوں کو ہدایتیں آئی تھیں کہ وہ وزیر اعظم سے مل کر وہاں کے حالات سے انہیں آگاہ کریں۔ جو لوگ اپنی جاگیروں میں نہ ملیں گے ان کی جاگیریں ضبط کر لی جائیں گی۔

بدقسمتی سے میں بھی جاگیر دار تھا' اور الفراما میں سب سے معزز بھی تھا' مجھے بھی وزیر اعظم کے انتظار میں رک جانا پڑا' کیونکہ خوف ہوا کہ اگر میں چلا گیا تو میری جاگیر ضبط کر لی جائے گی کاش میں جاگیر کا خیال نہ کرتا اور وہاں سے نکل جاتا' لیکن شدنی ہو کر رہتی ہے۔

میں وزیر اعظم کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن خلافت میں بہت کچھ ضعف آ گیا تھا اور مصر کے خلیفہ وزیروں کے ہاتھوں میں بے دست و پا ہو کر رہ گئے تھے۔ اور وزیروں کو اپنی وزارت کے سنبھالنے کی فکر پڑی رہتی تھی' کیونکہ خلیفہ کے مصاحب اور حکومت کے مشیر وزیر اعظم کو معزول کرانے کی فکر میں لگے رہتے۔

غرض مصر کی حالت کچھ اچھی نہیں تھی' وزیر اعظم کے دورے کے انتظار میں چھ مہینے گزر گئے' نہ تو وہ آئے اور نہ پہلا حکم منسوخ ہوا۔ جس سے اطمینان ہو جاتا اور ہم موصل چلے جاتے۔

ایک روز قصبہ میں یہ خبر آئی کہ کچھ عیسائی بستی کے باہر دیکھے گئے ہیں' میرا ماتھا فوراً ٹھنکا' مجھے خیال ہوا کہ کمبخت دلیرن تو نہیں آ گیا ہے' میں قبیلہ کے نوجوانوں کو لیکر باہر نکلا اور عیسائیوں

کی تلاش میں چلا۔ ہر چند انہیں تلاش کیا۔ مگر وہ نہیں ملے' البتہ یہ ضرور معلوم ہوا کہ چند عیسائی اس طرف آئے ضرور تھے۔ مگر چلے گئے۔

وہ زمانہ ایسا تھا کہ عیسائی اسلامی علاقوں میں دندناتے پھرتے تھے اور جس جگہ کے مسلمانوں کو غافل یا کمزور دیکھتے تھے ان پر تاخت کرتے تھے' اور بڑی بے رحمی سے مسلمانوں کو ذبح کر ڈالتے تھے۔

ہم لوگ دیکھ بھال کر واپس چلے آئے۔ اور ہم نے اس روز سے پہرہ کا انتظام کر لیا۔ رات کو راستوں پر کچھ آدمیوں کو مقرر کر دیتے' وہ رات بھر جاگتے اور بستی کی حفاظت کرتے' پہرہ والوں کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ جب کوئی خطرہ دیکھیں تو فوراً مجھے اور شہر کے تمام آدمیوں کو جگا دیں۔

اب ہمارے لئے موقع تھا کہ موصل چلے جاتے اور امن و حفاظت کی جگہ پہنچ جاتے لیکن ایسی حالت میں جب کہ عیسائیوں کے تاخت کا اندیشہ تھا وہاں سے چلا جانا ایک تو بزدلی تھی' دوسرے اس بستی کے لوگوں کی ڈھارس ہماری وجہ سے تھی' ہم چلے جاتے تو وہ مایوس ہو جاتے' اور ان سب کا وہاں سے چلا جانا ممکن نہیں تھا۔ اور اپنے ساتھ لیجانا بڑا دشوار کام تھا۔ اس لئے ہم وہیں رہے۔

چند روز پہرہ کا انتظام بڑی باقاعدگی سے جاری رہا' مگر جب کئی روز گذرنے پر بھی پھر کوئی عیسائی اس نواح میں نظر نہیں آیا تو اطمینان سا ہو گیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ جیسے سانپ جس جگہ نظر آتا ہے وہاں مستقل طور پر نہیں رہتا' بلکہ وہاں سے چلا جاتا ہے' اس طرح عیسائی بھی وہاں سے چلے گئے' اور ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں رہا' چنانچہ پہرہ کا جو انتظام ہوا تھا وہ ختم کر دیا گیا۔

کئی دن اور گذر گئے' ایک روز میں اور خالدہ دونوں شام کے وقت گھوڑوں پر سوار ہو کر چھوٹی نہر کی طرف جا رہے تھے۔ اس نہر کے دونوں طرف کثرت سے درخت تھے' ہم دونوں ان درختوں کے قریب پہنچ گئے۔

خالدہ اس روز بہت زیادہ خوش معلوم ہوتی تھی' بلبل کی طرح چہکتی چلی جا رہی تھی سنہری دھوپ میں اس کا زرفام چہرہ جگمگا رہا تھا۔ میں اسے خوش دیکھ کر بہت خوش تھا' لیکن دفعتہ ہم دونوں کی خوشی کافور ہو گئی' ہوا یہ کہ خالدہ چہکتے چہکتے ایک دم چپ ہو گئی' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "واپس چلو"۔

میں نے اسے دیکھا۔ اس پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ کانپ رہی تھی مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر بڑا تعجب ہوا' میں نے اس سے پوچھا "کیا بات ہے خالدہ؟"

اس نے جواب دیا "فوراً واپس چلئے"۔

میں نے سامنے کی طرف نظر کی، ہم سے کچھ فاصلہ پر نہر کے درختوں میں ایک عیسائی گھوڑے پر سوار کھڑا جھانک رہا ہے، اس کا چہرہ بڑا خوفناک تھا جس سے سختی اور درشتی کے آثار ظاہر تھے۔ میں نے خالدہ سے کہا "شاید یہی دلبرن ہے"۔

خالدہ نے دبی زبان میں کہا "ہاں"۔

میں نے کہا "تم یہیں ٹھہرو میں اس کا خاتمہ کئے دیتا ہوں"۔ میں نے بڑھنا چاہا، اس نے عاجزی سے کہا "نہ جاؤ ہرگز نہ جاؤ، واپس چلو"۔

اس عرصہ میں دلبرن بھی پیچھے ہٹ کر غائب ہو گیا۔

میں نے کہا "خالدہ! تم اس پاجی کو دیکھ کر اتنا کیوں ڈر جاتی ہو؟"

اس نے کہا "معلوم نہیں کیوں، اسے دیکھتے ہی میرے جسم میں وحشت سے تھرتھری پڑ جاتی ہے"۔

میں: اس وقت وہ اکیلا تھا آسانی سے اس کا خاتمہ کیا جا سکتا تھا۔

خالدہ: مگر میں نہیں چاہتی کہ تم اس کا مقابلہ کرو۔

میں نے خالدہ کے دل سے خوف دور کرنے کے لئے کہا۔ وہ دراصل تمہیں دیکھنے کے لئے جیتا ہے، تمہیں دیکھنے کے لئے آیا تھا۔

خالدہ: وہ بہت برا آدمی ہے، عجب نہیں کہ شیطان ہو۔ آؤ واپس چلیں۔

پھر ہم دونوں لوٹ آئے، راستہ میں میں نے خالدہ سے ایسی دل خوش کرنے والی باتیں کیں، جس سے وہ خوش ہو گئی۔ اور اس کا خوف جاتا رہا، ہم دونوں گھر آ گئے۔ دن چھپے مغرب کی نماز پڑھی اور سب نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر باتیں کرنے لگے۔ تم اور سلطانہ دونوں سو گئے۔ ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اور کمرۂ خواب میں جا کر سو رہے۔

نہ معلوم کتنی دیر سوئے کہ خالدہ نے مجھے جھنجھوڑا، میں اٹھ بیٹھا، میں نے کہا "کیا ہے؟"

خالدہ نے کہا، ہوشیار ہو جاؤ۔ اور سنو کیا شور ہو رہا ہے۔

میں آنکھیں کھول کر ہوشیار ہو گیا۔۔۔ میں نے کان لگا کر سنا۔ بڑا شور ہو رہا تھا، ایسے جیسے بستی میں کوئی آفت آ گئی ہو۔ میں حیران رہ گیا۔

......☆☆☆......

باب ۷

غارت گری

شور دم بہ دم بڑھ رہا تھا۔ جیسے یا تو کہیں آگ لگ گئی ہو اور لوگ اسے بجھانے کیلئے شور مچا رہے ہوں۔ یا کوئی خوفناک جانور بستی کے اندر گھس آیا ہو اور لوگ اس کو نکالنے کے لئے غل مچا رہے ہوں۔ میں نے کہا "بڑے سخت قسم کا شور ہو رہا ہے، نہ معلوم کیا آفت آگئی ہے"۔

خالدہ بھی خاموش کھڑی سن رہی تھی، دفعتاً اس نے کہا "اب بچوں کے چلانے کی آوازیں بھی آرہی ہیں۔ میرے خیال میں عیسائیوں نے حملہ کر دیا ہے"۔

اتنا کہہ کر میں جلدی سے بستر سے کودا، تلوار ہاتھ میں لی صحن میں آیا۔ خالدہ بھی خنجر لئے میرے پیچھے ہی نکل آئی۔ اب شور ہمارے گھر کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ میں نے کہا "لوگ اس طرف آرہے ہیں"۔

خالدہ: میرا دل ہولنے لگا ہے۔

میں نے اس کا دل مضبوط کرنے کے لئے کہا "تمہارا ننھا سا دل ہولے گا نہیں تو کیا بہادری سے پھولے گا"۔

اس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "نہیں بہادر تو تم ہو۔ ذرا ہوشیار رہنا کہیں دلیرن کا سامنا نہ ہو جائے"۔

میں نے اکڑ کر کہا "سامنا ہو جائے گا تو اس کا سر زمین پر لوٹتا نظر آئے گا"۔

اس وقت دروازہ پر زور زور سے دستک ہوئی۔ میں نے خالدہ سے کہا "تم بچوں کے پاس جاؤ، کہیں وہ جاگ کر پریشان نہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے"۔

وہ بچوں کے کمرے میں چلی گئی۔ میں جھپٹ کر دروازہ پر آیا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکلا، میرے پانچ خادم تھے، اور پانچوں ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے کھڑے تھے، میں نے ان سے پوچھا کیا

معاملہ ہے؟ ایک خادم نے جواب دیا "لوگ کہہ رہے ہیں کہ عیسائیوں نے حملہ کر دیا ہے"۔

میں نے ان سے کہا "تم میں سے ایک شخص جا کر معلوم کرے کہ کیا معاملہ ہے۔ اس عرصہ میں مسلح ہو کر آتا ہوں"۔

ایک غلام چلا گیا۔ میں جھپٹ کر اندر آیا' خالدہ صحن میں ملی' چاندنی رات تھی چاند آسمان پر تیر رہا تھا۔ اور چاندنی چٹک رہی تھی' خالدہ چاندنی میں نہا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک پیکر نور سفید چاندنی میں نہا رہی ہو۔ میں نے کہا "تم یہاں ہو"۔

خالدہ: ہاں بچے سو رہے ہیں۔ میں یہاں چلی آئی' کچھ معلوم ہوا کیسا شور ہے؟

ضیغم: غلام کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے حملہ کر دیا ہے۔

خالدہ: مجھے بھی خوف تھا' اس حملہ میں ضرور ولیرن کا ہاتھ ہے۔

ضیغم: مگروہ کسے چڑھا لایا ہے؟

خالدہ: اسے خدا ہی جانتا ہے۔

میں: زرہ پہن لوں۔

میں بیت الحرب میں گیا اور جلدی جلدی زرہ پہن کر باہر آیا' میں نے خالدہ سے کہا "تم بچوں کے پاس چلی جاؤ"۔

اس نے شرم آلود نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "تم سے الگ ہونے کو جی نہیں چاہتا"۔

میں نے مزاحاً کہا "تو پھر چلو میرے ساتھ اور ہو جاؤ تم بھی مسلح"۔

میں نے ایک ہلکی زرہ اس کے لئے بھی بنوا دی تھی' وہ شاید اسے پہننے کیلئے چلی' میں نے اسے روک کر کہا "مجھے معلوم ہے تم بہادر ہو۔ مگر میری درخواست یہ ہے کہ تم بچوں کے پاس ٹھہرو۔ تلوار لے لو۔ میرے واپس آنے تک ان کی حفاظت کرو"۔

اس وقت دروازہ پر پھر دستک ہوئی' میں خالدہ کی طرف دیکھتا ہوا چلا' اس کے چہرے سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرا تنہا جانا پسند نہیں کرتی ہے' وہاں رہنے سے میرے ساتھ چلنے کی زبردست خواہش اس کے دل میں لہریں لے رہی ہے' میرا بھی دل کچھ لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس سے الگ ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا' مگر میں نیت کر کے وہاں سے باہر چلا ہی آیا۔

میں نے دیکھا جو غلام خبر لینے گیا تھا وہ آگیا ہے۔ اور ایک عیسائی کو پکڑ کر ساتھ لایا ہے' وہ عیسائی عربی جانتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "تم کون ہو؟"

اس نے دلیری سے جواب دیا "میں عیسائی ہوں"۔

میں یہ تو تمہاری وضع سے سمجھ گیا' میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم کس کے سپاہی ہو؟"

عیسائی: میں بادشاہ بالڈون کا سپاہی ہوں۔

بالڈون بیت المقدس کا بادشاہ تھا۔ اس کی طبیعت میں تلون تھا' حرص تھی' وہ یہ چاہتا تھا کہ تمام شام اور سارے مصر پر قبضہ کرلے' میں نے سپاہی سے دریافت کیا "تمہارے بادشاہ کے ساتھ کس قدر لشکر ہے؟"۔

اس نے جواب دیا "پانچ ہزار آزمودہ کار سپاہی ہیں"۔ مجھے اپنا دل سینے میں ڈوبتا نظر آیا کیونکہ الفرامامیں سرکاری فوج بالکل نہ رہتی تھی' اس سے فاصلہ پر فوجی چھاؤنی تھی' مگر چھاؤنی تک خبر جانے اور مدد آنے میں بڑا وقت لگتا' مدد آنے سے پہلے بستی کا تاراج ہو جانا یقینی تھا۔

الفراما کی آبادی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ مرد بچے اور عورتیں سب ملا کر دس بارہ ہزار تھے۔ مردوں میں مشکل سے ایک ہزار آدمی لڑنے کے قابل تھے' اگر دن کا وقت ہوتا اور باقاعدہ لڑائی ہوتی تو یقین تھا پانچ ہزار عیسائیوں کو پسپا کر دیا جاتا۔ لیکن رات کے وقت شب خون مارا گیا تھا' لوگ تتر بتر ہو گئے تھے' ان کا اس وقت ایک جگہ جمع ہونا مشکل تھا' میں نے عیسائی کو غلاموں کی حراست میں رکھنے کا حکم دیا' تین غلاموں کو مکان کی حفاظت کیلئے چھوڑا اور دو کو ساتھ لیکر بڑھا۔

ہمارا مکان آبادی کے شمالی کنارہ پر تھا۔ میں وہاں سے جنوب کی طرف بڑھا۔ عیسائیوں نے جنوب کی طرف حملہ کیا تھا۔ کچھ دور چل کر میں نے دیکھا لوگ خوفزدہ اپنے اپنے دروازے پر کھڑے ہیں مجھے دیکھتے ہی وہ میرے ساتھ ہو گئے' ہم جوں جوں بڑھتے جاتے تھے۔ ہمارے ساتھ لوگوں کی تعداد بھی بڑھتی جاتی تھی۔ تھوڑی سی دیر میں دو سو مسلمان میرے ساتھ ہو گئے۔

جب ہم بازار پہنچے تو دیکھا وہاں جنگ ہو رہی تھی' بیچارے مسلمان عیسائیوں سے لڑ رہے تھے۔ ہم نے وہاں پہنچ کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اور عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ عیسائی ہمارے مل کر آنے اور نعرہ لگا کر حملہ کرنے سے متذبذب ضرور ہوئے' لیکن فوراً ہی انہوں نے ہم پر جواب میں یلغار کر دی' غالباً ایک ہزار سپاہی ہم پر آٹوٹے' ہم نے بڑی بہادری اور جرات سے ان کا مقابلہ کیا' ہماری تلواریں جلد جلد چلنے لگیں' ہاتھ اور پیر کٹ کٹ کر گرنے لگے' خون کے فوارے ابل پڑے۔ مسلمان بڑی جی داری سے لڑ رہے تھے عیسائی بھی بڑے جوش و خروش سے حملے کر رہے تھے

چاندنی میں خوفناک تلواریں چل رہی تھیں۔ اور انسانوں کے ٹکڑے اڑا رہی تھیں۔

بازار کی دوسری طرف بھی مسلمان لڑ رہے تھے' میرا خیال ہے کہ ہر مسلمان حفظ ناموس اور اپنی اولاد بچانے کیلئے بڑی دلیری سے لڑ رہا تھا۔ کئی محلوں میں جنگ ہو رہی تھی۔ عیسائی بھاری بھاری گروہ میں بٹ گئے تھے اور ان کا ہر گروہ پوری قوت سے لڑ رہا تھا' ہر محلے کے مسلمان بھی پورے جوش سے جنگ میں مشغول تھے۔ میں اور میرے ساتھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے' ہم نے بے شمار عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ جو ایک ہزار عیسائی ہم پر حملہ آور ہوئے تھے ان میں سے ایک تہائی کا صفایا کر دیا تھا' ہمارے ہمرائیوں میں سے بھی دس پندرہ شہید ہو گئے تھے۔ اور پچیس تیس مجروح ہو چکے تھے لیکن جو لوگ باقی تھے وہ بڑی دلیری اور انتہائی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ میں بڑھ چڑھ کر حملہ کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو عیسائیوں کو یا تو مار ڈالتا تھا یا سخت زخمی کر ڈالتا تھا' کیونکہ میں جوش میں آ کر اپنی حفاظت کا خیال کئے بغیر بڑھتا تھا' اس لئے میرے ساتھیوں کو اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں عیسائی مجھے مار نہ ڈالیں۔ اس لئے جب بھی میں حملہ کرتا تو کئی آدمی میرے ساتھ میری حفاظت کرتے ہوئے حملہ آور ہوتے' اگر ایمانداری کے ساتھ اسی طرح جنگ جاری رہتی تو ممکن تھا کہ القراما کے لوگ عیسائیوں کو مار بھگاتے' لیکن عیسائیوں نے درندگی شروع کر دی' انہوں نے مکانوں میں آگ لگا دی' جب مسلمانوں نے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو اپنے اہل و عیال کو بچانے کیلئے گھروں کی طرف دوڑ پڑے۔ اس سے عیسائیوں کو موقع مل گیا' انہوں نے گھروں کی طرف بھاگنے والے مسلمانوں پر پر زور حملے شروع کر دیئے۔

میرے ساتھ جو لوگ تھے وہ اب تک عیسائیوں سے لڑ رہے تھے' انہیں بھی خوف لاحق ہوا کہ ان کے گھروں میں بھی آگ نہ لگا دی گئی ہو۔ انہوں نے مجھ سے بھی کہا۔ کہ اپنے گھروں کی خبر لو کہ کہیں بدبختوں نے آگ نہ لگا دی ہو۔

میں اس وقت تک برابر لڑتا رہا اور میری تمام تر توجہ لڑائی کی طرف تھی' لیکن اس بات کو سنتے ہی مجھے گھر اور گھر والوں کا خیال آ گیا۔ اب مجھ سے وہاں رکنا اور جنگ جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ میں نے آہستہ سے اپنے ساتھیوں سے کہا "پوری قوت سے حملہ کر کے ان عیسائیوں کو پیچھے دھکیل دو۔ اور پھر ہٹ کر اپنے گھروں کی طرف چلو"۔

چنانچہ میں اور میرے ہمرائیوں نے بڑے زور سے حملہ کیا' ہم نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا' عیسائی ہمارے اس سرفروشانہ حملے کو نہ روک سکے پیچھے ہٹتے ہی چلے گئے۔ اب ہم موقع پا کر وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور اپنے گھروں کی طرف تیزی سے لوٹے۔

باب ۸

بربادی

محاذ جنگ سے پیچھے ہٹتے ہی میرے دل پر نہ معلوم غم و فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مجھے تمہارا، سلطانہ اور خالدہ کا خیال آیا۔ جی چاہا میرے پر لگ جائیں اور میں اڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں، میں بہت تیزی سے واپس دوڑ رہا تھا، میرے ساتھی اپنے گھروں کی طرف رخصت ہوئے جا رہے تھے، اور ہماری جمعیت بڑھتی جا رہی تھی۔

ہمارے کانوں میں شور و فریاد کی آوازیں آ رہی تھیں، کسی کسی طرف آگ کے شعلے بھی اٹھتے نظر آ رہے تھے، یہ ہم نے سمجھ لیا کہ ظالم اور سفاک عیسائی الفراما کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مسلمانوں کے زن و فرزند کو قتل کر ڈالیں گے۔ ہمیں افسوس ہوا کہ ہم بھاگ کر کیوں آئے، لڑتے اور اس وقت تک لڑتے جب تک یا تو وہ سب مارے جاتے یا ہم سب شہید ہو جاتے۔

حقیقت میں ہم نے بڑی غلطی کی اگر ہم لڑتے رہتے تو عیسائی بے فکرے وہ درندگی نہ کر سکتے جو انہوں نے کی۔ لڑائی کے خوف سے وہ معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کو شہید نہ کر سکتے۔ لیکن ہمارے ہٹتے ہی وہ الفراما میں پھیل گئے اور انہوں نے نہایت سفاکی سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔

جب میں اپنے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا تو میرا دل بہت ہی غمزدہ اور پریشان ہوتا جاتا تھا۔ میرے ساتھی بھی ایک ایک دو دو کر کے الگ ہوتے جاتے تھے۔ آخر ہم صرف آٹھ دس آدمی باقی رہ گئے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کے مکانات میرے گھر کے قریب تھے۔

جب ہم ایک نکڑ پر پہنچے تو تقریباً پچاس عیسائی سپاہیوں کا ایک دستہ دوسری طرف سے آتا ہوا ملا، اس دستہ کے ساتھ دلیرن تھا، نہ معلوم کیوں اس کی صورت دیکھتے ہی میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اس نے مجھے دیکھا، دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہنے لگا۔

دلیرو یہی وہ بدمعاش ہے جسکی تلاش میں ہم گئے تھے۔ یہ بڑا خطرناک آدمی ہے اسے فوراً مار ڈالو"۔

میں نے بھی اپنے ہمرائیوں سے کہا "دلیرو' بالڈون کو یہی بدمعاش چڑھا کر ہمارے سر پر لایا تھا' اسے زندہ نہ چھوڑو"۔

چونکہ عیسائی زیادہ تھے اس لئے انہوں نے ہم پر نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ اگرچہ ہم ان کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے' لیکن ہم شہید ہونے کو تیار ہو گئے۔ ہم نے بڑے استقلال اور بڑی جرات سے ان کا مقابلہ کیا' ان کے وار روکے' اور پھر خود بھی ان پر حملے شروع کر دیئے۔

پھر جنگ شروع ہو گئی' تلواریں زور سے چلنے لگیں' سر اور تن کے فیصلے ہونے لگے۔ عیسائی بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے' مسلمان بڑی جیداری سے لڑ رہے تھے خدا نے میرے جسم میں بڑی قوت پیدا کر دی تھی' میں بڑی پھرتی سے حملہ کر رہا تھا۔ میری نظر دلیرن کی طرف تھی' وہ اپنے دستہ کے درمیان میں چلا گیا تھا۔ میں اس لئے اس سے سخت عداوت رکھتا تھا کہ اس نے خالدہ کو خانماں برباد کیا تھا' خالدہ اس سے بہت ڈرتی تھی' وہ الفرامار پر بالڈون کو لیکر چڑھ آیا تھا۔ اسے مسلمانوں سے بڑی دشمنی تھی' میں اس فکر میں تھا کہ اس بد طینت اور بدترین انسان کو ختم کر دوں۔

چنانچہ میں اس تک پہنچنے کے لئے عیسائیوں پر نہایت سختی سے حملے کر رہا تھا۔ اور جو عیسائی میرے سامنے آجاتا تھا اسے قتل اور زخمی کر دیتا تھا۔ میرے ساتھی بھی برابر عیسائیوں سے مصروف جنگ تھے' بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے' لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ ان کے حملوں کی شان میں کمی ہوتی جا رہی تھی' وہ تھکنے لگے تھے اور ان میں سے کئی آدمی زخمی ہو کر الگ بھی ہو گئے تھے' اس سے ہماری تعداد اور بھی کم ہو گئی تھی اور ہمارے حملوں میں پہلا سا زور نہ رہا تھا۔

مگر پھر بھی ہم اس دلیری سے لڑ رہے تھے کہ عیسائی اپنے بچاؤ ہی کو غنیمت سمجھ رہے تھے' چونکہ میں اس گروہ سے جلد چھٹکارا پانا چاہتا تھا' اس لئے میں نے اپنے ساتھیوں کو جوش دلانے کیلئے کہا "دلیرو' یہ سفاک ڈاکو ہیں' انسانیت کے دشمن ہیں' اسلام کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کے دشمن ہیں' انسان نہیں درندے ہیں' ان کا خاتمہ کر ڈالو"۔

مسلمانوں نے سنبھل کر حملہ کیا۔ ان کے ساتھ میں نے بھی نہایت سختی سے حملہ کیا۔ ہم نے کئی عیسائیوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ مگر انہوں نے بھی ہمارے دو ساتھیوں کو شہید کر دیا یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی جوش آگیا اور ہم نے بھی پھر بڑھ کر حملہ کیا۔ اس حملہ میں ہم نے پانچ عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ اب بقیہ عیسائیوں پر شاید ہماری ہیبت طاری ہو گئی' وہ پیچھے ہٹنے لگے' اس وقت دلیرن آگے بڑھ آیا' اور اس نے مجھ پر تلوار اٹھائی' اگر میرا ایک ساتھی اس کی تلوار کو اپنی ڈھال پر نہ

روک لیتا تو یقیناً اس کا وار کامیاب ہو جاتا، مگر میں بچ گیا۔

میں اس وقت اس کے حملہ سے خبردار ہوا جبکہ اس کی تلوار میرے ہمراہی کی ڈھال پر پڑی۔

مجھے یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا، میں نے سنبھل کر اپنی پوری طاقت سے اس پر وار کیا، اس نے ڈھال پر تلوار کو روکا، مجھے خوف ہوا کہ کہیں میری تلوار کی دھار نہ جاتی رہی ہو، مگر وہ موقع دھار دیکھنے کا نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے دوسرا وار کیا، اس نے پھرتی سے پھر ڈھال پر روکا، مگر تلوار ڈھال سے پھسل کر اس کے شانہ پر پڑی۔ اس نے ایک زبردست سسکی بھری، میں سمجھ گیا کہ تلوار نے اس کے چرکا لگایا، میں نے پھر اس پر حملہ کیا، اس نے جلدی سے گھوڑا لوٹایا، میں نے یہ دیکھ لیا کہ اس کے شانہ سے خون بہہ رہا ہے، وہ زخمی ہو گیا تھا، میں نے بڑھ کر اس پر حملہ کرنا چاہا، مگر اس نے گھوڑے کو لوٹا کر بھگا دیا، اس طرح وہ میرے ہاتھوں سے بچ گیا۔ اس کے اس طرح بھاگتے ہی، اس کے تمام ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہم لوگوں نے ان کا تعاقب کر کے ان میں سے کئی اور کو ہلاک کر دیا، جب باقی عیسائی بھاگ گئے، تو ہم اپنے گھروں کی طرف بڑھے، اس طرف جو مکانات تھے عیسائیوں نے ان میں بھی شر خیزی کی تھی، ان کے مکینوں کو شہید کر دیا تھا۔ عورتوں اور بچوں کو ذبح کر دیا تھا، اب میرے ساتھی ایک ایک کر کے سب مجھ سے الگ ہو کر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے، میں تنہا اپنے مکان پر آیا۔

جونہی میں ڈیوڑھی پر پہنچا میں نے دیکھا وہاں کئی عیسائیوں کی لاشیں پڑی ہیں، اور میرے وہ غلام جنہیں میں مکان کی حفاظت کیلئے چھوڑ گیا تھا وہ سب شہید ہو چکے تھے، یہ دیکھ کر میرے دل پر گھونسہ سا لگا، میں سمجھ گیا کہ بدبخت اور سفاک عیسائیوں نے میرے مکان پر بھی تاخت کی، مجھ کو خالدہ اور اپنے بچوں کا فکر ہوا، میں جلدی سے دوڑ کر مکان میں پہنچا، مکان سنسان پڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کوئی ہے ہی نہیں، میں نے پکارا خالدہ، سلطانہ، ہشام، کسی نے بھی مجھے جواب نہیں دیا، میں کچھ دیوانہ سا ہو گیا۔

میں نے توشہ خانہ کی طرف کنیزوں کی لاشیں پڑی دیکھیں میرا دل ڈوبنے لگا، سر چکرا گیا، پیر ڈگمگانے لگے، میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اب بھی چاندنی نکھر رہی تھی، آسمان سے نور کی بارش ہو رہی تھی، میں چاندنی میں نہا رہا تھا، لیکن ذرا سی دیر میں کتنا فرق ہو گیا تھا، اس چاندنی میں جب خالدہ سے رخصت ہوا تھا، تو خالدہ چاندنی میں نہا رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند مسکرا رہا ہے، چاندنی ہنس رہی ہے، اور فضا مسکرا رہی ہے، مگر اس وقت جب میں غمزدہ سر پکڑے بیٹھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چاندنی اداس ہو گئی ہے

چاند پر غم کے بادل چھا گئے ہیں اور فضا غمناک ہو گئی ہے۔

ضیغم الدین کے چہرہ پر اس وقت غضب کی اداسی جھلک آئی تھی' ان کے بشرہ سے درد و غم کا اظہار ہونے لگا تھا۔ انہوں نے پھر بیان کرنا شروع کیا۔

جان پدر' چند منٹ بیٹھ کر میں پھر اٹھا اگرچہ میرے پاؤں لرز رہے تھے' دل غم کے بوجھ سے کچلا جا رہا تھا' مگر جوں توں کر کے میں اٹھا' اور کمروں میں گھوما' تمام کمرے خالی پڑے تھے' نہ وہاں تم تھے نہ سلطانہ تھی اور نہ خالدہ ہی' کوئی بھی نہیں تھا۔ اور صرف یہی نہیں کہ تم میں سے کوئی نہ تھا بلکہ کمروں سے تمام سامان غائب تھا' لٹیروں نے گھر میں جھاڑو پھیر دی تھی ہر چیز اٹھا کر لے گئے تھے مگر مجھے اپنے سامان کے لٹنے کا ذرا بھی رنج نہیں تھا۔ ملال تھا تو تم لوگوں کا۔

میں آوازیں بھی دیتا جاتا تھا۔ اور ڈھونڈتا بھی جاتا تھا' مگر تم میں سے کوئی بھی وہاں نہ ملا' حالانکہ میں نے مکان کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا' میرا دل بھر آیا' جی چاہا کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاؤں اور خوب دل کھول کر روؤں' مگر مرد رویا نہیں کرتے' میں بھی نہ رو سکا لیکن غم نے مجھے مجروح کر دیا اور اس قدر قوت نہ رہی کہ میں چل بھی سکوں' میں پھر بیٹھ گیا' گذرا ہوا زمانہ نظروں کے آگے پھر گیا' کچھ دیر بیٹھ کر میرے دل میں پھر جوش پیدا ہوا' میں نے تلوار سنبھالی اور یہ سوچ کر اٹھا کہ جب گھر برباد ہو گیا' بیوی اور بچوں کا پتہ نہیں تو جینے سے کیا فائدہ' کیوں نہ لڑ کر شہید ہو جاؤں۔

میں یہ سوچتے ہوئے ڈیوڑھی میں آیا' میں نے یہاں بھی تم سب کو نام لے لے کر پکارا مگر کسی نے جواب نہ دیا' میں تلوار ہلاتا ہوا ڈیوڑھی سے باہر آ گیا۔

........☆☆☆........

باب ۹

داستانِ غم

ضیغم الدین نے کہا۔ بیٹا! بولا نہیں جاتا' میں نے تمہیں وہ سب کچھ سنا دیا ہے جو سنانا چاہتا تھا' کچھ تھوڑا سا حال اور باقی رہ گیا ہے' وہ بھی سنائے دیتا ہوں۔

ان کے زخموں میں شاید کسک شروع ہو گئی تھی اب تک تو وہ ضبط کر کے واقعات بیان کرتے رہے' مگر اب ضبط مشکل ہو گیا' کراہنے لگے ہشام بے چین ہو گئے انہوں نے کہا "ابا جان! کیا تکلیف بڑھ گئی ہے؟"

ہشام: مجھے یاد ہے کہ ابا جان ایک مرتبہ تم زخمی ہو کر آئے تھے تو تم نے کوئی مرہم بنایا تھا۔ اسی سے آرام ہو گیا تھا۔ اب بھی وہی مرہم بنا لو۔

ضیغم الدین: اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا بیٹا۔

ہشام: کیوں! زندہ کیوں نہیں رہنا چاہتے؟

ضیغم الدین: تمہیں کیا بتاؤں بیٹا' بس یہ سمجھو اب زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔

ہشام: کیوں نہیں چاہتا؟

ضیغم الدین: خدا کو یہ منظور نہیں ہے کہ میں زندہ رہوں۔ مجھ پر اسقدر افتادیں پڑی ہیں کہ جسم تو جسم روح بھی کچلی جا چکی ہے۔ اب زندہ رہنے کا حوصلہ ہی باقی نہ رہا' تم نے یہ دیکھا ہے کہ ہم اس بیاباں میں ایک عرصہ سے مقیم ہیں' جب یہاں سے کہیں جانے کا ارادہ کرتے ہیں یا تو تم بیمار ہو جاتے ہو یا میں بیمار یا زخمی ہو جاتا ہوں' میں سمجھتا ہوں یہ سب میری بدقسمتی کی وجہ ہے' تم بھی میری بدقسمتی کے سبب تکالیف اٹھا رہے ہو۔

ہشام: مگر تم نے تو بتایا تھا ابا جان کہ اللہ اپنے نیک بندوں کا امتحان لیا کرتا ہے ہمارا بھی امتحان لے رہا ہے' اب تم کیا کہنے لگے۔

ضیغم الدین: میری غلطی تھی بیٹا' میں خدا کی رحمت سے ناامید ہو گیا تھا۔ میں ضرور زندہ

رہوں گا۔ دیکھو ایک گٹھری ہے' اس میں ایک ڈبیہ ہے' وہ ڈبیہ لے آؤ۔

ہشام جھونپڑی کے اندر گئے اور وہاں سے ایک ڈبیہ لے کر آئے' ضیغم الدین نے ڈبیہ کھول کر دیکھی' اس کے اندر مرہم تھا' انہوں نے یہ اطمینان کر کے کہ مرہم بگڑا نہیں ہے ہشام سے کہا "بیٹا اب تم میرے زخم اچھی طرح دھو کر صاف کر دو' جب زخم صاف ہو جائیں گے' تب میں مرہم لگاؤں گا"۔

ہشام جلدی سے آبگینہ لیکر دریا پر گئے اور پانی بھر لائے' انہوں نے پٹیاں کھولیں' زخم دھو کر صاف کئے' اور ضیغم الدین سے مرہم لیکر ملا' اس کے بعد پٹیاں کس دیں اگرچہ اس عمل سے ضیغم الدین کو کچھ تکلیف ہوئی' لیکن بعد میں بڑی حد تک سکون ہو گیا' انہوں نے کہا "بیٹا اب باقی حال بھی سنو"۔

انہوں نے بیان کرنا شروع کیا۔

جب میں ڈیوڑھی سے باہر آیا تو فوراً مجھے خیال آیا کہ غسل خانہ نہیں دیکھا' میں جلدی سے اندر گیا۔ اور غسل خانہ میں پہنچا' غسل خانہ مکان کے شمال میں اس طرح تھا کہ اس کا دروازہ درخت کے پیچھے تھا' جو لوگ اسے نہیں جانتے تھے وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ اس میں کوئی عمارت ہے' جب میں غسل خانہ میں پہنچا تو اس کے صحن میں چاندنی بکھری ہوئی تھی' کافی اجالا ہو رہا تھا' میں نے دیکھا تم دیوار سے لگے کھڑے تھے' میں نے آواز دی بیٹا ہشام۔

تم جلدی سے دوڑ کر میری آغوش میں آ گئے۔ تم نے سہمے ہوئے لہجہ میں کہا "ابا جان" اس سے زیادہ تم کچھ نہ کہہ سکے' میں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا' تمہیں اپنے سینہ سے لگایا' خوب بھینچ کر پیار کیا اور تسلی دی' جب تمہارے حواس درست ہوئے تب میں نے پوچھا "تم یہاں کیسے آ گئے بیٹا؟"

تم نے جواب دیا "ابا کچھ لوگ گھر میں آ گئے تھے' میں جاگ گیا۔ انہوں نے کنیزوں کو مار ڈالا۔ میں ڈر کر امی جان کے کمرے میں گیا وہ وہاں نہیں تھیں۔ سلطانہ بھی نہیں ملی اور تم بھی نہیں ملے' میں گھبرا گیا' وہ لوگ سامان لیجا رہے تھے' میں وہاں سے بھاگ کر یہاں آ چھپا"۔

میں نے تمہارے مل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا' تمہاری باتوں سے یہ پتہ چل گیا تھا کہ تمہاری امی اور سلطانہ تم سے پہلے ہی کہیں چلی گئی تھیں' یا انہیں وہ اپنے ساتھ گرفتار کر کے تمہیں لے گئے تھے' قرین قیاس بھی یہی تھا کہ یہ دونوں گرفتار ہو گئیں مگر فوراً یہ خیال آیا کہ دلیرن خالدہ کی ناک

میں تھا' وہ ضرور ہمارے مکان پر آیا تھا اسی طرف سے وہ جا رہا تھا کہ راستہ میں ملا تھا اور میں نے زخمی کیا تھا' خالدہ اس کے ساتھ نہیں تھی' شاید وہ مکان پر حملہ ہونے سے پہلے نکل گئی' مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ اسے تم سے اپنی جان سے زیادہ محبت تھی' تمہیں ساتھ لئے بغیر نہیں جا سکتی تھی پھر کیسے چلی گئی' مگر گئی کہاں' یہ معمہ اب بھی حل طلب تھا۔ تم نے پوچھا "امی جان اور سلطانہ کہاں ہیں ابا جان؟"

میں بھی تمہیں کیا جواب دیتا' میں خود ان کی تلاش میں تھا' مگر تم سے اس بات کو بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے کہا "بیٹا وہ بھی کہیں چھپ گئیں ہیں" مجھے خوف ہوا کہ کہیں پھر درندہ عیسائیوں کا کوئی گروہ گھر میں نہ گھس آئے۔ اور ہم دونوں کو شہید نہ کر دے۔

میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ہم دونوں وہاں رہیں' اب میں تمہیں بچانا چاہتا تھا' اگر میں تنہا ہوتا تو ضرور عیسائیوں سے لڑ کر شہید ہو جاتا' میں نے یہی ارادہ کر لیا تھا مگر اب وہ ارادہ بدل گیا تھا۔ میں تمہیں لیکر وہاں سے نکلا' مکان سے باہر آیا اور جنگل کی طرف چل پڑا' میں تمہیں لئے بڑھتا ہی رہا' اس نواح میں باغات بہت تھے ایک باغ بڑا ہی بے توجہ تھا' اس میں جھاڑیاں کثرت سے کھڑی تھیں' ان جھاڑیوں میں ایک دو آدمی کیا پچاسوں چھپ سکتے تھے' میں اور تم بھی وہاں جا چھپے۔

اس عرصہ میں صبح ہو گئی' میں نے نماز پڑھی اور یہ کوشش کی کہ تم سو جاؤ مگر تم نرم بستروں پر سوتے تھے' سخت زمین پر کیسے نیند آتی' تمہیں زمین پر بیٹھنا ہی اچھا نہیں معلوم ہوا' تم سو نہیں سکے۔

تھوڑی دیر میں صبح ہو گئی' میں تمہیں یہ ہدایت کر کے کہ وہاں سے کہیں نہ جانا بستی چلا گیا' تمام بستی تباہ ہو چکی تھی وہاں کسی ایک فرد کا بھی پتہ نہ تھا' مجھے یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ الفراما جو اچھی پر رونق بستی تھی' جو ہزاروں مرد بچے اور عورتوں کا مرکز توجہ تھی اس وقت ایک متنفس کا بھی وجود نہ تھا' بستی برباد ہو چکی تھی اور وحشی عیسائی ہر مکان کو لوٹ کر تاراج کر چکے تھے' جگہ جگہ مسلمان مردوں اور بچوں اور عورتوں کی لاشیں پڑی تھیں' کہیں کہیں عیسائیوں کی لاشیں بھی جمع تھیں' بیس کہیں ابھی تک مکانات جل رہے تھے' مجھے بستی کا یہ منظر دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ افسوس یہ تھا کہ مسلمانوں کی لاشوں کو دفن نہیں کر سکتا تھا' میں نے یہ ضرور کیا کہ جو لاشیں میدان یا راستوں میں پڑی تھیں انہیں مکانوں کے اندر ڈال دیا۔ میں اپنے مکان میں بھی گیا وہاں بھی الو بول رہا تھا'

میرا دل پارہ پارہ ہو گیا۔ میں نے پھر مکان کا کونہ کونہ چھان مارا مگر نہ سلطانہ ملی نہ خالدہ اور نہ ان کی لاشیں ملیں 'نقدی' زیورات' کپڑے اور سامان ان میں سے بھی کچھ نہیں تھا۔ میں نے کھانے پینے کا سامان لیا' کچھ پہننے کے کپڑے جو باقی رہ گئے تھے وہ لئے اور تمہارے پاس آیا تم انتظار میں تھے کہ تمہاری امی اور سلطانہ میرے ساتھ آئیں گی چنانچہ تم نے مجھ سے پوچھا' امی اور سلطانہ کہاں ہیں۔

میں نے تمہیں بہلانے کیلئے کہا "اطمینان رکھو میں تمہیں ان دونوں کے پاس لیجاؤں گا دوپہر ہونے والی ہے' کل چلیں گے"۔

میں نے کچھ پکایا' تمہیں کھلایا۔ اور خود بھی تھوڑا بہت کھایا' شام تک وہیں رہا' چونکہ الفراما میں وحشت برس رہی تھی۔ اس لئے وہاں نہیں گیا۔ شام کو میں نے گھاس کاٹ کر بچھا دی اور دن چھپے تمہیں کھانا کھلایا' اور گھاس پر لٹا دیا' خدا کا شکر ہے تم سو گئے' بڑی رات گئے مجھ کو نیند آ گئی' ہم دونوں صبح تک سوتے رہے' جب آنکھ کھلی اور گھر کی بربادی کا خیال آیا تو دل پر نشتر سا لگا۔ میں

انا اللہ و انا الیہ راجعون یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ پڑھ کر اٹھ بیٹھا۔ ضرورت سے فراغت پا کر نماز ادا کی' اس عرصہ میں تم اٹھ گئے۔ میں نے تمہارے لئے ناشتہ تیار کیا تم نے اور میں نے ناشتہ کیا۔ چونکہ اب وہاں رہنا بے سود تھا۔ اس لئے میں تمہیں لے کر چل پڑا' چونکہ اس نواح کے لوگ مجھ سے واقف تھے اس لئے جب میں کسی گاؤں یا قصبہ میں جاتا تو وہاں کے لوگ میری بڑی عزت و تکریم کرتے' میں شان کے ساتھ جایا کرتا تھا اور اب وہ شان باقی نہیں رہی تھی اس لئے کسی بستی میں جاتے شرم آتی' دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ گاؤں میں جاؤں۔

میں تمہیں لے کر یہاں آ نکلا' یہاں ایک صاحب دل درویش رہتے تھے' ان سے میں نے اپنی سرگذشت بیان کی تو انہوں نے بڑا افسوس کیا' انہوں نے مجھے یہیں ٹھہرنے کی تلقین کی' میں ٹھہر گیا' مجھے جو صدمہ پہنچا تھا وہ رنگ لایا' میں بیمار ہو گیا چھ مہینے تک بیمار رہا۔ درویش اور تم نے میری تیمارداری کی' خدا خدا کر کے مجھے آرام ہوا' کئی مہینے نقاہت رہی' جب کمزوری دور ہو گئی تو درویش یہاں سے موصل چلے گئے۔ اور چلتے ہوئے کہہ گئے کہ میں ان درویش کے آنے تک یہیں رہوں' میں یہیں رہنے لگا' ایک مرتبہ قریب کی بستی سے واپس آ رہا تھا چند عیسائی لٹیرے مل گئے' انہوں نے مجھے زخمی کر دیا' اتفاق سے وہاں چند مسلمان آ گئے ان کے پاس مرہم تھا۔ انہوں نے مرہم میرے زخموں پر لگایا اور مجھے یہاں تک پہنچا دیا' اس مرہم سے مجھے آرام ہو گیا تھا' ایک

بیجاد ایک عیسائی مورخ ہے اس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بالدون کی ہوس کاریوں نے اسے اکسایا اس نے ۱۱۳۸ء میں مصر کی حدود میں داخل ہو کر الفراما کو الٹا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی (صادق)

مرتبہ پھر ایسا ہی اتفاق ہوا کہ دو عیسائی مجھے راستہ میں مل گئے انہوں نے بے وجہ مجھ پر حملہ کر دیا' میں نے ان دونوں کو مار ڈالا مگر خود بھی زخمی ہو گیا' یہاں آ کر میں نے مرہم بنایا' اس مرہم سے مجھ کو آرام ہو گیا۔ اسی وقت کا بچا ہوا یہ مرہم موجود ہے ہمیں یہاں رہتے کئی برس گزر گئے ہیں بیٹا۔ اس قدر بیان کر کے ضیغم الدین خاموش ہو گئے۔

..........☆☆☆..........

باب ۱۰

گمشدگی

اس عرصہ میں دوپہر ہو گئی ' دھوپ میں خاصی تیزی آ گئی۔ اس وقت ضیغم الدین پر کچھ ضعف طاری ہو گیا' انہوں نے آنکھیں بند کر لیں 'ہشام ان کی طرف فکر اور خوف کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک کمسن تھے ' انہوں نے پکارا "ابا جان"

ضیغم الدین نے آنکھیں کھولیں ' انہوں نے کہا ' بیٹا! خون زیادہ نکلنے کی وجہ سے کمزوری بڑھ گئی ہے ' گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

ہشام: مگر مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔

ضیغم الدین: خوف نہ کرو بیٹا ' کچھ تو خون جسم سے زیادہ نکل گیا ' کچھ واقعات بیان کرنے سے ضعف بڑھ گیا ہے اس لئے آنکھیں بند ہو گئیں ' مگر بیٹا ' موت اور زندگی دونوں ہی ممکن ہیں۔ میں نے امیر موصل کیلئے ایک خط لکھا تھا ' اسی خیال سے کہ اگر میں مر جاؤں تو تم وہ خط لیکر موصل چلے جانا ' اور موصل کے امیر عماد الدین زنگی سے ملنا وہ تمہاری ہر طرح کی خبر گیری کریں گے۔ لو یہ خط تم لو اور اپنے پاس حفاظت سے رکھو۔ اگر میں مر جاؤں یا کوئی اور حادثہ پیش آ جائے تو تم ایک گھڑی بھی یہاں نہ رہنا ' فوراً موصل روانہ ہو جانا ' جانتا ہوں کہ تم کمسن بچے ہو لیکن وقت کمسنوں کو بھی تجربہ کار بنا دیتا ہے تمہیں چند ہدایتیں کرتا ہوں۔ ہمیشہ جرات اور ہمت سے کام لینا ' پست ہمتی کبھی نہ کرنا ' یہ بات سامنے رکھنا کہ تمہارا باپ بہادر تھا۔ اور تم بہادر باپ کے بیٹے ہو۔ انتقام کو نہ بھول جانا ' دشمن سے ضرور انتقام لینا ' اپنی امی اور بہن سلطانہ کو تلاش کرنا۔ اگر وہ مل جائیں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا ' مسلمانوں اور اسلام کی حمایت کرنا ' کوئی بات بغیر سوچے سمجھے نہ کرنا ' ناموری حاصل کر کے اپنے خاندان کے نام کو روشن کرنا۔

ضیغم الدین نے تحریر ہشام کو دی ' انہوں نے اپنے عبا کی جیب میں رکھ لی ' کچھ دیر بعد ضیغم الدین نے کہا۔

بیٹا کھانے کا سامان بھی تو ختم ہو گیا ہے' اب تم کیا کرو گے؟

ہشام: میں تو بغیر کھائے بھی رہ سکتا ہوں، مگر تمہیں تو کچھ نہ کچھ چاہئے۔

ضیغم الدین: افسوس' جو میں کھا سکتا ہوں وہ مل نہیں سکتا۔

ہشام: کیا کھا سکتے ہیں آپ؟

ضیغم الدین: میں دودھ پی سکتا ہوں۔

ہشام: میں لاؤں گا دودھ ابا جان۔

ضیغم الدین: کہاں سے لاؤ گے تم؟

ہشام: قریب کی بستی سے جا کر لے آؤں گا۔

ضیغم الدین: شاباش بیٹا! ایسی ہی ہمت ہونی چاہئے۔ اچھا تو جلدی چلے جاؤ بستی دور ہے۔ بہت جلد واپس آ جانا۔

انہوں نے ہشام کو چند درہم دیکر کہا "یہ اس درویش کا دیا ہوا سرمایہ ہے ہشام۔ جس کی واپسی کا ہم انتظار کر رہے ہیں' خدا انہیں خوش رکھے۔ انہوں نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔

انہوں نے درہم ہشام کو دیئے' وہ لیکر اٹھے اور جھونپڑی میں جا کر ایک کپڑا لے کر باہر آئے' انہوں نے ضیغم الدین کے پاس جا کر کہا "اجازت ہے ابا جان"۔

ضیغم الدین نے کہا۔ ہاں خدا کا نام لیکر جاؤ بیٹا۔

وہ وہاں سے چلے۔ کبھی وہ بستی نہیں گئے تھے۔ ہمیشہ ضیغم الدین ہی جا کر ضروریات کی چیزیں لے آیا کرتے تھے' انہوں نے کبھی سودا نہیں خریدا تھا۔ جب تک القرما میں رہے غلام اور خادم سامان لایا کرتے تھے۔ اور جب سے جھونپڑی میں آ گئے تھے ضیغم الدین چیزیں لایا کرتے تھے۔

وہ چلتے جاتے تھے اور سوچتے جاتے تھے کہ چیزیں کہاں ملیں گی' کس طرح خریدی جائیں گی بستی کتنی دور ہے' وہاں کے لوگ کیسے ہیں؟

غرض عجیب عجیب قسم کے خیالات میں غلطاں و پیچاں چلے جا رہے تھے چونکہ انہیں پیدل لمبا سفر کرنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے چلنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ مگر بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات دشوار نہیں معلوم ہوتی' چنانچہ وہ چلتے رہے تیز قدموں سے' کیونکہ ان کے باپ نے جلد آنے کی ہدایت کی تھی۔

آخر وہ بستی میں پہنچ گئے۔ وہ حسین تھے۔ شریف خاندان سے تھے' ان کی صورت بڑی

پیاری تھی اور اطوار اس سے زیادہ حسین تھے' وہ پوچھتے پوچھتے بازار میں گئے۔ ایک دکاندار کے پاس جاکر رکے' اور سب درہم اس کے سامنے رکھ کر کہا "مجھے آٹا' گھی' دودھ' چاول۔ نمک مرچ اور کھجوریں دے دو"۔

دوکاندار بڑا نیک آدمی معلوم ہوتا تھا' اس کی دکان بہت بڑی تھی ضروریات کی تمام چیزیں فروخت کرتا تھا۔ اس نے حیرت سے ہشام کو دیکھا۔ اور کچھ وقفہ کے بعد کہا "صاحبزادہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم آج پہلی مرتبہ سودا خریدنے آئے ہو"۔

ہشام: جی ہاں۔

دکاندار: اسی لئے خریداری سے واقف نہیں ہو۔ یہ بتاؤ کہ کون سی کون سی چیز کتنے کتنے کی چاہیے؟

ہشام: تم خود سوچ سمجھ کر دے دو' دودھ زیادہ دینا۔ میرے ابا پئیں گے۔

ان کا بھولا پن دیکھ کر دکاندار کو کچھ محبت ہو گئی' اس نے انہیں بٹھایا۔ پوچھا "کہاں سے آ رہے ہو' وہ اس علاقہ کا جہاں وہ رہتے تھے نام نہیں جانتے تھے' انہوں نے کہا "افسوس میں اس جگہ کا نام نہیں جانتا"۔

دکاندار: اس بستی میں شاید پہلی مرتبہ آئے ہو۔

ہشام: جی ہاں۔

دکاندار: تمہارا چہرہ کہہ رہا ہے کہ تم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے۔

ہشام ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے انہوں نے سادگی سے کہا "جی ہاں ابھی کچھ نہیں کھایا ہے"۔

دکاندار نے اپنے غلام کو اشارہ کیا۔ وہ دوڑا ہوا گیا۔ اور کھانا لے آیا۔ دکاندار نے ان سے کھانے کو کہا' اگرچہ ان کو بھوک معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن کچھ تو شرم اور خودداری کی وجہ سے وہ کھانا کھانے پر تیار نہیں ہوئے۔ دکاندار یہ سمجھ گیا تھا کہ وہ بہت ہی بھولے اور نیک ہیں۔ اس نے بہت زیادہ اصرار کر کے کھانا کھلایا۔

کھانا کھلا کر اس نے تمام چیزیں باندھ دیں' دودھ کا لوٹا بھر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے درہم تو تھوڑے ہیں' تم نے چیزیں زیادہ دے دیں کہیں بھول تو نہیں گئے۔

دکاندار نے واقعی زیادہ چیزیں دیں تھیں۔

اس نے کہا "تم لیجاؤ بیٹا۔ جب اور چیز کی تمہیں ضرورت ہوا کرے یہاں آ کر لے جایا کرو"۔

وہ سادگی کی وجہ سے یہ سمجھے کہ میرے داموں کی اتنی ہی چیزیں آئی ہوں گی اور وہ دکاندار کو سلام کر کے چل پڑے' چونکہ انہیں جلد پہنچنا تھا اس لئے تیزی سے چلے' لیکن پھر بھی جب وہ جھونپڑی پر پہنچے تو عصر کا وقت ہو گیا تھا انہوں نے ظہر اور عصر کی نماز راستہ ہی میں پڑھی تھی' نماز کا انہیں شوق ہو گیا تھا۔

جب وہ جھونپڑی پہنچے تو انہوں نے ضیغم الدین کو وہاں پڑے ہوئے نہ دیکھا جہاں چھوڑ گئے تھے انہیں خیال ہوا کہ شاید وہ جھونپڑی کے اندر نہ چلے گئے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے باہر سے کہا" ابا جان' میں آ گیا"۔ یہ کہتے ہوئے وہ جھونپڑی میں داخل ہوئے مگر جب انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو جھونپڑی خالی تھی' ان کے دل کو دھکا سا لگا۔ وہ جلدی جلدی سب چیزیں جھونپڑی میں رکھ کر نکلے' انہوں نے ادھر ادھر دیکھا' ہر طرف سناٹا تھا' وہاں کسی فرد و بشر کا نام و نشاں بھی نہ تھا' وہ گھبرا گئے۔ انہوں نے پکارا۔

ابا جان۔ ابا جان!

وہاں ضیغم الدین نہیں تھے' کسی نے ان کی پکار کا جواب نہیں دیا۔ انہیں اپنا دل سینہ میں بیٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ انہوں نے ادھر ادھر دوڑ کر دیکھا۔ دریا کے قریب کنارہ پر گئے' وہاں پکارا۔ مگر انہیں جواب نہیں ملا۔

وہ سخت حیران تھے کہ ان کے باپ کہاں چلے گئے' انہوں نے انہیں تنہا چھوڑ کر وہاں سے چلا جانا کیسے گوارا کیا' کہیں دشمنوں نے انہیں لوٹ کر اور قتل کر کے دریا میں تو نہیں ڈال دیا۔ انہوں نے اس جگہ کو جہاں ان کے باپ لیٹے تھے دیکھا وہاں خون کے دھبے نہیں تھے۔ دریا کے کنارے پر بھی خون نہیں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کے باپ کہاں چلے گئے۔

وقت کسی کا پابند نہیں ہے' وہ گذرتا ہی رہتا ہے' تلاش و جستجو میں دن چھپ گیا۔ انہوں نے اس عالم سراسیمگی میں بھی وضو کر کے نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ اللہ رب العالمین میرے باپ میری ماں اور بہن کو مجھے ملا دے' میری مدد اور حفاظت کر۔

نماز پڑھ کر وہ جھونپڑی کے اندر اندھیرے میں بیٹھ گئے۔ آج پہلی رات تھی کہ وہ جنگل بیاباں میں تنہا رہ گئے تھے۔ انہیں غم تھا اور فکر بھی' وہ کھانا پینا سب بھول گئے' ایک تو باپ کی جدائی کا صدمہ' دوسرے تنہا رہ جانے کا فکر' انہیں خوف معلوم ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور دعا مانگی "پروردگار! میرے دل کو صبر و قرار دے' مجھے جرات و ہمت دے' اس

وقت میں تیری اتنی بڑی خدائی میں تنہا رہ گیا ہوں۔ بے کس ہوں، مجھ پر رحم کر"۔

دعا مانگ کر وہ بیٹھ گئے ان کے باپ کے پاس دو چادریں تھیں، ایک چادر کو پھاڑ کر پٹیاں باندھی تھیں دوسری چادر وہ خود اوڑھے ہوئے تھے۔ اب ان کے پاس اوڑھنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اس کو اوڑھ سکیں، سردی کا زمانہ تھا کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا، جو کپڑے ان کے بدن پر تھے وہی تھے۔ انہیں ابھی سے سردی معلوم ہونے لگی کیونکہ دروازہ سے ہوا آ رہی تھی اس لئے انہوں نے دروازہ پر ٹٹی لگا دی لیکن خوف اور سردی سے ان کی کیفیت دگرگوں ہو رہی تھی۔

جب بیٹھے بیٹھے زیادہ... ہو گئی تو وہ لیٹ گئے۔ لیٹنے سے سردی زیادہ معلوم ہونے لگی انہوں نے پیر سکیڑ کر پیٹ کے قریب کر لئے مگر سردی کم نہ ہوئی، آخر انہوں نے اٹھ کر کچھ گھاس اپنے اوپر ڈال لی، اس سے سردی تو کیا دور ہوتی مگر کچھ سکون ضرور مل گیا اور کچھ دیر بعد انہیں نیند آ گئی۔

.........☆☆☆.........

باب ۱۱

مصیبت زدہ معصوم

ہشام کو جب تک گھاس کی گرمی نے گرم رکھا اس وقت تک تو وہ سوتے رہے مگر جب رات زیادہ ہو گئی اور سردی بڑھ گئی تو اکڑنے لگی اور ان کی نیند اچاٹ ہو گئی۔

سردی بغیر اونی یا روئی کے کپڑے کے کیسے دور ہو سکتی ہے۔ اور ان کے پاس اونی کپڑا تو کیا سوتی بھی نہیں تھا۔ چادر تک نہ تھی جو اوڑھ لیتے' آخر پچھلی رات کو وہ اٹھ کر بیٹھ گئے' جب انہیں سردی زیادہ تنگ کرتی تھی تو وہ ورزش کرنے لگتے۔ اور جب وہ ورزش کرتے کرتے تھک جاتے تو بیٹھ جاتے' اسی طرح انہوں نے رات بسر کی' اور جب سپیدہ سحر نمودار ہوا تو دریا کے کنارے پر جا کر وضو کیا اور جھونپڑی میں آ کر اول اذان دی اور صبح کی نماز پڑھی۔

نماز پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت کی' اس عرصہ میں اجالا ہو گیا۔ چونکہ رات بھی برف پڑی تھی کہر زیادہ تھی اس لئے سردی پورے شباب پر تھی۔ برف میں ڈوبے ہوئے ہوا کے جھونکے تیر کی طرح لگ رہے تھے۔

وہ سوچنے لگے اب کیا کریں' کہاں جائیں' انہیں یاد آگیا کہ ان کے باپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ مر جائیں یا کوئی حادثہ پیش آ جائے تو موصل چلے جائیں۔

انہیں معلوم نہیں تھا کہ موصل کس طرف ہے اور کتنی دور ہے' پھر بھی انہوں نے موصل جانے کا ارادہ کر لیا۔ انہیں رہ رہ کر تعجب ہوتا تھا کہ ان کے باپ جو ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے انہیں چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان میں حرکت کرنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ وہ خود کہیں نہیں جا سکتے تھے' انہیں یہاں سے کوئی لے گیا۔ لیکن وہ اپنی مرضی سے ہرگز نہ جاتے۔ ان کے آنے کا انتظار کرتے۔ جوں جوں وہ اس مسئلہ کو سوچتے تھے ان کی

الجھن بڑھتی جاتی تھی' ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیسے اور کہاں چلے گئے۔

سردی سے ان کی جان پر بنی ہوئی تھی وہ ٹھٹھرے اور سکڑے بیٹھے تھے' سورج کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر بیٹھے بیٹھے انہیں یہ خیال ہوا کہ وقت کو ضائع کیوں کریں کیوں نہ موصل روانہ ہو جائیں۔ انہوں نے سوچا دودھ خراب ہو جائے گا۔اس کو گرم کر کے پی لیں' چنانچہ انہوں نے جھونپڑی کے باہر آگ سلگائی۔ دودھ گرم کیا۔ جب اس کو پینا چاہا تو شفیق باپ کا خیال آگیا' وہ باپ ہی کیلئے دودھ لائے تھے۔ ان سے دودھ نہ پیا گیا انہوں نے رکھ دیا۔ ان کا دل بھر آیا۔ قریب تھا کہ ان کے آنسو نکل پڑیں مگر فوراً انہیں خیال آیا کہ ان کے والد نے ان سے کہا تھا کہ مرد رویا نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی مرد ہوں' مجھے رونا نہیں چاہئے' چنانچہ انہوں نے ضبط کیا۔ اور آنسو پونچھ لئے۔ اس کے بعد انہوں نے تھوڑا سا دودھ پیا' سامان کی گٹھری کندھے پر رکھ کر خدا پر بھروسہ کر کے وہاں سے چل پڑے' چونکہ ابھی سردی پڑ رہی تھی اس لئے قدم بڑھاتے تیزی سے چل رہے تھے اس طرح چلنے سے ان کے بدن میں گرمی آگئی اور سردی کی تکلیف سے بڑی حد تک چھٹکارا مل گیا۔

ان کی عمر دس سال کی تھی وہ ابھی بچہ ہی تھے لیکن قسمت نے انہیں مبتلائے مصیبت کر دیا تھا۔ وہ مردانہ وار قسمت کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ کمسنی ہی میں ان میں ہمت مردانہ پیدا ہو گئی۔ انہوں نے کسی خطرہ کا خیال نہیں کیا وہ چلتے رہے۔ جب دوپہر ہو گئی اور سورج اچھی طرح چمکنے لگا تو چلنے کی گرمی سے کچھ سورج کی تیزی سے پسینہ آگیا۔ وہ ایک صاف سی جگہ راستہ پر بیٹھ کر ستانے لگے۔

انہیں بیٹھے ہوئے خیال ہوا کہ وہ بالکل نہتے ہیں۔ جنگل کا موقع ہے کوئی درندہ یا گزندہ جانور ان کی طرف جھپٹے تو اس کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ انہوں نے سوچا کسی درخت کی شاخ ہی کاٹ کر ہاتھ میں رکھ لیں' مگر فوراً ہی خیال آیا کہ شاخ کس سے کاٹیں کوئی کاٹنے کی چیز تو ان کے پاس نہیں ہے۔

وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر چلے' راستہ میں انہیں چھوٹے چھوٹے درخت ملے۔ انہوں نے چاہا کہ ان میں سے ایک لمبی سی شاخ توڑ ڈالیں۔ مگر یہ سوچ کر رک گئے کہ چھوٹے درخت کی شاخ توڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیا کام دیگی۔ وہ چلتے رہے' اب انہیں بھوک معلوم ہوئی لیکن ان کے پاس کھانا کہاں تھا۔ کیا کھاتے! بھوکے ہی چلتے رہے' وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو بڑے آدمی

مویشی چرا رہے تھے' انہوں نے ان سے لاٹھی مانگی' ایک آدمی نے انہیں اپنی لاٹھی دیدی' وہ بہت خوش ہوئے' انہوں نے اس سے موصل کا راستہ پوچھا۔ اس آدمی نے حیران ہو کر پوچھا کہ "تم موصل جاؤ گے؟"

انہوں نے جواب دیا "ہاں"

چرواہے نے کہا "موصل یہاں سے بہت دور ہے' تم بہت چھوٹے ہو کیسے پہنچو گے"

انہوں نے کہا "میں کیسے پہنچوں گا' خدا لے جائے گا"۔

چرواہا: تم نے ٹھیک کہا۔ موصل کا یہی راستہ ہے' جس پر تم چل رہے ہو۔

ہشام آگے بڑھے۔ ظہر کے وقت وہ ایک چشمہ کے قریب پہنچے' انہوں نے وہاں قیام کیا' اول تو وضو کر کے نماز پڑھی' نماز پڑھ کر ستانے لگے' وہ صبح سے اب تک چل رہے تھے' تھک گئے تھے' آفتاب کی تپش سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' وہ بیٹھے چشمہ کی روانی کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ انہیں قریب کی گھاس میں سرسراہٹ معلوم ہوئی' چونکہ وہ مصر میں رہتے تھے' اس لئے انہیں معلوم تھا کہ وہاں سانپ کثرت سے اور ہر قسم کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے سنا تھا کہ سردی میں سانپ اپنی بلوں سے بہت کم نکلتے ہیں لیکن اکثر نکل آتے ہیں' وہ چوکنے ہو کر دیکھنے لگے' ان کے دیکھتے دیکھتے ایک عجیب قسم کا سانپ یا کوئی اور جانور گھاس سے نکل کر ان کی طرف بڑھا' اس کا منہ مچھلی جیسا تھا' اس کے پیر بھی تھے اور یہ کافی لمبا تھا وہ اسکو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔

یہ عجیب قسم کا جانور کچھ سونگھتا ہوا ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا' وہ اسے دیکھ رہے تھے جب وہ ان کے زیادہ قریب آیا تو انہوں نے کہا "اے جانور میں خدا کا بندہ ہوں۔ اور خدا کی حفاظت میں ہوں۔ مجھ سے دور ہو جا"۔

مگر جانور نے جیسے سنا ہی نہیں' وہ ان کے بہت ہی پاس آگیا' وہ کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے بلند آواز میں کہا "اے جانور میں خدا کا بندہ ہوں' خدا کی حفاظت میں ہوں' مجھ سے دور ہو جا"۔

شاید انکے کھڑے ہونے اور بلند آواز سے وہ ڈر گیا' یا تو ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا یا ایک دم پیچھے لوٹ گیا اور گھاس میں گھس کر غائب ہو گیا۔ اس سے ہشام کو بڑی تقویت ہوئی۔ اس سے وہ سمجھے کہ انہوں نے خدا کا جو نام لیا اور اپنے آپ کو خدا کی حفاظت میں بتایا تو وہ موذی جانور واپس چلا گیا۔

وہ اٹھے اور وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ایک بھیڑیا مل گیا وہ اس کو شاید

کتا سمجھے' ممکن ہے کہ انہوں نے کبھی بھیڑیا نہ دیکھا ہو' وہ ان کی طرف آنے لگا' انہوں نے لاٹھی اٹھائی' مگر بھیڑیا کیوں ڈرنے والا تھا' وہ بڑھتا ہی رہا' انہوں نے زور سے کہا "او کتے کیوں بڑھا چلا آتا ہے" اور لاٹھی گھمائی' اتفاق سے پوٹلی جو ان کے کندھے پر پڑی تھی لاٹھی کے گھمانے سے کندھے سے گر کر بھیڑیئے کی طرف جا پڑی۔

نہ جانے بھیڑیئے نے اس کو کیا سمجھا وہ ایک دم پلٹ کر وہاں سے الٹا بھاگا ہشام نے آگے بڑھ کر پوٹلی اٹھالی اور کندھے پر رکھ لی اور اطمینان سے آگے بڑھے اور چل پڑے' تھوڑی دور جا کر انہوں نے عصر کی نماز پڑھی' یہاں ایک بڑا سایہ درخت تھا' انہوں نے اس درخت کے نیچے رات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ پوٹلی وہاں رکھ دی اور ادھر ادھر گھوم پھر کر گھاس' لکڑیاں اور سوکھا ہوا گوبر جمع کر لیا۔ جب دن چھپ گیا تو انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی' اور نماز پڑھ کر آگ جلائی۔ ان کے پاس پوٹلی میں ایک دیگچی بھی تھی۔ انہوں نے اس میں چاول ڈال کر آگ پر رکھ دی۔ تھوڑی دیر میں چاول ابل گئے۔ انہوں نے اس میں نمک ڈال کر اتارا اور کھانے لگے۔ تھوڑا بہت کھا کر پانی پیا' خدا کا شکر کیا' عشا کی نماز پڑھی پھر کچھ اور لکڑیاں جلائیں اور جب وہ جگہ گرم ہو گئی تو اس پر گھاس بچھا کر لیٹ گئے۔ چونکہ انہیں رات بھی نیند کم آئی تھی۔ اور وہ دن بھر سفر کرتے رہے تھے اس لئے پڑتے ہی سو گئے۔

........☆☆☆........

باب ۱۲

خوش قسمتی

جب تک آگ سلگتی رہی اور کوئلے دہکتے رہے وہاں گرمی رہی اور وہ سوتے رہے۔ لیکن جب آگ بجھ گئی اور رفتہ رفتہ کوئلے بھی یا تو جل کر راکھ ہو گئے یا بجھ گئے تو گرمی ختم ہو گئی اور سردی بڑھنے لگی۔

ہشام کے پاس چادر تک نہیں تھی۔ اگر چادر بھی ہوتی تو کچھ آرام دیتی اور سردی سے بچاتی جنگل کا موقع تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، جب سردی بڑھ گئی تو ان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بہت کچھ سکڑ سکڑا کر لیٹے لیکن نیند نہیں آئی۔ آدھی رات میں آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے اٹھ کر آگ کو دیکھا۔ وہ اب بالکل بجھ چکی تھی، انہوں نے گھاس پر لکڑیاں رکھ کر گھاس جلائی۔ اس عرصہ میں وہ اس قدر ٹھٹھر گئے تھے کہ آگ جلنے پر بھی لیٹ نہ سکے، بلکہ اس کے پاس بیٹھ کر تاپنے لگے۔

چونکہ اس وقت سردی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور برفیلی ہوا کے جھونکے ان کو برمانے لگے تھے۔ اس لئے وہ آگ پر جھکے ہوئے تھے، جب ذرا اٹھتے تھے تو سرد ہوا کے جھونکے جسم میں تھرتھری پیدا کر دیتے تھے، رفتہ رفتہ وہ لکڑیاں بھی ختم ہو گئیں وہ کوئلوں پر جھکے تاپتے تھے۔ مگر ہوا کے سرد جھونکوں نے کوئلوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب انکے لئے بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا۔ ابھی رات کا ایک تہائی حصہ باقی تھا۔ خوش قسمتی سے اس رات کو برف نہیں پڑی۔ چاند نکل آیا تھا اور اندھیرا چھٹ کر بہت کچھ اجالا ہو گیا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ سفر شروع کر دیا جائے۔ چلنے سے بدن میں گرمی آ جائے گی چنانچہ انہوں نے وضو کیا اور پوٹلی کندھے پر رکھ کر لاٹھی ہاتھ میں لی اور خدا کا نام لیکر چل پڑے۔

لیکن سردی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ٹھٹھرے جا رہے تھے' انہوں نے بدن میں گرمی پیدا کرنے کے لئے تیزی سے چلنا شروع کیا' جب اس پر بھی جسم میں گرمی نہ آئی تو دوڑنا شروع کر دیا البتہ دوڑنے سے کچھ سردی میں کمی ہو گئی۔ اس طرح جب جسم گرم ہو گیا تو پھر جھپٹ کر چلنے لگے۔ چلتے چلتے جب چاندنی پھیکی پڑ گئی تو وہ سمجھ گئے کہ صبح ہو گئی' انہوں نے نماز فجر ادا کی اور پھر چل پڑے۔

سردی اس وقت بھی کافی تھی' جھپٹ کر چلنے پر بھی جسم میں گرمی نہ آئی بلکہ ایسے معلوم ہوا کہ جیسے خون رگوں میں جمنے لگا ہو' انہیں خوف ہوا کہ کہیں گر نہ پڑیں' انہوں نے دوڑنا چاہا لیکن پیر اس قدر ٹھٹھر گئے تھے کہ دوڑا نہ گیا۔ انہوں نے لاٹھی گھمانی شروع کی۔ اس سے جسم میں کچھ گرمی پیدا ہو گئی اور پھر جھپٹ کر چلنے لگے لیکن ان کی ناک سے پانی بہنا شروع ہو گیا۔

آخر خدا خدا کر کے سورج نکلا۔ لیکن سورج بھی شاید بڑھی ہوئی سردی سے ٹھٹھر گیا تھا' کانپتا ہوا نکل رہا تھا' ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اس کی شعاعوں میں حرارت ہی نہیں رہی ہے۔ پھر کچھ چلنے سے گرمی آئی۔ کچھ سورج نے حرارت پہنچائی' ان کا ٹھٹھرا ہوا جسم پھیلنے لگا۔ کچھ دن چڑھنے تک وہ چلتے رہے' جب آفتاب میں زیادہ حرارت آ گئی اور ان کا جسم بھی زیادہ گرم ہو گیا تو ان کی جان میں جان آئی۔

وہ دوپہر سے کچھ پہلے ایک چشمہ کی ترائی میں پہنچے چونکہ پچھلی رات سے وہ اس وقت تک چلتے رہے تھے' اور رات کو کم سوئے تھے اس نے بہت زیادہ تھک گئے تھے انہیں نیند کا خمار تھا' گرمی نے نیند کو دعوت دیدی تھی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں انہوں نے ایک صاف جگہ پر پوٹلی سرہانے رکھ کر لاٹھی برابر میں لی اور پڑ گئے۔ اور پڑتے ہی نیند آ گئی۔

وہ خوش سواد جنگل تھا' وہاں دور دور تک درخت نہیں تھے۔ ہرن اور دوسرے بے ضرر جانور دھوپ تاپنے کے لئے نکل آئے تھے۔ اور کلیلیں کرتے پھر رہے تھے۔ ہرنوں کی ایک ڈار بھی اس طرف آئی جہاں ہشام غفلت کی نیند پڑے سو رہے تھے۔ ہرنوں نے انہیں دیکھا اور ان کے قریب گئے' کچھ دیر وہاں ٹھٹکے پھر ایک دم چوکڑیاں بھر کر بھاگ گئے۔

ان کے جانے کے بعد ایک لومڑی آئی' اس نے کان پیر سونگھے اور چلی گئی۔ عین دوپہر کے وقت دو گھوڑے سوار آئے' ان میں ایک مرد تھا اور ایک عورت۔ مرد کی عمر لگ بھگ تیس سال کی ہو گی۔ اور عورت کی کوئی پچیس برس ہو گی دونوں کوئی امیر عرب معلوم ہوتے تھے۔ ہر دو نے اچھے

لباس پہن رکھے تھے، مرد وجیہہ اور شاندار تھا اور عورت نازک اندام حسین۔

وہ گھوڑوں پر سوار آہستہ آہستہ چلے آرہے تھے۔ انہوں نے ہشام کو دیکھا مرد نے کہا "نجمہ، اس لڑکے کو دیکھا تم نے"۔

عورت کا نام نجمہ تھا۔ اس نے کہا "ہاں دیکھا، کیسی بے فکری سے سو رہا ہے آؤ قریب چل کر دیکھیں"۔

دونوں ہشام کے پاس آکر کھڑے ہوئے۔ نجمہ نے انہیں دیکھ کر کہا "کتنا پیارا بچہ ہے"۔

مرد:۔ بڑا ہی پیارا اور بڑا ہی بھولا۔

نجمہ:۔ یہ ہے میری خوابوں کی دنیا، جس بچہ کو میں خواب میں دیکھا کرتی تھی وہ یہی ہے

مرد:۔ معلوم نہیں اس معصوم پر کیا افتاد پڑی جو اکیلا سفر کر رہا ہے

نجمہ:۔ اس کے پاس تو کپڑے ہی نہیں ہیں۔ رات سردی کے وقت کیا اوڑھتا ہو گا بیچارا۔

مرد:۔ خدا ہی کو خبر ہے مگر اس وقت سونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ رات کو یہ جاگتا اور شاید آگ کے آگے بیٹھا تاپتا رہا ہے، اسی وجہ سے دھوپ کی گرمی پا کر سو گیا ہے۔

نجمہ:۔ ہائے غریب معصوم۔ اگر ہم اس کو رکھ لیں۔

مرد:۔ اگر تم اسے پسند کرو تو اس کو بیٹا بنا لیں۔

نجمہ:۔ مجھے پسند ہے اور بہت پسند۔ کاش یہ ہمارے پاس رہنے کو تیار ہو جائے۔ یا کوئی دوا ایسی مل جائے کہ ہم اسے کھلا دیں اور یہ پچھلی باتیں بھول جائے اور ہم کو ماں باپ سمجھنے لگے۔

مرد:۔ اگر ہم سے محبت کریں گے تو یہ ضرور ہمارا ہو جائے گا

نجمہ:۔ میرے دل میں تو اس کی بہت ہی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی کہ جیسا یہ میرا ہی بچہ ہے اور مدت کے بعد ملا ہے۔

مرد:۔ اس کی محبت خدا نے ہم دونوں کے دلوں میں ڈال دی ہے شاید خدا کو ہی یہ منظور ہے کہ ہم اس کی پرورش کریں۔

نجمہ:۔ آؤ۔ خدا سے دعا مانگیں کہ وہ اس کے دل میں بھی ہماری ایسی محبت پیدا کر دے جیسی ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے۔

دونوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، نجمہ نے کہا، اب اسے اٹھانا چاہیے۔

مرد:۔ ابھی نہیں۔ ممکن ہے بیچارا ابھی سویا ہو۔ کچی نیند میں اٹھانا اچھا نہیں ہے۔

نجمہ:۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ اسے اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لوں

مرد:۔ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے، مگر اس کو خود اٹھنے دو، چپ چاپ بیٹھی رہو۔ دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر بیٹھ گئے اور ہشام کو دیکھتے رہے، تھوڑی دیر بعد گھوڑے نے ٹاپیں مارنی شروع کر دیں، اس سے ہشام کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے جب نجمہ اور مرد کو بیٹھے دیکھا تو حیران ہوئے، انہوں نے دونوں کو سلام کیا۔ نجمہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے کہا "میرے بیٹے۔"

ہشام کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "میری امی"

جب انہوں نے غور سے دیکھا تو افسوس بھرے لہجہ میں کہا "اوہ تم نہیں ہو۔"

نجمہ:۔ بیٹا میں ہی تمہاری امی ہوں۔ کہو، امی۔

اس نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا، انہوں نے شاید اس کا دل رکھنے کو کہا۔ امی"

نجمہ:۔ خوش ہو گئی۔ اس نے انہیں اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور کہا۔ "بیٹا اگرچہ میں تمہاری امی نہیں ہوں۔ مگر مجھے امی ہی کہا کرنا"

ہشام:۔ میں امی ہی کہا کروں گا۔

مرد نے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے بیٹا۔؟

ہشام:۔ میرا نام ہشام ہے۔"

مرد:۔ بڑا پیارا نام ہے۔ کس کے بیٹے ہو؟۔

ہشام:۔ ضیغم الدین کا۔

مرد نے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ضیغم الدین...... کہیں وہ تو نہیں جو الفراما میں رہتے تھے؟"

ہشام:۔ جی ہاں وہی

مرد:۔ میں انہیں جانتا ہوں، بدبخت عیسائیوں نے الفراما کو لوٹ لیا۔ کیا ہوئے تمہارے باپ۔؟

ہشام نے اپنی تمام داستان بیان کی، جب انہوں نے بتایا کہ ان کے باپ اچانک غائب ہو انہوں نے سخت تکلیف میں گذاری ہیں تو ان دونوں کو ان سے بڑی ہمدردی

پیدا ہو گئی۔ نجمہ کے تو آنسو بھی نکل آئے۔ اس نے پھر انہیں اپنے سینہ سے لگا لیا' اور کہا "بیٹا اب تم ہمارے پاس رہو۔"

ہشام:۔ مگر میں موصل جا رہا ہوں۔ میرے باپ نے مجھے یہی ہدایت کی تھی۔

مرد:۔ ہم بھی موصل چل رہے ہیں۔

ہشام:۔ تب میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

مرد نے ہشام کو نجمہ کے آگے سوار کر دیا' اور خود اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اس طرح ہشام کی قسمت کھل گئی اور خدا نے انہیں نیک آدمیوں کے پاس پہنچا دیا۔

.........☆☆☆.........

باب ۳

محسن

ہشام کو وہ دونوں لے کر چلے۔ وہاں سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ان کا کیمپ تھا، کئی خیمے کھڑے تھے، ان میں سے دو تین خیمے بڑے شاندار تھے، باقی معمولی تھے، شاندار خیمے ان دونوں کے تھے اور معمولی خیمے ان کے ملازموں اور سپاہیوں کے تھے۔ جہاں پہنچ کر نجمہ نے اپنے چہرہ سے نقاب کھینچ لیا خادموں نے ان کا استقبال کیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی سیدہ یعنی نجمہ اپنے آگے ایک لڑکے کو بٹھائے آ رہی ہیں۔

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ان کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ ان کی شادی کو دس سال کے قریب ہو گئے تھے۔ اتنے عرصے میں کوئی بچہ نہیں ہوا تھا، وہ اولاد کے لئے تڑپتے تھے۔

لیکن ایک تو ہشام کا لباس کچھ میلا تھا، دوسرے باپ کی جدائی کا رنج تھا، تیسرے کئی رات تک سردی کی سخت تکلیف سے ان کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا وہ انہیں کچھ جچے نہیں۔

مگر چونکہ نجمہ انہیں اپنے بیٹا بنا کر لائی تھی اس لئے کس کی مجال تھی کہ جو ذرا بھی نکتہ چینی کر سکتا۔ ایک خادم نے دوڑ کر بڑی آہستگی سے ہشام کو گھوڑے سے اتار اس کے بعد نجمہ اتری اور پھر نجمہ کے شوہر اترے۔

نجمہ نے ہشام سے بڑی ہی محبت کے لہجے میں کہا۔ "آؤ بیٹا"

وہ ان کے پیچھے چلے۔ اگرچہ ہشام نے ان دونوں کے لباس سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ دولت مند ہیں۔ مگر جب خیمے کے نوکر چاکر اور سپاہی دیکھے تو سمجھے کہ وہ بھی جاگیردار ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں جاگیردار ہی اپنے ساتھ سپاہی رکھ سکتے تھے۔

نجمہ انہیں لے کر اپنے خیمہ میں داخل ہوئی۔ خیمہ کے اندر بہت ہی قیمتی اور خوش رنگ قالینوں کا فرش ہو رہا تھا اور سامنے مخمل کی کارچوبی کام کی مسند بچھی ہوئی تھی۔ اور مسند کے بیچ میں

ایک بڑا تکیہ اور ادھر ادھر چھوٹے چھوٹے دو گول تکئے رکھے ہوئے تھے' تینوں تکیوں پر مخمل کے غلاف تھے اور ان پر بھی کار چوبی کام ہو رہا تھا۔

ہشام قالین پر چلنے سے کچھ جھجکے مگر آخر ان پر چڑھ گئے۔ لیکن مسند پر نہیں گئے۔ وہ وہیں کھڑے ہو گئے۔ نجمہ نے مسند پر بیٹھتے ہوئے کہا "آؤ بیٹا" ۔ یہاں آجاؤ۔ میرے پاس۔"

ہشام نے کہا۔ مگر امی جان میرے کپڑے"

نجمہ:۔ "امی جان" کا لفظ سن کر باغ باغ ہو گئی۔ جس کو سننے کے لئے وہ ایک مدت سے مشتاق تھی اور دل ترس رہا تھا کہ اس کو سن کر اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا۔ اس نے مسکرا کر کہا "پرواہ مت کرو" میرے بیٹے سے مسند اچھی نہیں' آجاؤ"

وہ بھی نجمہ کے پاس جا بیٹھے' اس وقت کئی نوجوان کنیزیں وہاں آئیں' انہوں نے بھی ہشام کو نجمہ کے اس بیٹھے دیکھ کر تعجب کیا' ان میں سے ایک کنیز نے پوچھا' کپڑے نہ بدلئے گا؟"

نجمہ' بدلوں گی۔ مگر پہلے ہمارے بیٹے کے کپڑے تبدیل ہونے چاہئیں۔ وہاں اتنے چھوٹے بچے کے کپڑے کہاں تھے' کنیزوں نے کہا۔ مگر اتنا چھوٹا لباس کہاں ہے۔ البتہ تیار ہو جائے گا"۔

نجمہ:۔ اچھا دیکھو ہم خود لباس تبدیل کر لیں گے۔ خادمہ کھانا کھلا دے گی اور تم سب جلدی لباس تیار کر دو۔ جتنی جلدی تیار کرو گی انعام ملے گا۔

اس وقت نجمہ کے شوہر داخل ہوئے۔ انہوں نے کہا "جب تک لباس تیار ہو اس وقت تک ہشام کو دو چادریں دیدو' ایک باندھ لیں گے اور دوسری لپیٹ لیں گے"

نجمہ نے جلدی سے کہا۔ بالکل ٹھیک کہا تم نے"

ہشام نے کہا۔ مگر امی جان پہلے میں غسل کر لوں"

نجمہ۔ اچھا بیٹا

اس نے کنیزوں سے کہا جلدی سے پانی گرم لے آئیں۔

ہشام:۔ میں ٹھنڈے پانی سے نہا لوں گا امی جان۔

نجمہ:۔ نہیں بیٹا سردی ہے' ٹھنڈ لگ جائے گی۔

ہشام:۔ مگر اب تک ٹھنڈے پانی سے نہاتا رہا ہوں۔

نجمہ میرا بچہ........ نہ جانے کیا کیا تکلیفیں اٹھاتا رہا ہے۔

ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے' ان کے شوہر نے جلدی سے کہا "اے تم پاگل ہو

گئیں 'اب تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارا بچہ تمہارے پاس آگیا"

نجمہ: 'ہاں میں خوش ہوں میرے بچے اس وقت تمہارے پاس کوئی خادم اور کنیز نہ ہوگی 'خدا کے فضل سے اب تمہارے پاس بہت سے خادم اور کنیزیں ہیں۔ شرمانا اور جھجکنا نہیں بیٹا۔ ان سے کام لیا کرنا۔

تھوڑی دیر میں کنیز نے پانی گرم ہونے کی اطلاع دی 'نجمہ نے ہشام کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ ہشام نے غسل کیا اور ایک سفید چادر تہمند کی طرح باندھی اور دوسری اوڑھ لی اور وہ کچھ دیر دھوپ میں بیٹھے 'رنگ نکھر آیا 'ماما انہیں کھانے کو بلا کر لے گئی 'نجمہ اور ان کے شوہر دونوں بیٹھے تھے 'نجمہ نے انہیں اپنی طرف بلا کر پاس بٹھا لیا 'تینوں نے کھانا کھایا 'کھانے سے فارغ ہو کر نجمہ نے ان کے لئے ایک خیمہ خالی کرا دیا 'اس میں بستر کرایا اور انہیں لٹا گئی 'کہاں ان کے پاس کپڑا تک نہیں تھا 'بستر کا تو ذکر ہی کیا 'زمین پر سوتے تھے 'کہاں نرم بستر اور اوڑھنے کو کافی گرم کپڑے ملے۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور سو رہے ظہر کے وقت اٹھے اور چادریں پہن کر ہی نماز پڑھی 'عصر کے وقت ان کا ایک جوڑا لباس تیار ہو گیا۔ انہوں نے پہنا 'نجمہ کے خیمہ میں آئے 'وہ بے تکلفی سے لیٹی ہوئی تھیں انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں 'ہشام نے سلام کیا 'انہوں نے دعا دے کر ان کی پیشانی چوم لی۔ ہشام نے کہا 'معاف کرنا امی 'میں آپ کے آرام میں مخل ہوا

نجمہ۔ بیٹا آج تک کوئی ایسا تھا ہی نہیں جو میرے آرام میں خلل انداز ہوتا 'خدا نے تمہیں بھیج دیا ہے اور اب میرا آرام تمہارے آرام کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے۔

ہشام:۔ امی 'ابا جان کا کیا نام ہے

نجمہ 'نے مسکرا کر کہا "ان سے پوچھنا بیٹا"

ہشام:۔ ان سے نہیں تم بتاؤ۔

نجمہ کا چہرہ جوش مسرت سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ اب تم نے ٹھیک خطاب کیا ہے" آپ" سے مغائرت ظاہر ہوتی ہے۔ اور "تم" سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ بیٹا تمہارے باپ کا نام کمال ہے۔ موصل میں رہتے ہیں 'جاگیردار ہیں۔

حلب میں میری بہن یعنی تمہاری خالہ رہتی ہے 'کمال مجھے ان سے ملانے کے لئے گئے تھے۔ کل اس جگہ جب قیام کیا تو شکار بہت نظر آیا۔ تمہارا باپ اور میں دونوں ہی شکار کے بہت شوقین ہیں۔ آج ہم نے کوچ نہیں کیا 'شکار کی تلاش میں نکل گئے اور تمہیں دریا کی ترائی میں سوتے ہوئے دیکھا '

خدا نے ہمارے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کر دی اور ہم تم کو اپنے ساتھ لے آئے۔

ہشام:۔ خدا نے ہی تمہیں وہاں بھیجا تھا' ای کیا میں تمہارا شکریہ ادا کروں

نجمہ نے ہنس کر کہا "میرے بھولے بیٹے' کہیں بیٹا بھی ماں باپ کا شکریہ ادا کرتا ہے"

ہشام:۔ مگر میرے ابا جان نے بتایا تھا کہ جو انسان اپنے محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نجمہ:۔ بیٹا شکریہ تو ادا ہو گیا' مگر ایک وعدہ کرو

ہشام:۔ کیا؟

نجمہ:۔ تم ہمیں چھوڑ کر تو نہ چلے جاؤ گے۔"

ہشام:۔ کوئی اپنی امی اور ابا کو چھوڑ کر جایا کرتا ہے۔

اس وقت کمال خیمہ میں داخل ہوئے' انہوں نے کہا "ماں بیٹے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔؟

ہشام نے کمال کو کھڑے ہو کر بڑے ادب سے سلام کیا۔ وہ بھی خوش ہو گئے۔ انہوں نے بھی دعا دے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ نجمہ نے کہا۔ "یہ شکریہ ادا کر رہے ہیں' میرا بھی اور تمہارا بھی"

کمال:۔ شکریہ کی ضرورت نہیں ہے بیٹا۔ ابھی ہم تمہاری خدمت کریں گے تمہارا شکریہ ہے کہ جب ہم ناکارہ عمر کو پہنچ جائیں تو تم ہماری خدمت کرنا۔

ہشام:۔ میں عمر بھر تمہاری خدمت کروں گا۔

کمال:۔ خدا تمہاری بڑی عمر کرے۔

اب یہ تینوں بیٹھ گئے۔ کمال اور نجمہ نے ایسی باتیں کرنی شروع کیں کہ ہشام کا دل بہل جائے اور غم کے بادل چھٹ جائیں۔

........☆☆☆........

باب ۴

تعلیم و تربیت

نجمہ نے یہ ٹھیک ہی کہا تھا کہ کمال موصل کے رہنے والے تھے' جاگیردار تھے۔ شہر کے معزز لوگوں میں سے تھے وہ بڑے بہادر اور جوشیلے تھے۔ لیکن شریف اور نیک دل بھی بہت تھے' اپنی بیوی نجمہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ نجمہ بھی ان پر جان دیتی تھی۔

ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ نجمہ اکثر خواب میں ایک لڑکے کو دیکھا کرتی تھی' اسے خیال تھا کہ وہ لڑکا اس کے بطن سے ہو گا۔ لیکن شادی کو مدت ہو گئی اور ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد خدا نے ہشام کو ان کے پاس پہنچا دیا تھا اور ہشام کی شکل خواب والے لڑکے سے ملتی جلتی تھی' اس لئے انہیں اس سے بڑی محبت ہو گئی۔

کمال نے وہاں سے موصل کی طرف کوچ کر دیا' چونکہ انہیں موصل پہنچنے کی جلدی نہیں تھی اس لئے اطمینان سے کوچ و قیام کرتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے ہشام کو گھوڑے پر سوار ہونے اور ہتھیار چلانے کی مشق کرانی شروع کر دی تھی۔ ہشام کو ان باتوں کے حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت گھوڑے پر سوار ہونے اور ہتھیاروں کی مشق پر صرف کرتے۔

دراصل وہ جنگی فنون کو اس لئے حاصل کر رہے تھے کہ ان کے باپ نے انہیں انتقام لینے کی تلقین کی تھی' وہ چاہتے تھے کہ جلدی سے لڑائی کے فنون کو حاصل کر کے اس قابل ہو جائیں کہ انتقام لے سکیں' وہ لکھتے پڑھتے بھی تھے۔

کمال اور نجمہ دونوں ان کی تعلیم و تربیت میں معروف ہو گئے تھے نجمہ گھوڑے پر سواری کرنا' تیراندازی کرنا اور تلوار چلانا اچھی طرح جانتی تھی' اس سلسلہ میں وہ ہشام کی مدد کرتی رہتی تھی۔ کمال بھی ان کی تعلیم میں کوشش کرتے رہتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایک ماہر فن شخص کو بھی ان کی

تعلیم پر مقرر کر دیا تھا۔ ان کا نام احمد رفیع تھا' وہ فوجی افسر تھے۔

احمد رفیع کو بھی ہشام سے بڑی محبت ہو گئی تھی' وہ بھی انہیں بیٹے سے زیادہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد انہیں ہر فن میں طاق کر دیں۔ چنانچہ انہیں بڑی محنت سے تعلیم دے رہے تھے۔

چند ہی روز میں ہشام کو گھوڑے پر سوار ہونے کی اس قدر مشق ہو گئی کہ وہ گھوڑے پر بغیر زین کے بیٹھے ہوئے سرپٹ دوڑاتے تھے۔ نیزہ بازی کی مشق اس طرح کی تھی کہ احمد رفیع زمین میں کھونٹے گاڑ دیتے تھے۔ ہشام گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ ہاتھ میں لیکر گھوڑا دوڑاتے اور نیزہ سے کھونٹے .نیزہ ڈالتے' اور ایک لمبی لکڑی کھڑی کر کے دور سے اس پر تیر مارتے' ان کے تیر لکڑی میں پیوست ہو جاتے' تلوار کے ہاتھ بھی اچھے نکالنے لگے تھے۔

جوں جوں وہ ان فنون کو سیکھتے جاتے تھے' نجمہ' کمال اور احمد رفیع خوش ہوتے جاتے تھے۔ اور خود انہیں بھی خوشی ہوتی تھی۔

اب وہ موصل کے مضافات میں پہنچ گئے تھے۔ ایک روز کمال' نجمہ اور ہشام تینوں شکار کھیلنے گئے' اتفاق سے کئی ہرن نظر آئے' کمال نے ہشام سے کہا۔ بیٹا' آج مشق دکھلاؤ' کسی ہرن کا شکار کرو تو جانیں۔

ہشام نے کہا "انشاء اللہ میں ضرور ہرن کا شکار کروں گا"۔ انہوں نے گھوڑا ہرنوں کی طرف چھوڑ دیا۔ کمال اور نجمہ بھی ان کے پیچھے چلے' نجمہ نے چلتے چلتے کہا "بیٹا ہرنی کا شکار نہ کرنا"۔

ہشام نے ہرنوں کے قریب پہنچ کر کمان شانہ سے اتار کر ہاتھ میں لی' ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں جوڑ کر ابھی نشانہ لے رہے تھے کہ ہرنوں نے انہیں دیکھ لیا۔ اور چوکنے ہو کر چوکڑی بھرنے لگے۔ ہشام نے ان کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا کچھ دور چوکڑیاں بھر کر ہرنوں نے انہیں مڑ کر دیکھا لیکن وہ اس وقت زد پر آ گئے تھے۔ ہشام نے تاک کر تیر مارا ایک ہرن کے اگلے پیر میں تیر پیوست ہو گیا وہ گرا اور گر کر اٹھا اور چھلانگ لگا کر دوڑا' مگر اس کا اگلا پیر مجروح ہو چکا تھا اور اس میں تیر بندھا ہوا تھا۔ وہ دوڑ نہ سکا۔ چند قدم چل کر گر پڑا۔

اس عرصہ میں ہشام اس کے قریب پہنچ گئے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی پھر زور کر کے اٹھا۔ پھر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ بھاگ نہ سکا۔ ہشام نے جلدی سے گھوڑے سے کود کر اس کی طرف دوڑے' کمال بھی ان کے قریب پہنچ گئے' انہوں نے کہا "بیٹا ہرن کے کھر سے بچنا' تلوار سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے"۔

ہشام نے ہرن کے سینگ پکڑ لیے' ہرن نے زور کر کے سینگ چھڑا لیے' مگر ہشام نے پھر سینگ پکڑ لیے اور پٹخنی دیدی اور خنجر نکال کر ذبح کر ڈالا۔

کمال اور نجمہ بہت خوش ہوئے دونوں نے ان کے نشانہ اور بہادری کی تعریف کر کے ان کی ہمت افزائی کی' اس روز انہوں نے اور زیادہ شکار نہیں کیا' اس ہرن کو لیکر لوٹ آئے' کیمپ میں آ کر کمال اور نجمہ نے غلاموں' خادموں' ملازموں' سپاہیوں اور کنیزوں سے ہشام کی شہ زوری اور نشانہ کی بڑی تعریفیں کیں۔

کنیزیں' خادم اور سپاہی بھی ہشام سے بڑی محبت کرنے لگے تھے۔ وہ انہیں اپنا آقازادہ سمجھ کر ان کی عزت کرتے اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے۔ خصوصاً کنیزیں ان کے آرام کا بڑا خیال رکھتیں' ان کا ہر کام دل سے اور فوراً کرتیں' مگر وہ عام طور پر اپنا کام خود ہی کرتے۔

نجمہ کو ان کے آرام کا سب سے زیادہ خیال رہتا تھا' وہ خود ان کا لباس بدلواتیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتیں اور رات جب سو جاتے تو کئی کئی بار ان کے خیمہ میں جا کر دیکھ آتیں کہ وہ آرام سے سو رہے ہیں یا جاگ گئے ہیں' مگر وہ ایسے گھوڑے بیچ کر سوتے تھے کہ صبح ہی آنکھ کھلتی تھی' انہیں معلوم بھی نہیں کہ کون ان کے خیمہ میں آیا ہے؟

کنیزوں کو بھی ان سے کچھ اس قدر انس ہو گئی تھی کہ وہ بھی رات کو اٹھ کر انہیں دیکھ آتی تھیں۔

ہشام کچھ دن تو مضمحل اور اداس رہے مگر رفتہ رفتہ وہ خوش اور بشاش رہنے لگے' جب انہیں اچھا کھانے اور پہننے کو ملا تو ان کا رنگ اور نکھر آیا خوبروئی بڑھ گئی' اور چند ہی روز میں وہ دیکھنے اور دکھانے کے قابل ہو گئے۔

اب وہ موصل سے بہت قریب پہنچ گئے تھے' احمد رفیع اور کمال نے انہیں یہ بتایا تھا کہ موصل بہت اچھا شہر ہے اور جب سے وہ عماد الدین زنگی کا دار السلطنت ہو گیا ہے' اس وقت سے اس کی وسعت بہت بڑھ گئی ہے اور اس میں بڑی نفاست آ گئی ہے۔

ہشام کو اس شہر کے دیکھنے کا بڑا شوق پیدا ہو گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد اس شہر میں پہنچ کر اس کو دیکھیں' آخر وہ ایک روز موصل میں داخل ہو گئے۔

موصل واقعی نہایت اچھا اور بڑا شہر تھا۔ اس کی عمارتیں بھی عالیشان تھیں' عربوں نے اس

کو بہت کچھ سنوار دیا تھا۔ اس میں بازار کشادہ تھے' دکانیں فراخ اور شاندار تھیں ہر بازار میں کئی کئی حمام تھے۔

کمال کا محل بہت بڑا اور نہایت اچھا تھا' اس میں ایک خوشنما پائیں باغ بھی تھا۔ ایک چھوٹی نہر اس باغ کو سیراب کرتی تھی' ہشام اس محل اور باغ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ محل میں متعدد کنیزیں اور خادم ہیں' باغ کی دیکھ بھال مالنیں کرتی ہیں دروازہ پر غلاموں کا پہرہ رہتا ہے' محل کے قریب ایک وسیع اصطبل ہے۔ اور اس میں اچھی اچھی نسل کے گھوڑے ہیں' انہوں نے کئی کمرے سامان حرب سے آراستہ دیکھے' نیزے' زرہیں' چار آئینے' آہنی کوٹ اور چاندی کی واسکٹیں دیکھیں۔ کئی خود تھے' بعض مخروطی شکل کے' بعض تاج نما۔ بعض عمودی' تلواریں اصفہانی' سمرقندی اور ہندی طرح طرح کی۔ خنجر بھی مختلف انواع کے' کٹاریں' نیزے بھالے' حربے' تیر' غرضیکہ لڑائی کے جملہ ہتھیار تھے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

جب انہیں موصل میں آئے کئی روز ہو گئے' تب ایک روز انہوں نے نجمہ سے کہا "امی جان' میں نے شاہ موصل کو تو دیکھا ہی نہیں"۔

نجمہ:۔ آج تمہارے ابا جان سے کہوں گی۔

چنانچہ اسی روز نجمہ نے کمال سے کہا' ہشام شاہ موصل کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

کمال:۔ کس لئے؟

نجمہ:۔ یہ میں نے نہیں پوچھا۔

ہشام بھی وہاں آ گئے' کمال نے ان سے پوچھا۔

"بیٹا' تم شاہ موصل سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

ہشام:۔ مجھے ابا جان نے ایک تحریر دی تھی' وہ ان کے حضور میں پیش کرنی ہے۔

کمال:۔ اچھا تم ہمارے ساتھ چلنا' جمعرات کے روز دربار ہوتا ہے اور اس دربار میں سائل درخواستیں پیش کرتے ہیں' تم بھی اپنی تحریر پیش کر دینا۔

ہشام خوش ہو گئے اور جمعرات کے دن کا انتظار کرنے لگے۔

......☆☆☆......

باب ۱۵

عماد الدین زنگی

ایک رات کو کمال، نجمہ اور ہشام ایک آراستہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرہ کافوری شمعوں کی روشنی سے کمرہ جگمگا رہا تھا۔ کمال نے کہا "تم امیر موصل کو جانتے ہو ہشام"۔

ہشام نے کہا "میں صرف ان کا نام جانتا ہوں، ابا جان نے بتایا تھا کہ ان کا نام عماد الدین زنگی ہے"۔

کمال ہنسے، انہوں نے کہا "ان کا نام صرف عماد الدین ہے اور چونکہ وہ زنجبار کے رہنے والے ہیں اس لئے زنگی کہلاتے ہیں"۔

ہشام:۔ میں عماد الدین زنگی ہی پورا نام سمجھتا تھا، جیسے میرے استاد کا نام احمد رفیع ہے۔

کمال:۔ احمد رفیع بھی دو نام ہیں۔ دراصل ان کا نام احمد ہے اور رفیع ان کے باپ کا نام ہے، انہوں نے ابن رفیع کہلانا پسند نہیں کیا۔ بلکہ اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ کا بھی نام شریک کر کے احمد رفیع رکھ لیا ہے۔

ہشام:۔ یہ بات بھی مجھے آج ہی معلوم ہوئی، میں ان کا نام ہی احمد رفیع سمجھ رہا تھا، اچھا امیر موصل کا کیا ذکر تھا۔

کمال:۔ میں تمہیں امیر موصل کے حالات سنانا چاہتا ہوں، انہوں نے بہت چھوٹی عمر میں بڑی بہادری کا کام کیا تھا۔ جب وہ تمہارے برابر تھے تو انہوں نے ایک زبردست قلعہ فتح کیا تھا۔

بچوں کے دلوں میں جوش بھی ہوتا ہے اور امنگ بھی اور واقعات و حالات معلوم کرنے کا اشتیاق بھی، ہشام کے دل میں ترنگ پیدا ہوئی کہ وہ بھی کوئی ایسی ہی بہادری کا کام کریں جس سے ان کی بھی شہرت ہو اور وہ بھی کسی شہر کے امیر بن جائیں ساتھ ہی انہیں عماد الدین زنگی کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا، تو انہوں نے کہا "تو سنائیے ابا جان ان کے حالات"۔

کمال:۔ میں نے تمہارے چہرہ سے یہ بات معلوم کرلی ہے کہ تمہارے دل میں بھی جوش نے لہرلی اور امنگ پیدا ہوئی' ہونہار بچے ایسے ہی ہوتے ہیں' ہر بچہ کے دل میں بہادری کا جوش اور ترقی کی امنگ ہونی چاہئے' میں تمہارا جوش اور تمہاری امنگ دیکھ کر بہت خوش ہوا' اچھا اب میں تمہیں عماد الدین زنگی کے حالات سناتا ہوں۔

انہوں نے بیان کرنا شروع کیا۔

"عماد الدین زنگی کے والد کا نام اقسنقر تھا۔ اقسنقر زنجبار کے رہنے والے تھے بدقسمتی نے جب ان پر اپنا پر ڈالا تو وہ غلام بن کر سلجوقی بادشاہ ملک شاہ کی خدمت میں آئے' چونکہ وہ بڑے بہادر اور دانش مند تھے اس لئے انہوں نے ترقی شروع کی۔ اول اول تو وہ غلاموں کے افسر مقرر ہوئے' انہوں نے افسر مقرر ہوتے ہی کچھ ایسے کار نمایاں کئے کہ ملک شاہ سلجوقی ان پر بہت مہربان ہو گئے۔ اور انہوں نے انہیں فوج میں ایک ذمہ داری کا عہدہ دے دیا' اقسنقر نے اس عہدہ کے فرائض کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ ملک شاہ سلجوقی ان سے اور بھی خوش ہوئے' اتفاق سے حلب کی گورنری خالی ہوئی' ملک شاہ نے اقسنقر کو حلب کا گورنر مقرر کردیا۔

امیر حلب ہونے پر ان کی طبیعت کے جوہر اور کھلے' انہوں نے اس علاقہ کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ رعایا ان سے خوش ہو گئی' اور ملک شاہ سلجوقی کو ان پر بڑا اطمینان اور بھروسہ ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اقسنقر نے بھی وفاداری اور جانثاری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی' بڑے بڑے اہم اور جانبازی کے جوہر دکھائے اور حلب کے علاقہ کو کافی وسیع کردیا۔

مگر انہیں امیر حلب مقرر ہوئے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک بڑی لڑائی پیش آگئی۔ ملک شاہ سلجوقی نے انہیں بھی اس مہم پر بھیجا' انہوں نے وہاں جاکر بہادری اور دلیری اور جوش کے ایسے جوہر دکھائے کہ دوست اور دشمن سب تعریف کرنے لگے' وہ بڑی سرگرمی سے لڑے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ دشمنوں کے انبوہ میں گھس جاتے تھے اور عظیم قتل و خونریزی کرکے صفوں کی صفوں کو زیروزبر کر ڈالتے تھے' دشمن ان سے گھبرانے اور ان کے سامنے سے کترانے لگے تھے۔

اتفاق سے وہ ایک نرغہ میں گھر گئے' اگرچہ وہ بڑی دلیری اور جرات سے لڑے مگر دشمنوں کی کثرت کے سامنے ان کی ایک بھی پیش نہ گئی اور وہ شہید ہو گئے شہید ہو کر بھی وہ دشمنوں پر مسلمانوں کا ایسا رعب اور خوف بٹھا گئے کہ دشمن ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ لیکن یہ فتح اقسنقر کی شہادت کی وجہ سے بہت مہنگی پڑی۔ جب ان کی شہادت کی خبر ان کے

گھر پہنچی تو بیوی اور بچہ کو بڑا صدمہ ہوا' ان کے بیٹے عماد الدین تھے' انھیں باپ کی شہادت کا رنج تو ہوا ہی مگر جوش بھی بہت آیا۔ انہوں نے عہد کیا کہ وہ دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

لیکن وقت یہ پیش آئی کہ جس مہم پر ان کے والد شہید ہوئے تھے وہ ختم ہو گئی تھی دشمن اس محاذ سے پسپا ہو چکا تھا' مگر ان کے جوش نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا' وہ تلاش کرنے لگے کہ عیسائیوں سے کس مقام پر جنگ ہو رہی ہے' انھیں معلوم ہوا کہ امیر مودود نے عیسائیوں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر ان پر یورش کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

اس وقت عیسائیوں نے طبریہ مسلمانوں سے چھین لیا تھا' وہ اسی شہر کو عیسائیوں سے واپس لینا چاہتے تھے' چنانچہ انہوں نے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی' عماد الدین زنگی بھی نہ معلوم کس طرح ان کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔

اس وقت عماد الدین کی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال کی تھی' یہ اتنی چھوٹی عمر تھی کہ ان کے ہم سن بچے فوج میں بھرتی ہونے کی جرات ہی نہیں کر سکتے تھے' اور فوج میں بھرتی ہونا تو کیا ایسے بچوں کے ماں باپ انہیں رات کو گھر سے باہر ہی نہیں نکلنے دیتے تھے' اور نہ اسقدر چھوٹی عمر کے بچے فنون حرب میں ماہر ہوتے تھے۔

لیکن عماد الدین زنگی نے اتنی چھوٹی عمر میں تمام جنگی فن سیکھ لئے تھے اور یہ جرات تھی کہ امیر مودود کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔

سپاہیوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان سے بڑے بڑے قوی سپاہی بھی گھبرا جاتے ہیں' لیکن عماد الدین زنگی کسی بات پر ہراساں نہ ہوئے' اپنے فرائض بڑی تندہی سے انجام دینے لگے۔

آخر یہ فوج امیر مودود کی سرکردگی میں طبریہ کی طرف روانہ ہوئی' عیسائیوں کو پہلے ہی یہ یقین تھا کہ مسلمان ضرور یورش کریں گے' چنانچہ انہوں نے عظیم پیمانہ پر لڑائی کی تیاری کر لی تھی اور یہ طے کر لیا تھا کہ مسلمان جب طبریہ کے سامنے آ جائیں گے تو وہ قلعہ سے نکل کر ان پر حملہ کریں گے۔

مگر جب مسلمان طبریہ کے آگے پہنچے تو اسلامی لشکر کی تعداد عیسائیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی مگر پھر بھی عیسائیوں کو میدان میں نکل کر لڑنے کی جرات نہیں ہوئی۔ وہ قلعہ بند ہو گئے' مسلمانوں نے طبریہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور جنگ بندی شروع کر دی۔

مسلمانوں نے کئی حملے کیے' لیکن عیسائیوں نے اس شدت سے تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ مسلمان فصیل تک نہ جا سکے۔

ایک روز امیر مودود نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور انہیں ترغیب دی کہ وہ قلعہ پر یورش کر کے پھاٹک پر پہنچ کر دم لیں۔ اس روز مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا' سب سے زیادہ جوش عماد الدین زنگی کو آیا' انہوں نے تہیہ کر لیا کہ یا مارے جائیں گے یا قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر دم لیں گے۔

چنانچہ جب لشکر بڑھا تو وہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھے' یہ سپاہ قلعہ کے قریب پہنچے تو عیسائیوں نے فصیل سے حسب معمول تیروں اور سنگریزوں کی بارش اس کثرت سے کی کہ مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ بہت سے مسلمان زخمی ہو کر تلملا اٹھے۔

عماد الدین زنگی کا جوش بڑھ گیا۔ انہوں نے کہا "بہادرو! یہ وقت سرفروشی کا ہے' پس و پیش کا نہیں۔ جنہیں اپنی جان عزیز ہو وہ واپس لوٹ جائیں اور جو شہادت کے طلبگار ہیں آگے بڑھیں"۔

یہ کہتے ہی انہوں نے گھوڑا بڑھایا خود گھوڑے کے عیال پر جھک گئے اور ڈھال گھوڑے کے سر سے آگے اس طرح کر لی کہ گھوڑے کی گردن اور اپنا جسم ڈھال کے پیچھے آ گئے۔

انہوں نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر دی انہیں بے خطر اور اس قدر جرات کے ساتھ آگے بڑھتا دیکھ کر دوسروں کے حوصلے بڑھ گئے' کثیر تعداد میں مسلمانوں نے اپنے گھوڑے ان کے پیچھے ڈال دیئے اور انہوں نے بھی ڈھالوں سے گھوڑوں اور خود اپنے آپ کو چھپا لیا۔

عیسائی فصیل پر کھڑے مسلمانوں کی یہ بے نظیر جرات و ہمت دیکھ رہے تھے' انہوں نے اور بھی سختی سے تیروں اور پتھروں کی مار امار شروع کر دی' سنگریزے اولوں کی طرح برسنے لگے۔ لیکن مسلمانوں کے قدم نہ رکے' خصوصاً عماد الدین زنگی بغیر یہ دیکھے کہ ان کے پیچھے لوگ آ رہے ہیں یا نہیں گھوڑا دوڑاتے رہے۔ آخر وہ طبریہ کے پھاٹک پر پہنچ گئے اور انہوں نے بڑی زور سے نیزہ پھاٹک پر مارا' پھاٹک ہل گیا۔ نیزہ پھاٹک میں گڑ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بے شمار مسلمان پھاٹک کے سامنے اور فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ جو لوگ پھاٹک پر پہنچے۔ انہوں نے بڑے زور سے نیزے مارے آخر پھاٹک گر گیا۔ مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے' بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی' بے شمار عیسائی مارے گئے۔ طبریہ فتح ہو گیا۔

یہ فتح محض عماد الدین زنگی کی بے نظیر جرات و بہادری کی وجہ سے ہوئی' ان کی دلیری ہمت و شجاعت کی بڑی شہرت ہوئی"۔

کمال اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئے۔

.........☆☆☆.........

باب۹

امیر موصل

ہشام بڑی توجہ سے عماد الدین زنگی کے حالات سن رہے تھے ' انہوں نے کہا " واقعی زنگی بہادر ہیں "۔

کمال :۔ ان کی بہادری کا اس سے اندازہ کر لو کہ جب بڑے بڑے شجاع اور بہادر تجربہ کار لوگ متذبذب تھے تو انہوں نے ذرا بھی پس و پیش نہیں کی۔ جوش میں آکر گھوڑا قلعہ کی طرف دوڑا دیا اور نیزہ قلعہ کی پھاٹک پر گاڑ دیا۔

ہشام :۔ خدا مجھے بھی ایسی ہی جرات اور ہمت دے ' میرے خاندان والوں کے ساتھ بھی سفاک عیسائیوں نے وحشیانہ سلوک کیا ہے ' انشاء اللہ میں بھی ان سے انتقام لوں گا۔

کمال :۔ ضرور لینا۔

ہشام :۔ کاش مجھے بھی عماد الدین زنگی اپنی فوج میں بھرتی کر لیں۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا " تم ابھی ایسا ارادہ نہ کرو جب خیر سے بڑے ہو کر جوان ہو جاؤ تب فوج میں کوئی عہدہ حاصل کر کے ناموری اور شہرت حاصل کرنا "۔

ہشام :۔ میں ناموری اور شہرت نہیں چاہتا۔ ایک تو انتقام لینا چاہتا ہوں ' دوسرے جہاد کر کے خدا کو خوش کرنا چاہتا ہوں۔ کیوں ابا جان ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو ...... "

یہ فقرہ سن کر نجمہ کا دل دہل گیا۔ انہوں نے فقرہ پورا نہ کرنے دیا۔ جلدی سے کہا " خدا نہ کرے "۔

ہشام :۔ مگر امی جان شہادت کی موت تو بڑی اچھی موت ہوتی ہے۔

نجمہ :۔ جوان ہو کر جہاد کرنا چاہیے۔

ہشام:۔ کیا بچے جہاد نہیں کر سکتے امی جان۔

نجمہ:۔ بیٹا ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا دل ہولنے لگتا ہے۔

ہشام:۔ مگر جہاد کے نام سے مسلمانوں کا دل ہولا نہیں کرتا۔

کمال:۔ تم سچ کہتے ہو بیٹا۔ تمہاری امی کو تم سے اس قدر محبت ہے کہ وہ تمہارا جہاد میں شریک ہونا گوارا نہیں کر سکتیں۔ مگر ابھی تم بچہ ہو، تمہیں امیر عماد الدین فوج میں بھرتی ہی نہیں کریں گے۔

ہشام:۔ کیوں نہیں کریں گے، وہ خود بھی تو میری ہی عمر میں فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔

کمال:۔ سچ تو ہے بیٹا۔ کہ تمہاری باتوں کا جواب آنے والا زمانہ دے گا۔

ہشام:۔ ابا جان، میرے دل میں جنگ کرنے کی بڑی تمنا ہے۔

کمال:۔ خدا تمہاری یہ تمنا پوری کرے گا۔

نجمہ نے کمال سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم بھی کیا حالات سنانے بیٹھے۔ بچہ کو کوئی کہانی سناتے۔

کمال:۔ ایسے ہونہار بچوں کو تاریخی قصے ہی سنانے چاہئیں۔

نجمہ:۔ ہشام کے دل میں اور ٹھونک کر جوش بھر دو۔

کمال:۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ تمہارے کولہے سے لگے بیٹھے رہیں گے تو یہ تمہاری غلطی ہے، ان کے دل میں جوش ہے۔ دلیری ہے، جرات ہے، ہمت ہے اور طبیعت میں استقلال ہے۔ یہ میدان جنگ میں گھوڑے کی پیٹھ پر جا کر دم لیں گے۔

نجمہ:۔ جاؤ۔ تمہیں میرے بچے سے بالکل ہی محبت نہیں ہے، اس لئے اس کو ایسی ترغیبیں دے رہے ہو۔

کمال:۔ مجھے تم سے بھی زیادہ ہشام سے محبت ہے، مگر اسے بزدل نہیں بنا سکتا، ان کے باپ بزدل نہیں تھے۔ میں بزدل نہیں ہوں اور تم بھی بزدل نہیں ہو۔ تو پھر میں انہیں کیسے بزدل بنا دوں۔

نجمہ:۔ بزدل تو میں بھی نہیں بنانا چاہتی مگر......

کمال:۔ لیکن تمہاری محبت چاہتی ہے کہ یہ ابھی جہاد نہ کریں۔

نجمہ:۔ ہاں۔

کمال:۔ دختران اسلام اپنے بیٹوں کو جہاد پر جانے کی ترغیب دیا کرتی ہیں' تم بھی دختر عرب ہو' اپنے دل کو مضبوط کرلو۔

نجمہ:۔ کروں گی۔

ہشام نے خوش ہو کر نجمہ کو دیکھتے ہوئے کہا "تم مجھے جہاد پر جانے کی اجازت دے دو گی"۔

نجمہ:۔ ہاں۔ میرے بچے' میں مسلمان عورت ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنی اولاد کو ہنسی خوشی جہاد پر بھیجوں' جب ایسا موقع آئے گا تو میرے چاند میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے جسم پر اسلحہ سجاؤں گی۔

ہشام:۔ ہشام نے ان کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا "کتنی اچھی ہو تم امی"۔

کمال:۔ دیکھا تم نے اپنے بیٹے کے جوش کو۔

نجمہ:۔ دیکھ لیا' یہ میرے دل کی کمزوری تھی کہ میں ان کو جوان ہونے کا انتظار کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ نہیں یہ ہر وقت جہاد پر جا سکتے ہیں۔

کمال:۔ یہی بات ہے۔

نجمہ:۔ اچھا تو تم انہیں امیر کے بقیہ حالات بھی سنا دو۔

ہشام:۔ ہاں ابا جان اور کیا حالات ہیں ان کے۔

کمال:۔ یہ تمہاری امی نے اور ہی سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ خیر سنو۔ انہوں نے بیان کرنا شروع کر دیا۔

* عماد الدین کی شہرت تمام اسلامی ممالک میں ہو گئی۔ اس شہرت کی وجہ یہ تھی کہ ان کی عمر اس وقت دس سال تھی اور ان سے ایسا حیرت ناک اور دلیری کا کارنامہ انجام پایا تھا۔ جس کو دیکھنے والے دیکھ کر اور سننے والے سن کر حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔

اس زمانہ میں عراق' عرب اور عجم کے حکمران سلطان محمود بن سلطان ملک شاہ تھے۔ انہوں نے جب عماد الدین کی بہادری' جرات اور استقلال کی شہرت سنی تو انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ ان کی کمسنی دیکھ کر وہ بھی حیران رہ گئے' ان سے طبریہ کے حالات دریافت کیے گئے' انہوں نے بیان کر دیئے۔

سلطان محمود ان کی باتیں سن کر اور ان کی بلند پیشانی دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ وہ بلند اقبال ہوں گے۔ انہوں نے اپنی فوج کا ایک عہدہ دے کر اپنا مصاحب بنا لیا۔

ہشام نے حیرت سے کمال کو دیکھ کر کہا "کیا بادشاہ بچوں کو بھی مصاحب بنا لیتے ہیں؟"

کمال:۔ اگر بچوں میں کوئی کمال ہو تو وہ ضرور مصاحب بنائے جاتے ہیں۔

ہشام:۔ اچھا کہئے۔

کمال نے پھر بیان کرنا شروع کیا انہوں نے کہا "جب عماد الدین زنگی شاہ عراق و عرب و عجم کے مصاحب مقرر ہوئے اس وقت موصل کے امیر البورو سکی تھے۔ موصل میں حشاشین یعنی حسن بن صباح کے پیرو پہنچ گئے تھے اور انہوں نے سازشیں شروع کر دی تھیں۔ یہ فرقہ حنفیوں کا سخت ترین دشمن ہے۔ عماد الدین نے جب سنا انہوں نے بادشاہ محمود کو مشورہ دیا کہ موصل میں جاسوس مقرر کئے جائیں۔ اور اسماعیلیوں کو قتل کرا دیا جائے۔ مگر البورو سکی والی موصل نے کسی خاص فکر کا اظہار نہیں کیا تھا اس لئے بادشاہ محمود نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی' البتہ وہ یہ سمجھ گئے کہ عماد الدین نہایت ہوشیار اور ملکی انتظام ملکی سے خوب واقف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں بغداد اور عراق کا نائب شحنہ مقرر کر دیا۔ یہ عہدہ بڑی ذمہ داری کا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ سن رسیدہ اور تجربہ کار بڑے معتمد لوگ مقرر ہوا کرتے تھے' کمسن عماد الدین زنگی نے اس عہدہ پر فائز ہو کر بڑی ہوشیاری سے کام کیا۔ بادشاہ کے دل میں ان کی اور بھی عزت قائم ہو گئی۔

اتفاق ایسا ہوا کہ امیر موصل البورو سکی کو اسماعیلیوں نے قتل کر ڈالا۔ سلطان محمود نے ۱۱۲۷ء میں عماد الدین کو موصل کا امیر مقرر کر دیا اور ان کی روانگی کے انتظامات بھی کر دیئے۔ عماد الدین زنگی کے موصل آنے سے پہلے ان کی دلیری اور دانش مندی و جرات کی شہرت ان تک پہنچی تو

اسماعیلیوں نے لاپرواہی سے کہہ دیا کہ عماد الدین آتا ہے آنے دو' یہ چھوکرا ہمارا کیا کرے گا۔ انہوں نے یہ بات ٹھیک کہی تھی' بات یہ تھی کہ اسماعیلی حنفیوں میں کچھ اس طرح ملے جلے رہتے تھے کہ انہیں شناخت کرنا ناممکن تھا۔ کوئی یہ جانتا ہی نہ تھا کہ کون اسماعیلی ہو گیا ہے اس لئے وہ جس کی جان لینا طے کر لیتے تھے اسے قتل کر ڈالتے تھے۔ اور قاتلوں کا پتہ نہ چلتا تھا۔

عماد الدین زنگی نے موصل کی گورنری کا چارج لیتے ہی سب سے پہلے اسماعیلیوں کی تلاش شروع کی' نہایت ہی ہوشیار جاسوس مقرر کئے' چند ہی دنوں میں اسماعیلیوں کا سراغ مل گیا۔ عماد الدین نے چھاپے مار کر بہت سے اسماعیلیوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں سربازار پھانسی دینے کا حکم دے دیا۔ عماد الدین زنگی کی اس کارروائی سے اسماعیلیوں پر رعب و خوف چھا گیا۔ اور جو لوگ ان میں سے باقی رہ گئے تھے وہ موصل سے فرار ہو گئے۔

اس طرح آتے ہی انہوں نے موصل میں امن و امان قائم کر دیا' کچھ عرصہ بعد سلطان محمود فوت ہو گئے اور ان کے وارثوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی مگر زنوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ان میں سے کس کی اطاعت قبول کریں۔ اور کس کا ساتھ دیں' سب سے پہلے عماد الدین زنگی نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ وہ موصل کے امیر مقرر ہو کر آئے تھے اب یہاں کے بادشاہ ہو گئے۔

بادشاہ ہوتے ہی انہوں نے اپنی حکومت کو بڑھانا شروع کر دیا۔ حمص اور حلب کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس طرح عماد الدین زنگی اپنے بے نظیر جرات و ہمت پر دانش مندی و استقلال کی بدولت موصل کے بادشاہ ہو گئے۔ یہ ہیں عماد الدین زنگی کے حالات ....."۔

اتنا بیان کر کے وہ خاموش ہو گئے۔

.......☆☆☆.......

باب ۱۷

شاہی دربار

چونکہ عماد الدین زنگی کے حالات سننے میں زیادہ دیر ہو گئی، اس لئے سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔ ہشام بھی اپنے کمرے میں جا کر سو رہے، مگر رات کو انہیں عماد الدین کے کارنامے یاد آتے رہے، کئی مرتبہ ان کی آنکھ کھل گئی، ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ علم ان کے ہاتھ میں ہے اور ایک فوجی دستہ ان کے جلو میں ہے۔ اور وہ گھوڑا دوڑائے ایک قلعہ کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں، وہ قلعہ کے پھاٹک کے پاس پہنچے تو ان کی آنکھ کھل گئی، اس وقت صبح ہو چکی تھی اور فجر کی اذان ہو رہی تھی، وہ اٹھ بیٹھے اور ضروریات سے فراغت پا کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔

اس روز جمعرات تھی، انہوں نے کمال سے جا کر کہا "ابا جان! آج جمعرات ہے"۔

کمال:۔ ہاں بیٹا۔ آج دربار کا دن ہے تم درباری کپڑے پہن لو، ہم بھی پہن لیں۔

نجمہ بھی وہاں آ گئیں، انہوں نے کہا "ہشام کیلئے درباری لباس تیار کرا لیا گیا ہے، میں اپنے بیٹے کو خود وہ لباس پہناؤں گی"۔

وہ انہیں اپنے ساتھ لے گئیں، اور اس کمرے میں پہنچیں جہاں خود ان کے لباس حفاظت سے رکھے ہوئے تھے، اسی کمرہ میں وہ ہشام کے کپڑے بھی رکھا کرتیں، کئی کنیزیں بھی ان کی مدد کو آ گئیں، کنیزیں لباس نکالنے اور نجمہ پہنانے لگیں، تھوڑی دیر میں انہوں نے انہیں پورا لباس پہنا دیا۔ اور تمام ہتھیار بھی ان کے جسم پر سجا دیئے۔ ایک تو وہ خوبرو تھے ہی، درباری لباس نے انہیں اور بھی شاندار بنا دیا۔ نجمہ نے ان کی پیشانی چوم کر کہا "خدا نظر بد سے بچائے"۔

کمال بھی وہیں آ گئے، ہشام کو اس لباس میں دیکھ کر وہ بھی کچھ حیران رہ گئے انہوں نے نجمہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "ماشاء اللہ خوب سنوارا ہے تم نے اپنے بیٹے کو"۔

نجمہ نے شرمیلی نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور تمہارا کیا ہے؟"
کمال:۔ ہمارا بیٹا۔

ہشام نے جب تمام ہتھیار لگائے تب اول کمال اور پھر نجمہ کو سلام کیا۔ دونوں نے انہیں دعائیں دیں۔ اور کمال انہیں ساتھ لے کر محل سے باہر آئے' یہاں دو گھوڑے زین کسے ہوئے اور کئی سوار کھڑے تھے' یہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور سواروں کے ساتھ دربار کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں لوگوں نے تحسین آمیز نظروں سے ہشام کو دیکھا' وہ سر جھکا کر چلتے رہے' انہوں نے یہ دیکھا بھی نہیں کہ لوگ انہیں کیسی کیسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

جب درباری عمارت کے قریب پہنچے تو ہشام نے دیکھا نہایت عظیم الشان عمارت اس کے سامنے دور تک سپاہیوں کے پہرے صف باصف کھڑے ہیں۔ سپاہیوں کا لباس سفید ہے اور ہتھیار صاف اور سقیل شدہ ہیں۔ دربار میں داخل ہونے کے کئی راستے ہیں۔ ایک راستہ وزیروں اور امیروں کے لئے ہے دوسرا جاگیردار اور شہر کے معززین کے لئے' تیسرا عام لوگوں کیلئے اور چوتھا راستہ علمائے کرام کے لئے ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ ان راستوں سے بخوبی واقف ہیں' ہر طبقے والے اپنے راستہ سے چلے جاتے تھے' کمال اور ہشام دونوں گھوڑوں سے اترے' ان کے غلاموں نے ان کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں' وہ دونوں جاگیرداروں کے راستہ سے بڑھے اور درباری ہال میں داخل ہوئے۔

یہ کمرہ بہت وسیع تھا اس میں قالینوں کا فرش ہو رہا تھا' اور قالینوں پر قرینہ سے کرسیاں پڑی تھیں۔ ہر طبقہ کے لئے کرسیاں الگ تھیں' لوگ خاموشی سے آکر کرسیوں پر بیٹھتے جا رہے تھے' ہشام اور کمال بھی بیٹھ گئے۔

ہشام نے کبھی کوئی دربار نہیں دیکھا تھا وہ اس کمرہ کی آرائش و زیبائش اور درباریوں کی شان شوکت دیکھ کر حیران ہو رہے تھے' علمائے کرام سفید لباس پہنے اور سفید عمامے باندھے تخت کے قریب بیٹھے تھے تخت ایک چبوترے پر تھا' جس کے کنارے پر سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی تھیں' اس چبوترے پر بھی خوشنما قالینوں کا فرش تھا۔ تخت چاندی کا تھا کشتی نما۔ اس میں سونے کا گنگا جمنی کام تھا اور جواہرات سے میناکاری ہو رہی تھی' تخت جگمگا رہا تھا اس کے اندر نہایت پر تکلف مسند بچی تھی' تخت کے پیچھے پچاس ساٹھ خواجہ سرا سفید لباس پہنے اور رنگدار پٹکے باندھے مسلح کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر میں تمام کرسیاں آنے والوں سے بھر گئیں۔ اس وقت وہ دو چوبدار چاندی کے لمبے لمبے عصا ہاتھوں میں لئے صاف ستھرے کپڑے پہنے چبوترے پر نمودار ہوئے' انہوں نے بلند آواز سے کہا

"ہوشیار باش" امیر بن امیر اعلیٰ حضرت عماد الدین زنگی تشریف لا رہے ہیں"

اس آواز کو سنتے ہی سب لوگ اپنی اپنی جگہ سر جھکا کر کھڑے ہو گئے' اس وقت دو اور چوبدار آئے اور ان کے فوراً ہی بعد امیر موصل عماد الدین زنگی آئے وہ جوان العمر تھے ان کے چہرہ سے رعب و جلال ظاہر تھا۔ ان کی تیز سیاہ آنکھوں سے ذہانت ظاہر ہوتی تھی وہ بھی عربی لباس پہنے تھے اور اس لباس پر ایک رنگین چادر پڑی تھی جس پر کارچوبی کام ہو رہا تھا۔ جب انہوں نے تخت پر قدم رکھا تو علما نے کہا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یعنی شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

چوبداروں نے کڑک کر کہا اعلیحضرت تخت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آداب بجا لاؤ۔

سب سے پہلے علما نے کہا "اسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ یا امیر موصل ظل اللہ" یعنی اے امیر موصل ظل اللہ تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

ان کے بعد وزیروں نے۔ پھر امیروں نے۔ پھر جاگیرداروں نے اور سب کے بعد عوام نے اسی طرح عماد الدین زنگی کو سلام کیا۔ عماد الدین ہر گروہ کے سلام پر اسی طرح جواب دیتے تھے۔ اے گروہ علماء۔ اے گروہ وزراء تم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

جب سب لوگ سلام کر چکے تب عماد الدین بیٹھے۔ چوبداروں نے پکارا۔ خبردار ہو جاؤ کہ اعلیحضرت امیر ملت والی موصل نے تخت کو زینت بخشی۔

سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عماد الدین زنگی نے تمام ہال پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ یہ ان کا معمول تھا۔ سب لوگ سر جھکائے اور نظریں نیچی کئے خاموش بیٹھے تھے۔ ہشام نگاہیں چرا کر کبھی درباریوں کو اور کبھی عماد الدین زنگی کو دیکھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی نگاہیں عماد الدین زنگی سے چار ہو گئیں وہ ڈر گئے کیونکہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ بادشاہوں کے دربار میں بے باکی سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ انہوں نے نادم ہو کر جلدی سے نظریں جھکا لیں اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے انہوں نے کوئی جرم کیا ہو۔

تھوڑی ہی دیر میں چوبدار نے آکر ہشام سے کہا "صاحبزادے آپ کو اعلیحضرت نے یاد کیا

ہے"

ہشام گھبرا گئے۔ انہوں نے کمال کی طرف دیکھا۔ کمال نے ڈھارس بندھانے کے لئے کہا" خوف نہ کرو بیٹا" بادشاہ رعیت کا باپ ہوتا ہے۔ باپ بلا رہا ہے۔ جاؤ اور اپنے باپ کی تحریر ان کے سامنے پیش کر دو۔

ہشام اٹھ کر چوبدار کے ساتھ چلے۔ درباریوں نے انہیں دیکھا۔ سب کو تعجب ہوا کہ وہ کیسے جاگیرداروں کے زمرہ میں آ گئے۔ ہشام کو چوبدار نے تخت کے قریب اس جگہ لے جا کر کھڑا کر دیا جس جگہ مسائل یا عرض گزار کھڑے ہوا کرتے تھے۔

ہشام آئین درباری سے بالکل ہی واقف نہ تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر بڑے ادب سے، امیر کو سلام کیا۔ امیر نے سلام کا جواب دے کر پوچھا' تم کون ہو۔ کس لئے آئے ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟"

ہشام نے عرض کیا۔ ظل اللہ' میرا نام ہشام ہے میں ضیغم الدین کا بیٹا ہوں فریاد لیکر آیا ہوں۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی عبا کی جیب میں سے اپنے باپ کی تحریر نکال کر امیر کے سامنے پیش کی۔ چوبدر نے وہ تحریر ان سے لے کر امیر کے حضور میں گذاری۔ امیر نے وزیر اعظم کی طرف دیکھا۔ وزیر اعظم نے اس تحریر کو بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا۔

امیر ملت "اعلیحضرت ظل اللہ عماد الدین زندگی حامی دین متین اور مسلمانوں کے پشت پناہ! کی خدمت میں ضیغم الدین جاگیردار الفراما کی طرف سے'

اعلیٰ حضرت میں حدود مصر کا باشندہ اور الفراما کا رہنے والا ہوں اس نواح میں عیسائیوں نے جو مظالم اور سفاکیاں مسلمانوں پر کی ہیں وہ بیان نہیں کی جا سکتیں۔ یہ سمجھئے کہ نواح کے مسلمانوں کو کچل کر تباہ کر دیا گیا عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ بچوں کو ذبح کیا گیا' مردوں کا قتل عام کیا گیا' افسوس مسلمانوں کا خون بڑی بے رحمی سے بہایا گیا ہے اس وقت مسلمانوں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ معلوم ہوا ہے، بہت سی دختران سلام کو عیسائی پکڑ کر لے گئے ہیں اور وہ اثیرب کے مقام پر قید ہیں۔ انہیں عیسائی بنانے پر زور دیا جا رہا ہے۔

ظل اللہ میں خود حاضر ہو کر مسلمانوں کے قتل عام کی داستان عرض کرتا۔ مگر ظالموں نے مجھے اس قابل نہیں رکھا کہ حاضر حضور ہو کر عرض گذار ہوتا۔ اے امیر ملت' مسلمانوں کی امداد کے

لئے اٹھئے، بے گناہوں کا انتقام لیجئے، اسلام کا جھنڈا بلند کیجئے اور مسلمانوں کو سفاک عیسائیوں کے دست ظلم و جور سے بچائیے۔"

جوں جوں وزیر اعظم اس تحریر کو پڑھے جاتے تھے عماد الدین زنگی کا چہرہ جوش و غصہ سے سرخ ہوتا جاتا تھا۔ جب وزیر اعظم نے اس تحریر کو ختم کیا۔ تو عماد الدین زنگی نے تلوار میان سے کھینچ لی اور بے اختیار کھڑے ہو گئے انہوں نے تلوار کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا اور زور سے کہا" لبیک، لبیک "یعنی حاضر ہوں، حاضر ہوں"

ان کے اٹھتے ہی تمام درباری اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

باب ۱۸

ہشام کی جرات

عماد الدین زنگی نے کہا' کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مسلمان امیر اور فرمانروا آپس میں لڑ لڑ کر اپنی قوت کو کمزور کر رہے ہیں۔ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ وحشی اور درندہ صفت عیسائی مسلمانوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ کچل رہے ہیں' پیس رہے ہیں۔ اسلامی مملکت پر چھاپے مار رہے ہیں' ڈاکے ڈال رہے ہیں وہ اپنے کو صلیبی مجاہد کہتے ہیں۔ لیکن ان کے اطوار ڈاکوں سے مشابہ ہیں۔ انشاء اللہ میں ان سے مسلمانوں کا انتقام لوں گا۔ آج سے میری زندگی کا ماحصل جہاد ہو گا۔ میں عیسائیوں سے جہاد کروں گا اگر خدا نے چاہا تو عیسائیوں کو مجبور کر دوں گا کہ مسلمانوں پر یلغار نہ کریں' جن بے گناہوں کو انہوں نے قید کر رکھا ہے انہیں چھڑاؤں گا' اے خدا' اے رب قدیر' مجھے اس قدر قوت اور توفیق عطا فرما کہ میں تیرے معصوم بندوں کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کروں' تیرے اسلام کو سربلند کروں اور دشمنان اسلام کو زیر و زبر کر ڈالوں۔

یہ کہہ کر بیٹھ گئے' تمام درباری بھی بیٹھ گئے۔ عرب مورخوں نے اس زمانے کے حالات اس طرح بیان کئے ہیں کہ "اگرچہ صلیبی مجاہدین (عیسائی) یورپ سے فتح بیت المقدس کا بہانہ لے کر آئے تھے مگر ان کے دلوں میں مسلمانوں کی حکومتیں ہڑپ کرنے کا خیال تھا۔ ایشیا کی سرسبز و شاداب اراضی پر قبضہ کرنے کی تمنا تھی' مسلمانوں کی دولت لوٹنے کی خواہش تھی۔ اس لئے وہ خود نہ چین سے بیٹھتے تھے اور نہ مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ ہر وقت شمشیر بکف رہتے تھے جب اور جس طرف موقع دیکھتے تاخت و تاراج شروع کر دیتے۔ مسلمانوں کو ذبح کر ڈالتے۔ عورتوں کی بے حرمتی کرتے' دولت لوٹ لیتے انہوں نے رہزنی اور ڈاکہ زنی بھی شروع کر دی تھی' ان کے خوف سے راستے بند ہو گئے تھے تجارتی قافلے رک گئے تھے' جس سے تجارت بند ہو گئی تھی۔

وہ بدبخت سرسبز کھیتوں کو جلا دیتے تھے۔ کھیتوں کو پامال کر دیتے تھے' پیداوار جاتی رہی تھی'

ملک میں افلاس اور قحط کا دور دورہ رہنے لگا تھا' ان صلیبی مجاہدوں یعنی عیسائیوں کے صرف یہ کام رہ گئے تھے لوٹ مار کرنا۔ مسلمانوں کو ذبحہ کرنا۔ مسلم خواتین کی بے حرمتی کرنا' زراعت کو جلا ڈالنا اور اسلامی بستیوں کو تاراج اور تباہ کرنا۔

اس وقت مسلمان حکمرانوں کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے خلافت عباسیہ سے بغاوت کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لی تھیں اور یہ چھوٹے چھوٹے حکمران آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ایک امیر دوسرے امیر کو کھائے جاتا تھا' مسلمان تباہ ہو رہے تھے' انہیں پرواہ نہیں تھی ۔ اسلامی ممالک پر عیسائی قابض ہوتے چلے جا رہے تھے انہیں احساس نہیں تھا مسلمان مٹائے جا رہے تھے' انہیں درد نہیں تھا وہ آنکھیں بند کر کے آپس میں ہی لڑ رہے تھے اور ایسے بے حس ہو گئے تھے کہ ایک امیر دوسرے امیر کو زیر کرنے کے لئے عیسائی فرمانرواں سے مدد لیتا تھا۔ غرض مسلمانوں میں خانہ جنگی کا بازار گرم تھا۔ اگر خدا اس وقت عماد الدین زنگی کو کھڑا نہ کر دیتا تو ممالک شام' عراق' فلسطین' مصر اور طرابلس سب پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جاتا اور ان ممالک کے مسلمان تباہ اور برباد ہو کر رہ جاتے۔

عماد الدین نے تخت پر بیٹھ کر ہشام سے پوچھا "تمہارے باپ کہاں ہیں؟

ہشام نے عرض کیا "اعلیحضرت وہ غائب ہو گئے۔ میری داستان بڑی دردناک ہے' حکم ہو تو عرض کروں"

عماد الدین:۔ ہم سنیں گے۔ کہو۔

ہشام نے اپنی داستان شروع کی۔ انہوں نے وہ تمام حالات بیان کئے جو اپنے باپ سے سنے تھے۔ یعنی العفرا کی تاراجی اپنی والدہ خالدہ اور بہن سلطانہ کی گمشدگی' اپنے باپ کے کئی مرتبہ زخمی ہونے کے تمام واقعات بیان کئے' عماد الدین زنگی کے آنسو نکل آئے۔ انہوں نے کہا "افسوس ہماری زندگی میں اور مسلمانوں پر اتنے مظالم ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم خدا کو کیا منہ دکھائیں گے" ہشام تم بڑے مظلوم ہو۔ ہم دشمنان اسلام سے انشاء اللہ انتقام لیں گے۔ تم ہمارے دربار تک کس طرح پہنچے۔؟

ہشام نے اب اپنی مصیبت بھری داستان از اول تا آخر سنائی یعنی کس طرح انہوں نے سرد راتیں گذاریں۔ کس طرح سفر کیا اور کیسے کمال انہیں اپنے ساتھ لائے ان کی دردناک کہانی سن کر نہ صرف عماد الدین ہی رو پڑے بلکہ وزیر اعظم اور دوسرے لوگ بھی چشم پرنم ہو گئے۔ عماد الدین نے کہا۔

"خدا ہی نے تمہیں میرے دربار میں بھیجا ہے ہم کمال کے شکر گزار ہیں کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ لائے اور تمہیں ہمارے پاس پہنچا دیا۔ اچھا تم اپنی جگہ پر واپس جاؤ"

ہشام نے جھجکتے ہوئے کہا "میری ایک درخواست ہے ظل اللہ"

عماد الدین:۔ کہو "ہم انشاء اللہ پوری کریں گے"

ہشام:۔ پہلے یہ فرمایئے کہ امیر کا ارادہ اشرب پر لشکر کشی کرنے کا ہے؟

اسلام جمہوریت لے کر آیا تھا۔ لوگ خلیفہ وقت تک کو ٹوک دیتے تھے۔ لیکن جب سے شخصی حکومتیں قائم ہوئیں تو جمہوریت باقی نہ رہی۔ بادشاہوں کی حضور میں گفتگو کرنے کے طریقے اور ہو گئے۔ ہشام نے جس طرح گفتگو شروع کی۔ یعنی عماد الدین سے لشکر کشی کے متعلق سوال کیا یہ گستاخی میں داخل تھا۔ مگر ہشام کمسن تھے انہیں کسی بادشاہ کے دربار میں تو کیا کسی امیر کی محفل میں بھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ انہیں یہ بات معلوم نہیں تھی کہ بادشاہوں کے حضور میں گفتگو کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

درباریوں کو خوف ہوا کہ کہیں عماد الدین ہشام سے کچھ ناخوش نہ ہو جائیں لیکن انہوں نے کمسن اور مظلوم سائل کی اس بے باکانہ گفتگو کا مطلق بھی خیال نہ کیا۔

بلکہ مسکرا کر کہا "ہاں اگر خدا نے مدد کی تو ہمارا ارادہ اشرب پر لشکر کشی کرنے کا ہے"

ہشام:۔ تو میری یہ درخوات ہے کہ مجھے شریک لشکر ہونے کی اجازت دی جائے"

عماد الدین:۔ تمہیں۔ مگر تم تو بہت ہی کمسن ہو"

ہشام میں کمسن ضرور ہوں' اعلیحضرت' مگر میرے دل میں بڑے آدمیوں سے زیادہ جوش ہے"

عماد الدین:۔ اس بات کو ہم مانتے ہیں۔ مگر تمہاری عمر جنگ میں شریک ہونے کی نہیں ہے۔

ہشام:۔ لیکن ظل اللہ نے میری ہی عمر میں جہاد کیا تھا اور طبریہ کے مشہو قلعہ کے پھاٹک پر نیزہ جا گاڑا تھا۔

عماد الدین ہنس پڑے۔ انہوں نے کہا ہشام۔ اچھی دلیل پیش کی تم نے ہم تمہارے جوش تمہاری جرات اور تمہاری ہمت کی داد دیتے ہیں۔ اچھا تمہیں اجازت ہے کمسن مجاہد۔ تم ہمارے خاص رسالے میں درجہ سوئم کے افسر مقرر کیے جاتے ہو' ڈہائی سو سوار تمہاری ماتحتی میں رہیں گے"

ہشام کا چہرہ جوش مسرت سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے بڑے سلیقے سے عماد الدین کو سلام کیا

۔ عماد الدین نے خواجہ سرا کی طرف دیکھا۔ خواجہ سرا دوڑ کر ایک چاندی کی کشتی میں خلعت لایا۔ عماد الدین زنگی نے حکم دیا' مہتمم خلعت کو حکم دیا کہ دربار ختم ہونے سے پہلے اس خلعت کو اتنا چھوٹا کر دیں کہ ہشام کے بدن پر ٹھیک آئے"

خواجہ سرا خلعت لے گیا۔ چوبدار ہشام کو ہٹا لے گیا۔ اب عماد الدین زنگی نے تمام وزیروں اور درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا "تم نے ہشام کی دردناک داستان سن لی' عیسائیوں نے درندگی اور سفاکی انتہا کر دی' انہیں سبق دینا ضروری ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اشرب میں مسلم خواتین قید ہیں۔ دراصل اشرب پر عیسائیوں نے قبضہ کر کے مسلمانوں کا حلقوم پکڑ لیا ہے ان کے ہاتھوں سے اپنا حلق چھڑانا ضرور ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عیسائیوں نے اشرب میں بے شمار فوجیں جمع کر لی ہیں۔ اسے بہت زیادہ محفوظ اور مضبوط کر لیا ہے لیکن ہمیں ان کی جمعیت اور استحکام کا خیال نہیں کرنا چاہئے' ہم خدا کی مدد کے بھروسہ پر مسلمانوں کو درندوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے یورش کرنا چاہتے ہیں اب یہ بات خدا کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ہمیں فتح دے یا شکست دے۔ مگر مشورہ کرنا مناسب ہوتا ہے آپ لوگوں کا کیا مشورہ ہے"

بادشاہ نے اپنی رائے پہلے ہی ظاہر کر دی تھی اب کس کی مجال تھی کہ اس رائے کی مخالفت کرتا۔ اس کے علاوہ جو حالات ہشام نے بیان کئے تھے ان کا اثر ہر درباری پر اس قدر ہوا کہ ہر ایک نے وہی رائے قائم کر لی تھی جو بادشاہ نے قائم کی۔ چنانچہ سب نے ان کی رائے کی پر زور تائید کی اور یہ طے ہو گیا کہ اشرب پر لشکر کشی کی جائے۔ عماد الدین نے تیاری کا حکم دے دیا۔ اس روز دربار میں کوئی اور کارروائی نہیں کی گئی" دراصل مسلمانوں میں اس قدر جوش پیدا ہو گیا تھا کہ انہوں نے خود ہی اور تمام معاملات ملتوی کر دیئے۔

اس عرصے میں مہتمم خلعت حاضر ہوئے اور ہشام کے لئے خلعت لا کر پیش کیا۔ عماد الدین نے ہشام کو اپنے روبرو بلا کر خلعت انہیں عطا کی۔ انہوں نے تعظیم کے لئے خلعت اپنے سر پر رکھا اور امیر کو سلام کیا۔ عماد الدین نے ایک خواجہ سرا کو اشارہ کیا۔ اس نے ہشام کو وہ خلعت پہنا دیا۔ حقیقت میں وہ نہایت خوشنما فوجی وردی تھی' ہشام جامہ زیب تھے یہ وردی ان پر پھوٹ نکلی۔ انہوں نے پھر عماد الدین کو سلام کیا" انہوں نے کہا چھوٹے کمانڈار سلام۔"

ہشام اکڑتے ہوئے واپس لوٹے۔ عماد الدین نے کہا' کمسن مجاہد' مجاہدوں کی رفتار ایسی ہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد دربار برخاست ہو گیا۔ ہشام کمال کے ساتھ دربار سے باہر نکلے۔ رسالہ

ا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اشرب پر عیسائیوں کا قبضہ ہونے سے یہ صورت ہو گئی تھی جیسے عیسائیوں نے مسلمانوں کا گلا پکڑ لیا ہو (صادق)

خاص اس دروازہ پر آ کھڑا ہوا تھا جس سے ہشام نکلنے والے تھے۔ چنانچہ ان کے نکلتے ہی ان سواروں نے سلامی دی۔ وہ سلامی لینا جانتے تھے' انہوں نے سلامی لی' یہ ڈھائی سو سوار تھے انہوں نے ہشام کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور کمال کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ کمال اپنے سواروں کے ساتھ چلے۔

.........☆☆☆.........

باب ۱۹

مجاہدین کا کوچ

ہشام وہی وردی پہنے ہوئے مکان کے اندر داخل ہوئے رسالہ کو انہوں نے رخصت کر دیا۔ اول ان پر کنیزوں کی نگاہیں پڑیں وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ دوڑ کر ان کے پاس آئیں اور ان کے گرد چھا گئیں' ایک کنیز دوڑی دوڑی نجمہ کے پاس گئی اور ان سے کہا "ذرا چل کر صاحبزادہ کو دیکھنا۔"

نجمہ ہول سی گئی۔ اس خوف سے کہ کہیں انہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آگیا۔ انہوں نے پوچھا کیا ہوا۔؟

کنیز۔ فوجی وردی پہن کر آئے ہیں' شاید امیر نے خلعت عطا کیا ہے

نجمہ۔ توبہ میں تو ڈر گئی تھی۔ چلو دیکھوں۔ وہ لپک کر صحن میں آئیں' ہشام کنیزوں کے جھرمٹ میں آ رہے تھے۔ وردی جگمگا رہی تھی۔ ان کی صورت بھی چمک رہی تھی۔ نجمہ کو دیکھتے ہی انہوں نے تلوار میان سے کھینچ کر سلامی دی۔ نجمہ کو ان کی یہ ادا بڑی پسند آئی۔ انہوں نے دوڑ کر انہیں اپنے سینہ سے لگا لیا۔ کمال بھی آ گئے۔ انہوں نے کہا "نجمہ" تمہارے بیٹے کمانڈار ہو گئے ہیں رسالہ خاص کے افسر

نجمہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "یا اللہ تیرا شکر ہے"

انہوں نے اسی وقت کئی دینار (اسی وقت کی اشرفیاں) ان پر سے تصدق کیں اور سب یعنی ہشام۔ نجمہ۔ کمال اور کنیزیں کمرے میں پہنچے۔ بڑی بڑی چوکیوں پر غالیچوں کا فرش ہو رہا تھا۔ ان پر بیٹھ گئے۔ نجمہ نے کمال سے کہا۔ اب سناؤ کیا ہوا؟

کمال:۔ ہشام ہی سے پوچھو۔

نجمہ نے ہشام سے کہا۔ بیٹا تم ہی سناؤ

ہشام نے رک رک کر دربار کا تمام واقعہ سنایا۔ جب انہوں نے بیان کیا کہ عماد الدین انہیں

فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت ان کی کمسنی کی وجہ سے نہ دیتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ نے بھی میری ہی عمر میں فوج میں بھرتی ہو کر طبریہ کے قلعہ پر نیزہ گاڑا تھا۔ امیر اس بات سے خوش ہو گئے اور انہوں نے فوراً مجھے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت د دی۔ رسالہ خاص کے ڈہائی سو سواروں پر افسر مقرر کر دیا۔

نجمہ:۔ خدا کا شکر ہے۔ کمسنی میں تم نے بڑا عہدہ حاصل کر لیا ہے۔ اب عنقریب تمہیں جاگیر مل جائے گی۔

کمال:۔ ان کی بے باکانہ گفتگو سن کر ہمیں اور دوسرے درباریوں کو خوف ہو گیا تھا کہ کہیں امیر ناخوش نہ ہو جائیں۔ مگر وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اس بات پر ہمارا بھی شکریہ ادا کیا کہ ہم انہیں اپنے ساتھ لائے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہشام نے خلعت اتار۔ روز مرہ کے کپڑے پہنے نجمہ اور کمال نے ان کے افسر مقرر ہو جانے کی خوشی میں بے شمار مسکینوں اور فقیروں کو کھانا کھلایا اور بہت کچھ خیرات کی۔

عماد الدین زنگی نے تیاری کا حکم دے دیا تھا ہر جاگیردار۔ ہر افسر۔ ہر وزیر اور ہر سپاہی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ بھرتی کے دفتر کھول دئے گئے تھے۔ نوجوان بڑے جوش سے بھرتی ہوتے اور بڑے شوق سے فنون جنگ کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

اس زمانہ میں ہتھیاروں پر کوئی پابندی نہ تھی' ہر شخص جاہے جس قدر اور جس قسم کے چاہے ہتھیار رکھ سکتا تھا اور ہتھیاروں کو چلانا بھی سب جانتے تھے۔ اس لئے ضرورت کے وقت سب فوج میں بھرتی ہو سکتے تھے اور بہت تھوڑے عرصے میں قواعد اور جنگی تعلیم حاصل کر کے تجربہ کار سپاہی بن جاتے تھے۔

چنانچہ جو لوگ بھرتی ہوتے تھے وہ جلد سے جلد جنگی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت کرتے اس وقت موصل کی حکومت حرکت میں آگئی تھی۔ امیر موصل نے جنگ کا اعلان کر دیا تھا ہر محکمہ بڑی پھرتی سے کام کرنے لگا تھا۔ سرحدوں پر فوجیں زیادہ بھیج دی گئیں' قلعوں کی مرمت شروع ہو گئی تھی۔ آلات حرب بڑی تیزی سے بنائے جا رہے تھے۔ رسد فراہم کی جا رہی تھی باربرداری کے جانور مہیا کئے جا رہے تھے۔ طبیبوں اور جراحوں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ مشہور بیماریوں کے لئے دوائیں تیار کی جانے لگی تھیں اور زخموں پر لگانے کے لئے مرہم بنائے جانے لگے تھے۔

جو کچھ دربار میں ہشام نے بیان کیا تھا یعنی کس طرح عیسائیوں نے مسلمانوں کو تختہ مشق بنایا۔ مردوں اور بچوں کو ذبحہ کیا اور عورتوں کی بے حرمتی کی واقعات سن کر مسلمانوں میں عالم گیر جوش پیدا ہو گیا تھا اور مجاہدوں کے گروہ کے گروہ آ آکر بھرتی ہونے لگے تھے۔

لیکن نہ تو موصل کا علاقہ کچھ زیادہ وسیع تھا جس سے فوجیں زیادہ تعداد میں بھرتی ہو جاتیں۔ نہ موصل کے خزانے میں اس قدر دولت تھی جس سے بڑی جنگ کے اخراجات پورے ہو سکتے' لیکن عماد الدین زنگی نے لشکر اور سامان کی کمی کا کچھ خیال نہ کیا وہ عیسائیوں کے عظیم الشان لشکروں سے ٹکرانے کے لئے تیار ہو گئے۔

عماد الدین زنگی نے یہ کوشش کی کہ مسلمان امیروں میں اتحاد ہو جائے اور جس طرح عیسائی بادشاہ مسلمانوں کے مقابلہ میں متفق ہو جاتے ہیں اسی طرح تمام مسلمان حکمران عیسائیوں کا مقابلہ مل کر کریں اور عیسائیوں نے جو اسلامی ممالک فتح کے لئے ہیں اور جن مشہور قلعوں پر قبضہ کر لیا ہے ان سے چھین لیں۔ خصوصیت سے وہ بیت المقدس۔ انطاکیہ اعزار (اڈیسہ) اور اشرب کو عیسائیوں کے قبضہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر بد قسمتی سے مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکا اور عماد الدین زنگی کو خود ہی عیسائیوں کے مقابلہ میں تیار ہونا پڑا۔ ایک مشہور عیسائی مورخ مجاڈ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ

"بالڈون کے زمانہ میں یروشلم (بیت المقدس) کی حکومت بہت کچھ وسیع اور مضبوط ہو گئی تھی اور انطاکیہ اور اعزاز کی حکومتیں بھی بہت کچھ بڑھ گئی تھیں' عیسائی فتوحات کرتے چلے جا رہے تھے۔ خلیفہ مصر سے مکہ۔ صور اور طرابلس چھن چکے تھے' عیسائی صوبے بڑی سرسبزی اور طاقتور حالت میں تھے اور مسلمان آپس میں اور عیسائیوں سے لڑ لڑ کر کمزور ہو گئے تھے۔ عیسائی حکومتیں قوی ہوتی چلی جا رہی تھیں' یہ خیال ہو گیا تھا کہ عیسائی تمام مصر اور شام پر قابض ہو جائیں گے۔

لیکن اسی عرصہ میں اسی سرزمین میں مسلمانوں کی ایک نئی طاقت کی بنیاد پڑ چکی تھی......!

عماد الدین زنگی نے امیر موصل ہو کر حلب اور حمص کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا اور اتابکوں کے اس خاندان کی حکومت کو کھڑا کر لیا تھا جو ایک دن عیسائی کی قوت کو بہت کچھ توڑ ڈالنے والی تھی"

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "۔

اس وقت اسلامی حکومتوں کا ضعف حد سے گزر چکا تھا اور ان کے پھر سنبھالا لینے کی طرف

سے مایوسی تھی، عیسائیوں کی سلطنتیں بہت وسیع اور مضبوط ہو گئی تھیں۔ ان کی وسعت اور طاقت سے یہ کچھ بعید نہیں تھا کہ اگر چند روز ہی ان کی فتوحات اسی طرح جاری رہتیں تو وہ دور دور تک اسلامی ممالک پر تاخت و تاراج کر جاتے اور ان پر قابض ہو جاتے، عیسائیوں کے ہاتھ اس قدر مضبوط ہو گئے تھے کہ وہ اپنے آہنی چنگل سے اسلامی حکومتوں کو پھاڑ ڈالنے کے لئے تیار تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے وہ زمانہ نہایت ہی نازک تھا اس وقت ایک نامور شخص عماد الدین زنگی موصل کی حکومت پا کر اس سرزمین میں نمودار ہوا۔ اس نے عیسائیوں کے سیلاب کو روک دیا، اس وقت مسلمانوں کو ایک زنگی ہی کی ضرورت تھی اور مسلمانوں نے اس کے وجود کو خدا کی رحمت خیال کیا۔

عماد الدین زنگی نے ایک روز کوچ کا اعلان کر دیا۔ مجاہدین تیار ہو گئے، اس روز مسجدوں میں فتح کی دعائیں مانگی گئیں۔ تمام موصل میں رونق اور ہلچل پیدا ہو گئی۔ دوسرے روز سے لشکر کی روانگی شروع ہو گئی۔ فوجی دستے کوچ کرنے لگے۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جس روز عماد الدین کوچ کرنے والے تھے۔ چونکہ ان کے ساتھ ہشام بھی جانے والے تھے، وہ مسلح ہو کر نجمہ کے پاس گئے، نجمہ نے انہیں اپنی آغوش میں لیا۔ خوب پیار کیا، دعائیں دیں اور انہیں رخصت کیا، رخصت کرتے وقت اگرچہ ان کا دل بھر آیا۔ مگر وہ اپنے چہرہ کو بشاش بنائے رہیں، ہشام محل سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے، چھاؤنی پہنچے، وہاں سے رسالے کے ساتھ موصل سے باہر آئے، کمال کا رسالہ بھی امیر کے ساتھ ہی جانے والا تھا وہ بھی وہیں آ گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں عماد الدین زنگی بھی آ گئے۔ موصل کے تمام مرد انہیں رخصت کرنے کے لئے باہر نکل آئے تھے۔ جب لشکر نے کوچ کیا اور اسلامی علم لہراتے ہوئے بڑھے تو لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے نعرے لگائے۔ "اسلام زندہ باد" "مجاہدین اسلام زندہ باد" "عماد الدین زنگی زندہ باد" حامی اسلام زندہ باد۔ ان نعروں سے فلک گونج اٹھا۔

........☆☆☆........

باب ۲۰

قاصد

عماد الدین زنگی نے موصل سے روانہ ہو کر پہلی منزل پر ایک خرش سوار میدان میں قیام کیا۔ انہوں نے بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ بالڈون ثانی کے پاس قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ

قلعہ اشرب میں جو مسلمان مرد' بچے اور عورتیں قید ہیں انہیں فوراً رہا کر کے ہمارے پاس بھیج دیجئے اور چونکہ اشرب مسلمانوں کا ہے اس لئے بلا تاخیر اسے ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ یقین ہے کہ آپ جنگ پر صلح کو ترجیح دیں گے۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ میرے ساتھ لشکر کم ہے اور آپ زیادہ لشکر میدان جنگ میں لا سکتے ہیں۔ خدا کی قسم میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کو اسی طرح عزیز رکھتے ہیں جس طرح آپ اور آپ کی قوم زندگی کو عزیز رکھتے ہیں۔ میرے ساتھ وہ مجاہدین ہیں جنہیں شہادت کی تمنا ہے۔ عاقلوں کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

قاصد بڑے دلیر اور مرد مجاہد تھے وہ دو منزلہ اور سہ منزلہ کر کے بیت المقدس میں پہنچے اشرب کا قلعہ بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ بالڈون ثانی کے قبضہ میں تھا۔

قاصد کے بیت المقدس پہنچنے کی شہرت ہو گئی' عیسائیوں میں مشہور ہو گیا کہ ایک مسلمان فرمانروا کا قاصد آیا ہے' یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ قاصد کے آنے کی غرض و غایت کیا ہے' کس لئے آیا ہے۔ قاصد دلیرانہ وزیر اعظم سے ملے۔ وزیر اعظم نے چاہا کہ جو پیغام وہ لائے ہیں اس سے کہہ دیں وہ بادشاہ تک پہنچا دیں گے۔ قاصد نے کہا۔ امیر اسلام کا پیغام ہے۔ عیسائی بادشاہ کے سامنے بیان کیا جائے گا۔

وزیر اعظم کو ناگوار تو بہت ہوا لیکن وہ قاصد کے تیور دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ اس کے سامنے پیغام بیان نہ کریں گے یہ بھی اس نے قرینہ سے سمجھ لیا کہ پیغام اہم ہے اس لئے اس نے بالڈون ثانی سے اس کا تذکرہ کیا۔

بالڈون ثانی خاندانی بادشاہ نہیں تھا' اس کا باپ یورپ کی ایک چھوٹی ریاست ہیو کا نواب تھا' اس کا نام رسل تھا یعنی بالڈون کے باپ کا نام رسل تھا جو ایک بہت ہی چھوٹی ریاست ہیو کا نواب تھا۔

بالڈون ثانی کو بیت المقدس کی حکومت اس طرح ہاتھ آئی تھی کہ بالڈون اول جب فوت ہوا ہے تو اس کا کوئی ایسا وارث نہ تھا جو تخت نشین کیا جاتا بالڈون ثانی اس کا دور کا رشتہ دار تھا بعض عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ بالڈون ثانی بالڈون اول کا چچیرا بھائی تھا لیکن وہی مورخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالڈون ثانی کا باپ ریاست ہیو کا نواب تھا اور اس کا نام رسل تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر وہ بالڈون اول کا چچیرا بھائی کیسے ہو گیا لیکن عیسائی مورخوں کا یہ کمال ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر دیتے ہیں۔

بالڈون ثانی نہایت تلوں مزاج' بد عہد اور مکار تھا بزدل اور کم حوصلہ بھی تھا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا تھا۔

ہوا یہ کہ بالڈون ثانی نے بیت المقدس میں تخت نشین ہو کر اپنے ملک کو وسعت دینی شروع کی۔ اس نے حلب کے علاقہ پر تاخت کی' اس وقت حلب کے امیر بلک تھے۔ یہ واقعہ ۱۱۲۳ء کا ہے امیر حلب کو اس کی یہ جسارت سخت ناگوار گذری' انہوں نے بالڈون ثانی کو تنبیہہ کی کہ وہ ان کے علاقے پر چھاپے نہ مارے لیکن اس کے دماغ میں ملک گیری ہوس بھری ہوئی تھی اس کے علاوہ اسے اپنی بڑھی ہوئی قوت پر بھی ناز تھا اس لئے اس نے بلک کی تنبیہہ کی کوئی پرواہ نہیں کی اور برابر ڈاکے زنی اور لوٹ مار میں مشغول رہا۔

یہ کیفیت دیکھ کر بلک کر غصہ آگیا۔ کچھ لشکر لے کر روانہ ہوئے' چار سو سوار ان کے ہمراہ تھے انہوں نے اڈیسہ (اعزاز) کا محاصرہ کر لیا ثانی نے اس کے بچانے کے لئے ایک مشہور سپہ سالار جو سلن کو چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ بلک کو اس کے آنے کی اطلاع ہو گئی وہ اعزاز سے پیچھے ہٹ آئے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گیا چونکہ مسلمان بہت ہی کم تھے اس لئے عیسائیوں کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

مسلمان بالکل نہیں گھبرائے وہ اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ لڑائی شروع ہو گئی نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ اس روز گھٹائیں امڈی چلی آ رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ دونوں فریق بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے عیسائی اس خیال سے کہ تھوڑے سے مسلمان ہیں جلدی سے کاٹ چھانٹ ڈالیں' بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ مسلمان یہ سمجھ کر

کہ جہاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔ اور جہاد میں شہید ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ ہے نہایت استقلال اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ تلواریں زور شور سے چل رہی تھیں۔ سر اولوں کی طرح برس رہے تھے خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ اتفاق سے اس وقت بارش ہونے لگی۔ پانی خون کے ساتھ مل کر بہنے لگا تمام میدان میں خون ہی خون ہو گیا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کو گھاس پھونس کی طرح کاٹ ڈالا۔ بے شمار عیسائی مارے گئے جو بچے وہ بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے بھاگنے والوں کو قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جو سلن بھی گرفتار ہو گیا۔

جب بالڈون ثانی کو یہ اطلاع ملی تو وہ زبردست فوج لے کر ۔علک کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ ۔علک کو بھی اس کے آنے کی اطلاع ہو گئی وہ خود اس کی طرف بڑھے۔ ۱۸ اپریل ۱۱۲۳ء کو قرقر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گیا۔ بالڈون نے اس روز حملہ نہیں کیا۔ وہ رات کو شبخون مارنے کے لئے بڑھا' اتفاق سے ۔علک کو اطلاع ہو گئی وہ ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے اپنا لشکر کمین گاہ میں چھپا دیا۔

بالڈون ثانی نے اسلامی کیمپ پر حملہ کیا مسلمانوں نے کمینگاہ سے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ بے شمار عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا۔ عیسائی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے' بالڈون ثانی بھی گرفتار ہو گیا۔

۱۱۲۴ء میں ۔علک نے وفات پائی اور ان کی جگہ حسن الدین ابن الغازی امیر حلب مقرر ہوئے۔ بالڈون ثانی نے ان سے رحم کی درخوات کی' حسن الدین نے اشرب کو واگزار کرنا اور کچھ علاقہ اور چوبیس ہزار دینار کے ادائیگی کے وعدہ پر یہ اقرار کرانے کے بعد کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر تاخت نہ کرے گا۔ اسے رہا کر دیا اس نے بیت المقدس میں جاتے ہی تمام عہد و قرار توڑ ڈالے اور الٹا یہ کیا کہ حلب پر لشکر کشی کی مگر اسے وہاں بھی شکست ہوئی۔

غرض وہ کچھ اچھا آدمی نہ تھا۔ مسلمانوں سے اسے قلبی عداوت تھی' جب وزیر اعظم نے اسے اسلامی قاصد کے آنے کا ذکر کیا تو اس نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا اپنی بہترین فوج دربار کے باہر صف در صف کھڑی کر دی اور قاصد کو طلب کیا۔ اس کارروائی سے اس کا منشا یہ تھا کہ اسلامی قاصد کو اپنی شان و شوکت اور زور و قوت دکھا کر مرعوب کر دے۔

قاصد آئے۔ انہوں نے سرسری نظروں سے فوج کو دیکھا اور دربار میں داخل ہو کر اچٹتی ہوئی نگاہ دربار پر ڈالی ان کے تیور کہہ رہے تھے کہ ان کے دل پر نہ فوج کا کوئی اثر ہوا ہے نہ دربار کی شان و شوکت کا۔ وہ بادشاہ کے سامنے پہنچے اور بلند آواز سے کہا۔

اے بادشاہ جو ہمارے بھائیوں میں قید رہ چکا ہے ہمارے امیر موصل نے پیغام بھیجا ہے کہ اشرب میں جس قدر مسلمان قیدی ہیں انہیں رہا کر دو اور اشرب ہمارے حوالے کر دو۔ اگر عقل مندر ہو تو اس پیغام پر عمل کرو۔ ورنہ ہمارے امیر ایسے لوگوں کو لے کر آئیں ہیں جو موت کو عزیز رکھتے ہیں' جہاد کو سب سے بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور شہادت ان کی عین تمنا ہے۔

بالڈون ثانی کو یہ پیغام سن کر بہت غصہ آیا۔ اس نے کڑک کر کہا "اے گستاخ شخص اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کرا دیتا"

قاصد نے کہا "تم مجھے قتل کرا کر دنیا کے کسی گوشے میں پناہ نہیں پا سکتے کوئی قلعہ تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا۔ کوئی فوج تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی۔ کیا تم بھول گئے اس بات کو کہ ہرقل اعظم کے گورنر شرحبیل نے اسلامی قاصد کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں ہرقل اعظم کی حکومت ختم ہو گئی تھی وہ ذلیل و خوار ہو کر انطاکیہ سے بھاگا تھا"

بالڈون ثانی:۔ کیا تجھے اپنی جان عزیز نہیں ہے؟

قاصد:۔ مسلمانوں کو شہادت عزیز ہوتی ہے۔

بالڈون:۔ کیا تو نے وہ لشکر نہیں دیکھا جو دربار کے باہر مسلح کھڑا ہے

قاصد:۔ دیکھا ہے مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں سے ایک سپاہی بھی بہادر نہیں ہے جس وقت اسلامی مجاہدوں کو دیکھیں گے تو گیدڑ کی طرح بھاگ جائیں گے۔

بالڈون:۔ تو نے بہت سخت بات کہی۔ بہت جلد تجھے اور تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ گیدڑ ہم ہیں یا تم ہو۔ جاؤ امیر موصل سے کہہ دو کہ شیروں کے منہ میں نہ آئے ورنہ موصل کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور وہ قیدی جو اشرب میں ہیں ہمارے رحم و کرم کی وجہ سے ابھی تک بچے ہوئے تھے۔ اب وہ سب قتل کر دئے جائیں گے۔

قاصد: کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے قتل ہونے سے پہلے تمہارے قتل کا نمبر نہ آجائے گا' سنو اگر تم نے کسی ایک مسلمان قیدی کو بھی قتل کیا تو ایک قیدی کے بدلہ میں ایک ایک ہزار عیسائیوں کو قتل کیا جائے گا۔ عماد الدین زنگی کی تلوار بے پناہ ہے۔

بالڈون: میں تیرے پیچھے ہی لشکر لے کر آ رہا ہوں۔ تجھے امتحان ہو جائے گا کہ کس کی تلوار بے پناہ ہے۔

قاصد: لیکن اچھا ہوتا کہ تم امیر موصل کا پیغام منظور کر لیتے۔

بالڈون ثانی: جواب دیا جا چکا

ص[1] اس مشہور جنگ کے تفصیلی حالات کے لئے ناول " خوفناک جنگ " میں ملاحظہ فرمائیے

قاصد: تم سے اسی جواب کی امید تھی۔ امیر موصل نے اتمام حجت کر لی۔ اب دیکھنا پروردگار غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

قاصد: دربار سے نکل آئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر موصل کی طرف روانہ ہوئے۔

.........☆☆☆.........

باب ۲۱

عیسائیوں کا جوش و خروش

قاصد کے چلے جانے کے بعد بہت دیر تک بالڈون ثانی بڑبڑاتا رہا۔ اسے قاصد پر بڑا غصہ تھا۔ قاصد نے کھری کھری باتیں سر دربار کہی تھیں۔ ذرا نہیں مرغوب ہوا تھا نہ دبا تھا۔ اس نے وزیر اعظم سے کہا " قاصد بڑا گستاخ تھا۔ وزیر اعظم نے کہا " مسلمان ہمارے ہی گستاخ ہوتے ہیں، غیر مہذب، وحشی اور جاہل موقع اور محل کو نہیں سمجھتے۔ یہ باتیں نہیں جانتے کہ کس سے گفتگو کر رہے ہیں، کس طریقہ سے گفتگو کرنی چاہیے۔

بالڈون ثانی: اگر قاصد کو قتل کر جائے۔

وزیر اعظم: کچھ نامناسب نہیں ہے۔ اس نے بہت سخت اور ناقابل برداشت باتیں کہی ہیں وہ ضرور قابل گردن زدنی ہے۔

بالڈون: مگر جب وہ یہاں تھا تم نے اس وقت یہ مشورہ کیوں نہیں دیا تھا۔

وزیر اعظم: بادشاہ نے مجھ سے مشورہ ہی نہیں لیا

بالڈون: لیکن خیر اسے جانے دو۔ وہ اپنے آقا کو ہمارا پیغام پہنچا دے گا۔ ہم اسے بھی سزا دیں گے اور اس کے آقا کو بھی۔ معلوم نہیں یہ عماد الدین زنگی کون شخص ہے۔

وزیر اعظم: معلوم ہوا ہے کسی غلام کا بیٹا ہے اس کے باپ کا نام اقسنقر تھا وہ سلجوقی بادشاہ ملک شاہ کا غلام تھا۔

بالڈون ثانی: اچھا غلام زادہ ہمارے منہ آتا ہے، اسے ایسی سخت سزا دی جائے گی، جس سے دوسروں کو عبرت ہو جائے اچھا جنگی کونسل کا اجلاس شروع ہو۔

وزیر اعظم نے ان غلاموں سے جو اس کے قریب کھڑے تھے کہا " اعلان کرو جنگی کونسل کا

اجلاس شروع ہو رہا ہے۔

غلاموں نے بلند آواز سے کہا "جنگی کونسل کا اجلاس ہو رہا ہے اس کونسل کے ممبر آگے بڑھ آئیں۔

اس کونسل کے ممبر یا تو جاگیردار تھے یا کسی قلعہ کے قلعہ دار تھے یا بالڈون کے رشتہ دار تھے ۔ بالڈون ثانی کے رشتہ داروں میں ایک شخص فلک نامی بھی تھا جو یورپ کی ایک چھوٹی سے ریاست انجو کا نواب تھا۔

بالڈون ثانی نے ۱۱۲۹ء میں فلک کو یورپ سے بلایا جب وہ آگیا تو بالڈون نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی مسلینڈ کی شادی کر دی اور عکہ اور صور کے قلعے بیٹی کو جہیز میں دیکر فلک کو ان دونوں قلعوں کا حکمراں بنا دیا' فلک بھی کچھ اچھی طبیعت کا آدمی نہ تھا غلاموں کے پکارنے پر جنگی کونسل کے ممبران اپنی کرسیوں پر جا بیٹھے ۔ بالڈون ثانی نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔

آپ نے قاصد کی گستاخانہ باتیں سنی ہیں ۔ وہ ایک غلام زادہ عماد الدین زنگی کا سفیر تھا بڑے حیرت کی بات یہ ہے کہ غلاموں کا بھی یہ حوصلہ ہو گیا کہ وہ صلیبی مجاہدوں کو دھمکیاں دینے لگے ۔ اس وقت مسلمانوں کی دو حکومتیں بڑی ہیں ۔ ایک بغداد میں جہاں عباسی خلیفہ حکومت کرتے ہیں اور دوسری مصر میں جہاں علوی خلیفہ حکمراں ہے۔ ان دونوں حکومتوں میں اس قدر قوت نہیں کہ وہ بیت المقدس کے فرمانروا کے سامنے چوں بھی کر سکیں وہ اسی بات کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے علاقوں پر تاخت نہ کریں مگر عماد الدین زنگی کو یہ جرات ہو گئی کہ اس نے ہمیں دھمکی دی ہے۔ مشورہ دو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

قبل اس کے کہ کوئی اور شخص کچھ کہا ۔ پادریوں کی جماعت کو حرکت ہوئی پادریوں کی پلٹن لمبے لمبے ٹخنوں تک جبے پہنے' اونچی اونچی اونی ٹوپیاں اوڑھے' تسمہ دار جوتے پاؤں میں ڈالے' کمر میں ریشم کی لمبی ڈوریاں سی باندھے' سرخ صلیبیں سینوں پر لٹکائے بیٹھے تھے ان سب کی داڑھیاں لمبی تھیں کمر پر ڈوریوں میں لمبی لمبی تسبیحیں بھی اڑسی ہوئی تھیں' ایک بوڑھے پادری نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا سب لوگ نگاہیں لمبی کر کر کے اس کی طرف دیکھنے لگے اس نے کہا۔

عیسائی مجاہدو! مقدس یروشلم پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ خدا کے بیٹے کے اس متبرک گھر کو جو عیسائیوں کا قبلہ ہے نجس کر ڈالا ہے عرصہ دراز کے بعد دیندار عیسائیوں کو اس بات کا خیال ہوا اور یورپ سے مسیحی مجاہدوں کی کمپیں آنی شروع ہوئیں' مسلمانوں نے ان سرفروش مجاہدوں

کا مقابلہ کیا۔ بڑی بڑی خونریزیاں ہوئیں۔ لاکھوں مسیحی شہید ہوئے آخر خدا نے اپنے بیٹے کی جائے ولادت اور عیسائیوں کا قبلہ مسلمانوں سے چھین کر دیندار وں کو دلایا۔

بیدین مسلمان پھر اس مقدس سرزمین پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک وہ لوگ تھے جنھوں نے اس پاک مقام کو بے دینوں سے چھین کر پاک کیا۔ ایک تم لوگ ہو کہ اس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے تمہارا فرض ہے کہ جو لوگ اس مقدس علاقہ کی طرف دیکھیں ان کی آنکھیں نکال ڈالو اس جدوجہد میں جو لوگ شہید ہوں گے انہیں خدا کا بیٹا اپنے باپ کی جنت میں لے جائے گا۔

پادری بیٹھ گیا۔ اس کی تقریر کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔ بالڈون ثانی نے کہا "مقدس باپ نے مختصر تقریر میں سب کچھ بتا دیا ہے ہمیں ہمارے فرائض بھی یاد دلا دئے ہیں اب اس بات پر بحث کرنا کسی طرح مناسب ہی نہیں ہے کہ جنگ کی جائے یا نہیں۔ عماد الدین زنگی کی سرکوبی ضروری ہو گی اور ان قیدیوں کا قتل بھی لازم ہو گیا ہے جو اشرب میں قید ہیں ان میں کچھ عورتیں بھی ہیں اگر وہ عورتیں دین نصرانی اختیار نہ کریں تو ان کی صورتیں بگاڑ دی جائیں اب طے یہ کرو کہ اس مہم پر نامزد کسے کیا جائے"

فلک نے کہا "عماد الدین زنگی کوئی بڑا فرمانروا اور مشہور آدمی نہیں ہے اس کے مقابلہ میں معمولی درجے کے افسروں کو تیسرے درجے کی سپاہ کے ساتھ بھیجا جائے وہ اس کی گوشمالی کر آئیں گے"۔

وزیر جنگ نے کہا۔ آپ نے بالکل میرے دل کی بات کہی ہے۔ ہمیں فوج تو زیادہ بھیجنی چاہئے لیکن اعلیٰ افسروں کو اس فوج کے ساتھ نہیں بھیجنا چاہئے۔ وہ ایک ناچیز غلام یا غلام زادہ ہے اس کے مقابلہ میں اس کے رتبے کے لوگ بھیجے جائیں۔"

بہت سے اور لوگوں نے بھی فلک اور وزیر جنگ کی تائید کی۔ لیکن سپہ سالار اعظم خاموش رہا وزیر جنگ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "تم نے کوئی رائے نہیں دی۔"

وہ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کونسل کو عماد الدین زنگی کے حالات معلوم نہیں ہیں جس شخص کو کمزور اور ادنیٰ درجہ کا" سمجھا جا رہا ہے وہ نہایت بہادر اور بڑا جنگجو ہے یہ وہ شخص ہے جس نے دس سال کی عمر میں طبریہ کے مشہور قلعہ کے پھاٹک پر اپنا نیزہ جا گاڑا تھا۔ اسے ناچیز نہیں سمجھنا چاہئے اگر اس کا مقابلہ پورے طور پر نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں معاملہ برعکس نہ پڑ جائے"

ایک اور افسر نے کہا "یہی بات میں بھی کہنے والا تھا۔ میں نے عماد الدین زنگی کے کارنامے سنے ہیں وہ بڑا دلیر اور مستقل مزاج شخص ہے اس کے مقابلہ میں بادشاہ کو خود جانا چاہئے۔

ایک اور تجربہ کار فوجی افسر کھڑا ہوا اس نے کہا۔

عماد الدین زنگی نے اشرب کو طلب کیا ہے' اشرب ایسا قلعہ ہے کہ اگر وہ ہمارے قبضہ میں رہے تو ہم مسلمانوں کا گلا دبائے رہیں گے اور اگر وہ مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے تو مسلمان ہمارا گلا دبا دیں گے۔ زنگی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ بڑا بہادر ہے اس کا مقابلہ پوری قوت سے ہونا چاہئے ابھی اس کی طاقت زیادہ نہیں بڑھی ہے شروع ہی میں اس کا سر کچلا جا سکتا ہے اور اگر اس نے پورا زور حاصل کر لیا تو یقیناً وہ ہمارا سر کچل ڈالے گا۔

دوسرے ممبروں نے بھی یہی رائے دی کہ اس مہم پر بادشاہ خود چلیں چنانچہ مجبور ہو کر بالڈون ثانی کو اعلان کرنا پڑا کہ اس مہم پر وہ خود روانہ ہو گا اس سے عیسائیوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ چھوٹے بڑے تمام افسروں اور سپاہیوں میں جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا۔

بالڈون ثانی نے حکم دیا "تمام لشکر تیار ہو جائے پوری قوت سے زنگی پر ضرب لگائی جائے گی"

کونسل برخاست ہو گئی۔ بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں ہونے لگیں' دراصل عیسائی لوٹ مار کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انہیں تیاری میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا۔ بالڈون ثانی عظیم الشان لشکر لے کر اشرب کی طرف روانہ ہوا۔

........☆☆☆........

ے از تاریخ آرچ

باب ۲۲

ہشام کا مشورہ

عماد الدین زنگی منزل بہ منزل اشرب کی طرف بڑھ رہے تھے ان کی یورش کی خبر عیسائی اور اسلامی ملکوں میں برقی پر لگا کر پھیل گئی تھی۔ عیسائی جو مسلمانوں پر چھاپے مارتے رہتے اب وہ محتاط ہو گئے تھے اور مسلمان زنگی کی فتحیابی کے دعا مانگنے لگے تھے اور بیچارے کر بھی کیا سکتے تھے۔ اس وقت کے مسلمان کچھ ایسے پست ہمت بزدل اور کمزور طبیعت کے ہو گئے تھے کہ ان میں کوئی امنگ ہی پیدا نہ ہوئی تھی عیسائیوں سے ڈرتے تھے وہ قوم جس سے دنیا ڈرتی تھی اور جس کی ہیبت دنیا کے بہادروں پر چھائی ہوئی تھی وہ اپنے دشمنوں سے ڈرنے لگے تھے اور ان سے اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ عیسائیوں کی صورتیں دیکھتے ہی دہل جاتے تھے۔

ان کی یہ قلب ماہیت اس لئے ہو گئی تھی کہ وہ خدا کو بھول گئے تھے نماز نہ پڑھتے تھے روزے نہ رکھتے تھے' خدا کا خوف دلوں میں نہیں رہا تھا۔ موت کا اور دشمنوں کا خوف پیدا ہو گیا تھا صرف نام کے مسلمان رہ گئے تھے' خدا نے بھی ان کی طرف سے نگاہ کرم پھیر لی تھی اور وہ ذلیل و حقیر ہو کر رہ گئے تھے۔

خدا نے تو صاف فرما دیا ہے کہ "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" جب مسلمانوں نے نافرمانی کی خدا کو یاد کرنا چھوڑ دیا' اس کے ذکر سے غافل ہو گئے تب ان پر مصیبتوں اور بلاؤں کا ہجوم ہوا۔ اس پر ایسی قومیں مسلط کر دی گئیں جنہوں نے بے رحمی کے ساتھ انہیں قتل کیا۔

ایسا اس لئے ہوتا رہا کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان اس کی طرف سے غافل ہو کر دوزخ میں جائیں۔ مسلمان اس کے پیارے حبیب پیغمبر آخر الزمان' فخر دو عالم حضرت محمد صلعم کے امتی ہیں وہ انہیں دنیا بھر میں بھی سرخرو اور باعزت رکھنا چاہتا ہے اور آخرت میں بھی سرخرو بنانا اور جنت میں داخل کرنا چاہتا ہے وہ مسلمانوں کو غفلت سے بیدار کرنے کے لئے انہیں آزمائش میں مبتلا

کر دیتا ہے دیکھنے میں آیا ہے اور تاریخیں اس کی شاہد ہیں کہ جب مسلمانوں پر آفتوں اور مصیبتوں کا نزول ہوا وہ خدا کے سامنے جھک گئے اس سے عاجزی کی گڑگڑائے اپنی خطاؤں کی معافی چاہی، خدا ان پر مہربان ہو گیا اور ہر زمانہ میں کسی نہ کسی ایسے مجاہد کو پیدا کر دیا جس نے مسلمانوں کی کشتی کو خطرناک بھنور سے نکال کر ساحل پر لگا دیا۔ چنانچہ اس زمانے کے مسلمان بھی خدا کو یاد کرنے لگے۔ انہوں نے بھی اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی چاہی مسجدیں نمازیوں سے بھر گئیں پانچوں وقتوں کی نماز تو سب پڑھنے لگے۔ لیکن بہت سے تہجد گزار بھی ہو گئے۔

خدا کی طرف جھکتے ہی ان کی تسکین ہو گئی۔ نماز نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ قرآن شریف کی تلاوت نے ان میں جوش بھر دیا خوف و ہراس دور ہو گئے اور ان کی نگاہیں زنگی کی طرف لگ گئیں۔

زنگی اشرب کی طرف بڑھ رہے تھے ایک روز تقریباً دو سو مسلمان جہاد کا شوق دلوں میں لے کر ان کے لشکر میں آئے ان کے آنے سے زنگی کو اس لئے خوشی ہوئی کہ مسلمان میں جہاد کا جذبہ

پیدا ہو گیا ہے انہوں نے انہیں اپنے سامنے بلایا اور ان سے پوچھا۔

تم کس لئے آئے ہو۔

ان کے افسر نے جواب دیا ہم جہاد کرنے آئے ہیں۔

عماد الدین: خدا کا شکر ہے کہ تمہارے دلوں میں جہاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ ہمیں افسوس ہے کہ مسلمان، مسلمان نہ رہے۔ خدا سے دور خدا کی تعلیم سے الگ ہو گئے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ آپس میں مت لڑو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی آج ہم آپس میں لڑ رہے ہیں۔ خدا کی نافرمانی کر رہے ہیں نتیجہ سامنے ہے مسلمانوں کی ہوا اکھڑ چکی ہے اگر ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو پھر ہماری ہوا بندھ جائے۔ تم کہاں سے آ رہے ہو؟

مرد مجاہد: ہم بیت المقدس کی سرحد کے قریب سے آئے ہیں۔

عماد الدین: کچھ معلوم ہے عیسائیوں کا کیا ارادہ ہے۔

مرد مجاہد: بالڈون زبردست لشکر لے کر اشرب کو بچانے کے لئے چل پڑا ہے جب ہم نے اس کے ٹڈی دل لشکر کو دیکھا تو ہمیں غیرت آئی اور ہم سب آپ کی مدد کے لئے چل پڑے۔

عماد الدین: تم نے خوب کیا۔ تمہیں بالڈون کے لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔

مرد مجاہد: میں نے اس لشکر کو کمینگاہ میں چھپ کر دیکھا ہے۔ میرے خیال میں تیس ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

عماد الدین زنگی کے ساتھ مشکل سے دس ہزار سپاہ تھی۔ انہوں نے کہا دشمن کچھ زیادہ نہیں ہے اگر خدا نے ہماری مدد کی تو ہم انشاء اللہ اس لشکر کو تہہ وبالا کر دیں گے اس کی فوج کے سازو سامان کی کیا کیفیت تھی؟

مرد مجاہد: اس کے زیادہ تر سوار بکتر بند ہیں اس کے سپاہ کے پاس ہتھیار پورے تھے مجلا اور مصفا ہیں دھوپ میں چمچما رہے تھے۔

عماد الدین: کیا اس کے ساتھ منجنیقیں بھی ہیں؟

منجنیقیں ایک قسم کی لکڑی کی کلیں ہوتی ہیں وہ بہت لمبی چوڑی اور دو منزلی ہوتی ہیں ان کے ذریعہ سے وزنی پتھر پھینکے جاتے تھے اور انہیں آگے بڑھا کر ان کے سایہ میں فوجی دستے بڑھ کر قلعہ تک پہنچ جاتے تھے بعض منجنیقیں اتنی بھاری، اتنی لمبی چوڑی اور اتنی اونچی ہوتی تھیں کہ پانچ پانچ سو سپاہی انہیں پیچھے کی طرف دھکیلتے تھے اور دو دو سو آدمی اس کے اندر بیٹھ جاتے تھے دور سے دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چوبی قلعے آ رہے ہیں۔ منجنیقیں پہیوں پر چلتی تھیں۔

مرد مجاہد: جی ہاں چند منجنیقیں بھی ہیں۔

عماد الدین: تمہیں یا تمہارے ساتھیوں میں سے کسی کو ہتھیاروں کی ضرورت تو نہیں ہے؟

مرد مجاہد: ضرورت تو ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو پورے کر لیں گے۔

عماد الدین: کس طرح پورے کر لو گے۔

مرد مجاہد: جس روز دشمنوں سے مقابلہ ہو گیا اسی روز ان سے چھین کر پورے کر لیں گے۔

عماد الدین: ہر مسلمان کا یہی اعتماد ہونا چاہیے

زنگی نے اسی وقت احکام جاری کر دیئے کہ نئے آنے والے مجاہدین کو خیمے دیئے جائیں اور وہی رسد دی جایا کرے جو سب سپاہیوں کو ملتی ہے۔

اسی روز رات کو عماد الدین زنگی نے تمام چھوٹے بڑے افسروں کو جمع کر کے مجلس شوری منعقد کی انہوں نے کہا۔

"دلیران اسلام" آج جو مسلمان مجاہدین آئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ بالڈون ثانی

تیس ہزار سپاہ لے کر اشرب کو بچانے کے لئے آ رہا ہے تمہیں معلوم ہے کہ اشرب میں بھی عیسائی لشکر موجود ہے اس کی تعداد بھی پندرہ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے اگر یہ دونوں لشکر مل گئے تو زیادہ مشکل کا سامنا ہو گا اس لئے یہ مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے چھوٹے کماندار (ہشام) مشورہ دیں۔

ہشام نے کھڑے ہو کر عرض کیا "اعلیٰ حضرت ابھی میری سمجھ اس قدر کہاں ہے کہ میں ایسے اہم معاملات میں مشورہ دے سکوں"

عماد الدین: ہم اس ہم اس عمر میں مشورہ دیا کرتے تھے تم سوچنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم پر ذمہ داری عائد ہو گئی ہے دیکھو ایک طرف قلعہ ہے دوسری طرف دشمن آ رہا ہے پہلے ہمیں قلعہ پر حملہ کرنا چاہئے یا دشمن پر؟

ہشام: یا امیر اگر ہم قلعہ پر حملہ کریں تو دشمن وہاں پہنچ جائے گا اسی لئے میری رائے میں پہلے دشمن پر حملہ کرنا چاہئے۔

عماد الدین۔ کمال اور دوسرے افسر اس مشورہ کو سن کر پھڑک گئے سب نے ان کی رائے کی تعریف کی۔

عماد الدین نے کہا۔ شاباش کمسن مجاہد۔ بہت صحیح مشورہ دیا تم نے۔

انہوں نے تمام افسروں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ اس مشورے کے علاوہ کسی صاحب کی کوئی اور رائے بھی ہے۔؟

سب نے عرض کیا ہشام نے صحیح مشورہ دیا ہے۔

چنانچہ یہی طے ہو گیا کہ پہلے بالڈون کا مقابلہ کیا جائے' دوسرے روز لشکر بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گیا۔

باب ۲۳

آغاز جنگ

اسلامی لشکر بلا کسی خوف اور جھجک کے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ دشمنوں کی بے پناہ فوجیں ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہیں لیکن انہیں مطلق بھی ہراس نہیں تھا بلکہ ان کی خواہش تھی کہ جلدی مقابلہ ہو جائے اور وہ اپنے دلوں کے حوصلے نکالیں۔

ابھی انہوں نے دو تین ہی منزلیں طے کی تھیں کہ انہیں اطلاعیں ملنی شروع ہوئیں کہ دشمن کی فوجیں آندھی اور طوفان کی طرح بڑھی چلی آ رہی ہیں دس ہزار لشکر تو صرف ہراول دستہ میں ہے۔ مسلمانوں نے اب بھی اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کا خیال نہیں کیا۔

ایک روز انہیں اطلاع ملی کہ عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر بہت قریب آ گیا ہے عجب نہیں کہ کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں سامنے ہی آ جائے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بالڈون اپنے مملوکہ علاقہ سے بھی مجاہدوں کو جمع کر کے ساتھ لیتا چلا آ رہا ہے اس سے اس کی جمعیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

مسلمانوں نے اس خبر کو سن کر صرف اتنا کہا "ہمارا مددگار خدا ہے ہم نے اپنی جانیں خدا کے نام پر ہبہ کر دی ہیں خدا کو اختیار ہے جب چاہے لے لے۔ آخر خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ایک دن موت بھی آئے گی اگر جہاد میں موت آ جائے تو اس سے زیادہ خوش بختی کی کیا بات ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان 'مسلمان ہو گئے تھے خدا کے سامنے جھک گئے تھے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ خدا ہم سے راضی ہو گیا ہے۔ خدا کے بھروسہ پر وہ بڑے سے بڑے لشکر سے ٹکر لینے کو تیار ہو گئے تھے۔

دوسرے روز جبکہ مسلمان ایک وسیع میدان میں فروکش تھے عیسائیوں کا ہراول دستہ وہاں آ پہنچا عماد الدین زنگی نے لشکر کو ترتیب اور قاعدہ میں پھیلا رکھا تھا اگرچہ لشکر فروکش تھا مگر اس کے

یمین و نسیار، ہراول اور قلب قائم تھے اسی ترتیب سے تھوڑا لشکر بھی زیادہ معلوم ہو رہا تھا۔

عیسائیوں کے ہراول دستہ میں دس ہزار سوار تھے عماد الدین زنگی کے ساتھ کل دس ہزار ہی لشکر تھا لیکن اس کا پھیلاؤ دیکھ کر عیسائیوں نے غلط اندازہ کیا وہ بیس ہزار کے قریب سمجھے اپنے خیال میں اتنا بھاری لشکر دیکھ کر وہ گھبرا گئے انہیں خیال ہوا کہ کہیں مسلمان ان پر فوراً ہی حملہ نہ کر دیں یا شبخون نہ ماریں اس لئے وہ نہایت ہوشیار رہے ڈرتے ڈرتے خیمہ زن ہوئے اور فوراً چند سواروں کو بالڈون کے پاس مدد دلانے کے لئے بھیجا۔

عماد الدین نے اس روز یہ دیکھا کہ عیسائی کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے کوئی حرکت نہیں کی اگر وہ اسی وقت حملہ کر دیتے تو بالڈون کے ہراول کو یقیناً شکست ہو جاتی۔ مگر انہوں نے عیسائیوں کو موقع دیا کہ وہ اول میدان جنگ میں آئیں مگر انہیں یہ حوصلہ نہیں ہوا وہ مدد کا انتظار کر رہے تھے اور کچھ فکر مند اور بے چین معلوم ہوتے تھے۔

رات کو دونوں فریقوں نے اپنے اپنے لشکر کی حفاظت کے لئے گشت کرنے والے دستے مقرر کر دئے۔ یہ دستے رات بھر لشکروں کے گرد پھرتے رہے۔ جب صبح آثار ظاہر ہوئے تو اسلامی لشکر میں کئی آدمیوں نے مل کر اذان دی۔ اذان سنتے ہی مسلمان اٹھ اٹھ کر ضروریات سے فراغت پا کر کے وضو کرنے لگے۔ وضو کر کے انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور نہایت خلوص اور عاجزی سے فتح یابی کی دعا مانگی۔

ابھی مسلمان نماز سے فارغ ہی ہو رہے تھے کہ عیسائی لشکر مسلح ہو کر میدان میں آنے لگا رات کو عیسائیوں کو مدد پہنچ گئی تھی، بالڈون ثانی کا داماد فلک دس ہزار فوج لے کر آگیا تھا اس نے صبح ہوتے ہی اپنے تمام لشکر کو میدان میں لا اتارا اس نے اسلامی لشکر کو دیکھا تھا۔ اسے وہ اپنی جمعیت کے سامنے تھوڑا نظر آیا۔ اسے طمع ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ بالڈون کے آنے سے پہلے اسے شکست دے دے تاکہ ناموری اور شہرت حاصل ہو جائے اور بادشاہ کی نظروں پر چڑھ جائے۔ بالڈون ثانی کے کوئی بیٹا نہ تھا وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس قدر گھر کر لے جس سے بادشاہ کے مرنے پر وہ بادشاہ بن سکے۔

عماد الدین زنگی نے جب عیسائیوں کو میدان میں نکل کر صف بستہ ہوتے دیکھا تو انہوں نے بھی لشکر کو میدان میں پہنچ کر صفیں قائم کرنے کا حکم دیا مجاہدین اسلام جو لڑنے کے لئے بیتاب تھے میدان میں پہنچ گئے۔ زنگی نے لشکر اس طرح ترتیب دیا کہ میمنہ، میسرہ، ہراول۔ قلب اور ساقہ

سب قائدہ میں ہو گئے قلب کے دونوں بازوؤں پر میمنہ اور میسرہ کو ہلالی صورت میں دور تک پھیلا دیا اور ہراول کو ستارہ کی صورت میں جما دیا۔ ساقہ ایک لمبی لائن میں پھیل گیا اس ترتیب سے لشکر اصل سے دوگنا معلوم ہونے لگا۔

زنگی نے لشکر کے ہر حصہ میں یعنی میمنہ میں۔ میسرہ میں۔ ہراول میں اور قلب میں تین تین صفیں قائم کیں اور انہیں ہدایت کر دی کہ پہلے اگلی صف دشمن سے بھڑے اور پھر دوسری اس کے بعد تیسری۔

ابھی زنگی اپنے افسروں کو ہدائیتیں دے رہے تھے کہ عیسائی لشکر طبل جنگ بجاتا ہوا بڑھا۔ اسلامی سردار بھی جھپٹ جھپٹ کر اپنے اپنے دستے میں پہنچ گئے

عیسائیوں نے ہراول ' میمنہ ' میسرہ اور قلب قائم کئے تھے اور ان کے لشکر کا ہر حصہ بڑھا چلا آرہا تھا طبل جنگ زور زور سے بج رہا تھا اور جب ان کا لشکر مسلمانوں کے قریب آگیا تو عیسائیوں نے شور و غل کرنا شروع کیا مسلمان خاموش کھڑے دیکھتے رہے

عیسائیوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ مسلمان کم ہیں ان کے حوصلے اس لئے بڑھے ہوئے تھے کہ ایک تو وہ خود زیادہ تھے دوسرے بالڈون ان کے پیچھے بے شمار لشکر لئے بڑھا چلا آرہا تھا۔ وہ شور و غل کر کے مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔

مسلمان ان کی یلغار کو دیکھ رہے تھے وہ خاموش کھڑے تھے آفتاب طلوع ہو چکا تھا دھوپ میدان میں پھیل گئی تھی سفید دھوپ میں مسلمانوں کے سفید کپڑے اور ہتھیار چمک رہے تھے اور عیسائیوں کی زرہیں اور خود اور ہتھیار چمک رہے تھے۔

عیسائی ایک تیر کے فاصلہ پر آکر رک گئے وہ غیظ بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ مسلمان بھی ان کی حرکتوں کو دیکھ رہے تھے فلک قلب میں تھا چاندی کی زرہ بکتر پہنے تھا۔ تاج اوڑھے تھا اس کے قریب ایک بڑا جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر صلیب بنی ہوئی تھی۔ فلک کے قریب کئی افسر کھڑے تھے۔

میمنہ اور میسرہ کے عیسائی بھی قلب کی طرف دیکھ رہے تھے وہ گویا فلک کی طرف نگاہیں جمائے تھے جیسے حکم کا انتظار کر رہے ہوں تھوڑی ہی دیر میں فلک نے کچھ اشارہ کیا۔ سب سے پہلے قلب کے عیسائیوں نے کمانیں شانوں پر سے جلدی جلدی اتاریں ان میں تیر رکھے چلے کھینچے اور تیر چھوڑے۔

تیر سنسناتے ہوئے مسلمانوں کی طرف لپکے۔ مسلمانوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے ڈھالیں اس طرح آگے بڑھا دیں جس سے وہ خود اور ان کے گھوڑوں کے سر ان کے پیچھے آگئے کچھ تیر تو راستے ہی میں گر پڑے کچھ ڈھالوں سے آکر ٹکرائے اور کچھ گھوڑوں کے پیروں اور سینوں میں بندھ گئے

جن گھوڑوں کے تیر لگے وہ اچھلنے کودنے لگے مسلمانوں نے بڑی مشکل سے انہیں قابو میں کیا ابھی وہ گھوڑوں کو سنبھال ہی رہے تھے کہ عیسائیوں نے تیروں کی دوسری باڑھ ماری۔

عماد الدین زنگی نے ابھی مسلمانوں کو تیر مارنے کی اجازت دی۔ مسلمان اس اجازت کے منتظر ہی تھے انہوں نے حیرت انگیز پھرتی سے کمانیں شانوں سے اتاریں ترکش میں سے تیر نکالے اور کمانوں میں رکھ کر چلے کھینچے اور پوری قوت سے اس طرح تیر چھوڑے کہ سب تیر برابر چلے گویا سارے تیر ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔

عیسائیوں نے بھی ڈھالوں پر تیروں کو روکا لیکن چونکہ وہ ایک ساتھ آرہے تھے اس لئے وہ سب تیروں کو روک نہ سکے۔ کچھ تیر تو ڈھالوں پر رکے کچھ گھوڑوں کے ترازو ہو گئے اور کچھ سپاہیوں کے جسموں میں پیوست ہو گئے ادھر تو گھوڑے الف ہونے لگے ادھر مجروح سپاہی چلانے لگے بعض گھوڑوں نے اپنے سواروں کو پھینک دیا اور وہ گھبرا کر اس طرح بھاگے جیسے تمام تیر ان کے ہی مارے جانے والے ہوں۔

پہلی باڑھ کے بعد فوراً مسلمانوں نے دوسری باڑھ ماری ان تیروں نے بھی عیسائیوں کو کافی نقصان پہنچایا وہ بھنا گئے۔ فلک نے انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا انہوں نے مسلمانوں کی طرف گھوڑے ڈال دیے۔ مسلمانوں نے تیسری باڑھ تیروں کی اور ماری' تیروں نے بہت سے سپاہیوں کو بیندھ ڈالا وہ گھوڑوں سے اچھل کر گرے اور دوسرے گھوڑوں نے انہیں کچل ڈالا۔ کچھ گھوڑے زخمی ہو گئے انہوں نے اپنے سواروں کو پھینک دیا اور وہ بھی پامال ہو گئے غرض اسی طرح عیسائیوں کی پہلی صف میں سے بہت سے سپاہی مارے گئے۔

عیسائی سوار جوش اور غصہ میں بھرے ہوئے دوڑتے رہے جب وہ قریب پہنچ گئے تو مسلمانوں نے بھی کمانیں شانوں پر ڈال لیں اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

.......☆☆☆.......

باب ۲۴

پہلی شکست

مسلمان عیسائیوں کو دوڑ کر آتے ہوئے دیکھ رہے تھے ان کے حملے کا رخ قلب کی طرف تھا۔ قلب کے مسلمانوں نے نیزے سنبھال لئے تھے عماد الدین زنگی قلب میں موجود تھے وہ بھی دیکھ رہے تھے انہوں نے اللہ اکبر نعرہ لگایا۔ مسلمان ہوشیار ہو گئے جب عیسائی اور قریب آئے تو انہوں نے دوسرا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے نیزے تان لئے دھوپ میں نیزوں کی انیاں جگمگانے لگیں اور جب عیسائی بہت ہی قریب آ گئے تب زنگی نے تیسر نعرہ لگایا تمام مسلمانوں نے مل کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ بلند کیا۔ اس پر ہیبت نعرہ سے میدان گونج گیا۔

اب مسلمان بھی عیسائیوں کی طرف دوڑے عیسائی بھی نیزے تانے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ ادھر سے مسلمان جھپٹے دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے حملے کئے بعض نیزوں کی انیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔ بعض نیزے فریقین کے گھوڑوں کے لگے۔ گھوڑے الف ہو گئے بعض اس قدر بھڑکے کہ انہوں نے اپنے سواروں کو پھینک دیا اور بے لگام ہو کر بھاگ نکلے بعض نیزے ڈھالوں سے ٹکرا گئے اور کچھ نیزوں نے فریقین کے سپاہیوں کو زخمی بھی کیا۔

اس پہلی ہی ٹکر نے دونوں فریقین کی پہلی صفیں توڑ دیں ایک فریق کے صف کے آدمی دوسرے فریق کے صف میں گھس گئے۔

عیسائیوں نے نیزوں پر نیزے چلائے مسلمانوں نے بھی جوش میں آ کر بڑی قوت اور پھرتی سے نیزہ زنی شروع کر دی۔ نیزوں کی سفید انیاں خون میں رنگ کر سرخ ہو گئیں۔ یہ لڑنے والے جوں جوں خون کو دیکھتے تھے ان کی خونریزی کی ہوس اور بڑھتی جاتی تھی۔ دونوں فریق پھرتی سے نیزے چلا رہے تھے جو لوگ ذرا بھی غفلت کرتے تھے وہ زخمی یا قتل ہو جاتے تھے جن لوگوں کے معمولی زخم لگتا تھا وہ تو پھر لڑائی میں مشغول ہو جاتے تھے اور جو شدید طور پر مجروح ہو جاتے تھے وہ

تلملانے اور آہ وزاری کرنے لگتے تھے اور جو قتل ہو جاتے تھے وہ گر پڑتے تھے جو لوگ گھوڑوں سے گر جاتے تھے انہیں گھوڑے روند ڈالتے تھے۔

اگرچہ جنگ شروع ہو گئی تھی لیکن ابھی اس کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ ایک محدود حلقہ میں ہو رہی تھی۔ گویا جنگ کی آگ سلگنے لگی تھی۔ مگر ابھی شعلے نہیں بھڑکے تھے البتہ سپاہیوں میں جوش بڑھتا جاتا تھا اور جنگ کا حلقہ بھی پھیلنے لگا تھا۔

اس وقت عیسائیوں کی میمنہ اور میسرہ دونوں بازوں کو حرکت ہوئی اور وہ مسلمانوں کے میسرہ اور میمنہ کی طرف بڑھنے لگے۔ مسلمان بھی ہوشیار ہو گئے فریقین کے دونوں بازو اپنے اپنے قلب سے ایک ایک میل سے بھی زیادہ فاصلے پر تھے دونوں قلب ہلال کی صورت میں آگے بڑھ رہے تھے۔

عمادالدین زنگی قلب کے پیچھے حصہ میں اسلامی علم کے نیچے کھڑے تھے، انہوں نے قاصد کو میمنہ اور میسرہ کو حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔ ان قاصدوں کے پہنچتے ہی دونوں بازوؤں کے مسلمان کشادہ ہو کر عیسائیوں کی طرف بڑھے انہوں نے تلواریں میانوں سے کھینچ لیں۔ عیسائیوں نے بھی تلواریں سونت لیں دونوں فریق جوش میں بھرے ہوئے غضبناک نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے بڑھ رہے تھے دونوں اس فکر میں تھے کہ تصادم ہوتے ہی دلوں کے ولولے اور حوصلے نکالیں۔

عیسائی ہر محاذ پر مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے اسی لئے وہ اور بھی تیزی سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے اور مٹانے کے لئے بڑھ رہے تھے۔ مسلمانوں کو یہ غصہ تھا کہ عیسائیوں نے بلاوجہ امن و امان کو برباد کر دیا تھا۔ اسلامی بستیوں پر حملے کر کے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔ مردوں کے علاوہ معصوم بچوں کو ذبح کیا تھا۔ عورتوں کو بے حرمت اور قتل کیا تھا۔ ان کے دلوں میں انتقام کی آگ دہک رہی تھی، جوش انتقام سے خون کھول رہا تھا، وہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے عیسائیوں کی طرف اس طرح جھپٹ رہے تھے جس طرح شکرے یا باز چڑیوں پر جھپٹتے ہیں۔

آخر دونوں فریق کے میمنہ اور میسرہ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے، تلواریں بلند ہو گئیں عیسائیوں نے شور کر کے اور مسلمانوں نے اللہ اکبر کے پر زور نعرے لگا کر حملے شروع کر دیئے چونکہ فریقین جوش میں بھرے ہوئے تھے اس لئے گھمسان کی جنگ ہونے لگی تلواروں پر تلواریں پڑنے لگیں سیاہ ڈھالیں اٹھنے انسانی اعضا کٹ کر گرنے لگے، خون کے چھینٹے اٹھنے لگے، آہ فریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں، فریقین ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

عمادالدین زنگی ہر طرف نظریں اٹھائے دیکھ رہے تھے' انہیں معلوم تھا کہ ان کی جمعیت کم ہے' عیسائی بہت زیادہ ہیں۔ مسلمان جوش میں آکر اپنے سے دگنے دشمنوں سے ٹکرا گئے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بالڈون ثانی بے شمار لشکر لئے چلا آرہا ہے عیسائیوں کو کمک کا انتظار ہے اور اس آنے والے لشکر ہی کے بھروسہ پر وہ جوش و خروش اور جرات و ہمت سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے ہر طرف قاصد دوڑا دیئے کہ حملے میں سختی کی جائے' افسروں نے یہ حکم سپاہیوں تک پہنچا دیا۔ مسلمانوں نے جوش میں آکر یلغار کی انہوں نے پھرتی سے حملے شروع کر دیئے' بڑھ بڑھ کر تلواریں مارنے لگے انہوں نے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے' خون کے پرنالے بہا دیئے۔

لیکن عیسائی بھی کچھ موم کے بنے ہوئے نہ تھے انہوں نے بھی سختی سے حملے کر کے مسلمانوں کو قتل و زخمی کرنا شروع کر دیا۔ مسلمان کئی صفوں کو توڑ کر گھستے چلے گئے عیسائیوں نے انہیں روکنے کے لئے جانیں لڑا دیں مگر ان کی یلغار کو روک نہ سکے۔

جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تمام میمنہ و میسرہ اور سارا قلب اس آگ سے شعلہ بار ہو گیا۔ عمادالدین زنگی اب بھی دیکھ رہے تھے جوش اور غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا وہ سامنے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ آواز آئی۔

"اجازت دیجئے اعلیحضرت"

عمادالدین زنگی نے دیکھا ہشام ان سے حملہ کی اجازت مانگ رہے تھے۔ انہوں نے کہا "شیر دل بچے تمہاری رگ حمیت بھی جوش میں آگئی۔ اچھا خدا کو سونپا جاؤ اور اپنے دل کے ولولے نکالو"

ہشام خوش ہو کر بولے۔ انہوں نے اپنے ماتحت سواروں سے کہا "اجازت مل گئی' بڑھو اور حملہ کرو۔"

سوار دوڑے ہشام ان کے ساتھ چلے وہ عیسائی صف میں گھستے ہی تلواروں سے حملہ کرنے لگے ہشام سمجھتے تھے کہ لڑائی بھی ایسی ہی آسان ہے جیسے فنون جنگ کی تعلیم حاصل کرنا مگر جب انہوں نے بڑھ کر ایک عیسائی پر حملہ کیا اور اس نے ڈھال پر ان کا وار روک کر خود بھی حملہ کیا تب وہ سمجھے لڑنا بہت مشکل ہے۔ خیریت یہ ہوئی کہ ان کے دستے کے ایک سوار نے عیسائی کی تلوار کو اپنی ڈھال پر لیا اور خود پھرتی سے حملہ کر کے اس عیسائی کو قتل کر ڈالا اب کئی سوار ہشام کے پیچھے اور دائیں بائیں ان کی حفاظت کے لئے ہو گئے۔ جس طرف ہشام حملہ کرتے تھے اسی طرف وہ جھک جاتے تھے اور جس طرف وہ جھکتے ایک دو عیسائی کو ضرور مار ڈالتے تھے۔

مسلمانوں نے ہشام کو بڑھتے اور حملہ کرتے دیکھ لیا ان کا جوش ہیجان میں آگیا انہوں نے بڑی سختی اور قوت سے حملے شروع کر دیئے۔ جھپٹ کر وار کرتے اور عیسائیوں کو قتل و زخمی کرنے لگے۔ ہر محاذ پر ان کے حملے سخت ہو گئے وہ عیسائیوں کی صفوں میں گھس گئے اور جس صف میں گھسے اسے زیر و زبر کر ڈالا۔

عیسائی بھی پورے جوش اور پوری قوت سے لڑ رہے تھے وہ مسلمانوں کے سیلاب کو روک رہے تھے اور اس جدوجہد میں قتل بھی ہو رہے تھے لیکن مسلمانوں کو بھی شہید کر رہے تھے خون کے فوارے ابل رہے تھے خون پانی کی ح بہہ رہا تھا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ مسلمان عیسائیون کو خون میں غوطہ دینے لگے تھے' جنگ کا زور مبدم بڑھتا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کی تمام صفیں توڑ دی تھیں اور چونکہ وہ عیسائی صفوں میں گھس گئے تھے اس لئے خود ان کی صفیں بھی باقی نہیں رہی تھیں اب یہ صورت ہو گئی تھی کہ مسلمان عیسائیوں میں اور عیسائی مسلمانوں میں گھسے لڑ رہے تھے تلواریں اس پھرتی سے اٹھ اور جھک رہی تھیں کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ لڑ نہیں رہے بلکہ تلواریں اٹھائے کھڑے ہیں۔ کمال اپنا رسالہ لئے بڑی سختی سے لڑ رہے تھے وہ عیسائیوں کو مارتے کاٹتے فلک تک پہنچ گئے اور انہوں نے اس پر حملہ کر دیا فلک بھی مقابلہ میں آگیا۔ اس نے ان کا وار روک کر خود بھی حملہ کیا۔ کمال نے بڑی پھرتی سے اس کا وار ڈھال پر لیا اور اس پر دوسرا وار کیا۔ ان کی تلواروں نے فلک کی ڈھال پھاڑ ڈالی فلک سہم گیا۔ وہ جلدی سے گھوڑا لوٹا کر بھاگا۔ کئی عیسائی کمال کے سامنے آگئے انہوں نے ان میں سے دو عیسائیوں کو مار ڈالا باقی بھاگ نکلے۔

اس وقت نہایت سخت شور ہوا۔ شور ہوتے ہی عیسائیوں کو جنبش ہوئی اور وہ چھوڑ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے ان پر ہلہ بول دیا وہ ہزیمت اٹھا کر پسپا ہو گئے۔

باب ۲۵

کمسن مجاہد کی ترقی

جس وقت عیسائی پسپا ہوئے ہیں اس وقت چھ گھڑی دن باقی رہ گیا تھا مسلمانوں نے عیسائیوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا' ہشام اور ان کا رسالہ بھی عیسائیوں کے پیچھے لگا ہوا تھا' ہشام بھی ساتھ تھے' انہوں نے ایک بڑے گرانڈیل عیسائی کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ اسکے پیچھے دوڑے 'کئی سوار ان کے ساتھ چلے۔ ہشام نے اس کے نیزہ مارا عیسائی زرہ پہنے تھا نیزہ زرہ میں لگ کر واپس ہوا۔ مگر سوار کو اس سے کچھ ایسا جھٹکا لگا کہ وہ اوندھے منہ گھوڑے سے گرا۔ ہشام کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی نے کود کر اسے گرفتار کر لیا اور ہشام نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔ یہ عیسائی ایک بڑا افسر تھا۔

مسلمانوں نے دن چھپے تک عیسائیوں کا تعاقب کیا انہیں ان کے کیمپ میں دھکیل دیا۔ جب دن چھپنے لگا تب وہ گروہ در گروہ واپس ہوئے انہوں نے واپسی میں بہت سے وہ گھوڑے بھی پکڑ لئے جو عیسائیوں کے تھے اور جن کے سوار میدان جنگ میں مارے گئے تھے۔

اپنے کیمپ میں واپس آکر سب سے پہلے مسلمانوں نے نماز پڑھی۔ چونکہ ان کی ظہر اور عصر کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ اس لئے قضا نماز بھی ادا کی۔ نماز پڑھ کر عماد الدین زنگی نے ان مجاہدوں کو جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا مسلمانوں کی لاشیں جمع کر کے نماز پڑھ کر دفن کر دینے کی ہدایت کی۔ وہ اپنے کام پر روانہ ہو گئے جو طبیب اور جراح لشکر کے ساتھ آئے تھے وہ دن بھر زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے رہے تھے جو مسلمان شدید زخمی ہو جاتے تھے انہیں لوگ پیچھے ہٹا کر کیمپ میں پہنچا جاتے تھے مگر کچھ زخمی لوگ ابھی باقی رہ گئے تھے اور ان کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔

کچھ لوگ کھانا پکانے میں مشغول ہو گئے تھے چونکہ یہ لوگ دن بھر لڑتے رہے تھے اس لئے صبح سے بھوکے تھے مگر انہوں نے سب سے پہلے زخمیوں کے لئے کھانا تیار کر کے انہیں کھلایا اور پھر

اپنے اور دوسروں کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔

عماد الدین زنگی نے قیدیوں کا معائنہ شروع کیا اس وقت اسلامی کیمپ میں خاصی روشنی ہو گئی تھی، خصوصاً شاہی خیموں کے سامنے بہت کافی روشنی ہو رہی تھی قیدیوں میں عام سپاہی بھی تھے اور افسر بھی تھے ان میں وہ افسر بھی تھا جس کے ہشام نے نیزہ مارا تھا وہ کوئی بطریق تھا۔ بڑا بہادر، معزز اور جنگجو تھا۔ عماد الدین زنگی نے دریافت کیا "انہیں کس نے گرفتار کیا ہے؟"

ایک شخص نے جواب دیا "یا امیر اسے چھوٹے کمانڈار نے گرفتار کیا ہے"۔

عماد الدین کو بڑی حیرت ہوئی انہوں نے کہا "کیا ہشام نے؟"

وہی شخص: جی ہاں ظل اللہ۔

عماد الدین خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا "کہاں ہیں چھوٹے کمانڈار انہیں بلاؤ"۔

فوراً کئی سوار دوڑے گئے اور ہشام کو بلا لائے۔ انہوں نے زنگی کو سلام کیا۔ زنگی نے ان سے پوچھا "کیا آرام کر رہے تھے کمسن مجاہد"۔

ہشام نے جواب دیا "نہیں یا امیر۔ میرے دستے کے جو لوگ زخمی ہو گئے ہیں میں ان کی عیادت کر رہا تھا"۔

عماد الدین: شاباش! کیا تم تھکے نہیں۔

ہشام: جب ظل اللہ ہی نہیں تھکے تو میں کیسے تھک جاتا۔

عماد الدین: زندہ باش۔

بطریق کی طرف اشارہ کر کے عماد الدین نے ان سے دریافت کیا "کیا اسے تم نے گرفتار کیا ہے؟"

ہشام نے اسے غور سے دیکھا "جی نہیں! اعلیٰ حضرت! اسے میں نے گرفتار نہیں کیا۔ البتہ میں نے اس کے نیزہ مارا تھا۔ یہ گر پڑا تھا اسے میرے ہمراہیوں میں سے ایک جانباز نے گرفتار کر لیا"۔

عماد الدین: تم واقعی مجاہد ہو۔ اگرچہ تم نے اسے گرفتار نہیں کیا ہے مگر تمہاری ضرب کاری نے اسے گرا دیا اور تمہارے ہمراہی نے اسے گرفتار کر لیا، اس کے گرفتار کرنے والے تم ہی کہلائے جا سکتے ہو۔ ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔ تم کو پانصدی عہدہ دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی جاگیر بھی عطا کی جاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں خلعت تمہارے پاس پہنچ جائے گی اور اس بطریق کا سب سامان تمہارا

ہشام نے زنگی کا شکریہ ادا کیا۔ عماد الدین زنگی نے حکم دیا "ہشام کا خیمہ ہمارے خیموں کے پس کھڑا کر دیا جائے' اگر ہم نے اس عمر میں طبریہ کے قلعہ پر نیزہ گاڑا تھا تو ہشام نے بیت المقدس کے بطریق کو گرفتار کیا ہے ان کا یہ کارنامہ کچھ کم نہیں ہے"۔

اب تک ہشام ایک معمولی خیمے میں رہتے تھے یہ خیمہ انہیں کمال نے دیا تھا اس کا ساز و سامان بھی معمولی تھا۔ خلامیوں نے حکم ہوتے ہی ان کے لئے ایک شاندار خیمہ شاہی احاطہ میں کھڑا کر دیا اور اسے اس خیمہ کی شان کے مطابق آراستہ بھی کر دیا۔ خلامیوں کے افسر نے آکر عماد الدین سے عرض کیا۔ کمسن مجاہد کے لئے خیمہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔

عماد الدین: اور ایک افسر کی شان کے مطابق اس خیمہ کے متعلق دوسری ضروری بھی مہیا کر دی گئی ہیں۔

افسروں کے خیموں کے ساتھ کئی خیمے اور بھی ہوتے تھے جس خیمہ میں وہ رہتے تھے اس کے دو حصے ہوتے تھے ایک حصے میں پہننے کے کپڑے ہتھیار اور دوسرا سامان ہوتا تھا اور ایک حصے میں سونے وغیرہ کے لئے جگہ ہوتی تھی۔ ایک چھوٹا خیمہ نشست و برخاست کے لئے ہوتا تھا۔ ایک باورچی خانہ 'ایک غسل خانہ 'ایک جائے اجابت اور ایک اصطبل۔ خلامیوں کے افسر نے صرف ایک ہی خیمہ کھڑا کیا تھا۔ اس نے عرض کیا "ظل اللہ! ابھی اور خیمے نصب نہیں کیے گئے۔

عماد الدین: فوراً جاؤ اور تمام خیمے نصب کر دو۔

افسر خلامیان چلے گئے۔ عماد الدین نے ہشام سے کہا "قرۃ العین! تم اپنا سامان اٹھالاؤ"۔

ہشام نے زنگی کو سلام کیا اور روانہ ہوئے اور اپنا سب سامان سپاہیوں کے سروں پر لاد کر لے آئے۔ اب تک وہ رسالہ خاص کے ڈھائی سو سواروں پر افسر تھے مگر اب ان کا عہدہ پانصدی ہو گیا تھا جن سواروں پر وہ افسر تھے اب وہ ان کے تحت سے نکل گئے تھے ان سواروں کو ان سے بڑی محبت تھی انہیں ان سے جدا ہونے کا بڑا ملال تھا۔ بعض سواروں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیکن چونکہ ہشام کو ترقی ملی تھی اس لئے وہ خوش تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے انہیں مبارکباد دی۔

ہشام کو بھی ان سے بڑی انسیت ہو گئی تھی انہیں بھی ان کی جدائی کا ملال ہوا۔ وہ اپنے خیمے میں آگئے۔ سپاہیوں نے ان کا سامان خیمے کے پچھلے حصہ میں قرینہ سے سجا دیا اور اگلے حصے میں ان کا بستر لگا دیا۔ ان کے ساتھ پانچ غلام بھی تھے یہ غلام کمال نے انہیں دیئے تھے وہ بھی وہیں آگئے۔

اور انہوں نے کھانا تیار کرا کر رکھ دیا۔

ہشام بھی صبح سے بھوکے تھے۔ تمام دن میدان جنگ میں رہے تھے اتنی عمر کے بچے دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتے ہیں۔ انہوں نے اس روز کچھ بھی نہ کھایا تھا لیکن وہ اس قدر مجاہدانہ زندگی کے عادی ہو گئے تھے کہ انہوں نے کھانا جلدی تیار کرنے کی ہدایت نہیں کی۔ نہ غلاموں سے یہی پوچھا کہ انہوں نے دن ہی میں کھانا کیوں نہیں تیار کر لیا تھا۔

وہ تھک گئے تھے اس لئے بستر پر پڑ گئے۔ تھوڑی دیر میں عشاء کی اذان ہوئی اور وہ نماز پڑھنے چلے گئے جب نماز پڑھ کر واپس آئے تو شاہی خدام خلعت لے کر آ گئے۔ انہوں نے خیمہ سے کئی قدم چل کر خلعت کا استقبال کیا اس کے ساتھ واپس خیمہ میں آئے اور خلعت کو سر پر رکھا۔ پھر اسے بوسہ دیا اور کہا۔ "یا اللہ! اعلیٰ حضرت کو ان کے ارادوں میں کامیابی عطا فرما اور وہ مجھ پر ہمیشہ مہربان رہیں"۔

انہوں نے خلعت رکھ دیا۔ اسی وقت چند بڑے افسر انہیں مبارک باد دینے آئے۔ انہوں نے افسروں کا شکریہ ادا کیا۔ افسر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کمال آئے۔ انہوں نے ہشام کو سینہ سے لگا کر کہا "خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تم صاحب اقبال ہو۔ اور ہمیشہ ترقی کرتے رہو۔

ہشام نے کہا "ابا جان! یہ سب کچھ آپ ہی کے طفیل سے ہے۔ اگر آپ مجھے پناہ نہ دیتے تو نہ معلوم میرا کیا حشر ہوتا"۔

کمال: اس بات کا ذکر نہ کیا کرو بیٹا۔

ہشام: ابا جان! ابھی آپ نے کھانا تو نہیں کھایا۔

کمال: نہیں بیٹا۔

ہشام: اچھا تو میرے ساتھ کھانا کھائیے۔

کمال: بیٹا میں تمہارے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا اور تمہارے خیمہ ہی میں سوؤں گا۔ ہشام خوش ہو گئے۔ کھانا چنا گیا۔ دونوں نے کھایا اور سو رہے۔

......☆☆☆......

باب ۳۶

فلک کی پریشانی

عیسائیوں نے بھاگ کر اپنے خیمے میں جا کر دم لیا۔ وہ سخت خوفزدہ اور بدحواس تھے اپنے کیمپ میں پہنچ کر بھی انہیں یہی اندیشہ رہا کہ کہیں مسلمان وہاں بھی نہ آجائیں اور لڑائی شروع نہ کر دیں مگر خیریت ہوئی کہ مسلمان ان کے پیچھے لگے ہوئے ان کے کیمپ میں داخل نہیں ہوئے انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے یہ فروگزاشت ہوئی کہ وہ ان کے تعاقب میں ان کے کیمپ تک نہ گئے ورنہ اسی روز جنگ کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ عیسائی بری طرح پسپا ہوتے تو ان کی جمعیت منتشر ہو جاتی اور ممکن تھا کہ بالڈون ثانی بھی ہزیمت کی خبر سن کر واپس چلا جاتا۔ اور مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہو جاتی۔

لیکن مسلمانوں نے اسی بات کو غنیمت سمجھا کہ اس روز انہوں نے اپنے سے دگنے دشمن کو ہزیمت دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ اسی کامیابی کو انہوں نے بڑی کامیابی خیال کیا سچ پوچھو تو یہ کامیابی تھی بھی بڑی۔ اس لئے کہ ایک عرصے سے عیسائی حاوی آرہے تھے۔ جو مسلمان ان کا مقابلہ کرتے تھے وہ انہیں ہزیمت دے کر بھگا دیتے تھے اور اسلامی بستیوں کو تباہ و برباد کر ڈالتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو یہ پہلی کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کامیابی نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے اور عیسائیوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔

فلک نے جس وقت صبح جنگ شروع کی تھی اسے اپنی کامیابی کی پوری امید تھی اس امید کی بھی یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مسلمانوں پر ضرور کامیاب ہو گا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ مسلمان اس کی سپاہ سے آدھے ہیں۔ مگر جب مقابلہ ہوا اور مسلمانوں نے جان لڑا دی جن سے ان کی دیرینہ روایات تازہ ہو گئیں تو عیسائیوں پر ان کی ہیبت

چھا گئی انہیں عماد الدین زنگی پر بڑا غصہ آیا۔ کیونکہ ان کی اولوالعزمی ' بہادری اور جرات نے مسلمانوں کو بھی جری اور مستقل مزاج کر دیا تھا۔

فلک کو اس ہزیمت کا اس لئے اور بھی ملال تھا کہ بالڈون ثانی بھی اس کے پیچھے لشکر لئے آ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ اس کی نگاہوں میں سبک ہو گیا تھا۔ اسے خوف تھا کہ وہ وہاں آتے ہی اسے سرزنش کرے گا۔ اب وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے بالڈون کا انتظار کیوں نہ کیا۔ کیوں اس کے آنے سے پہلے حملہ کر دیا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا اس سے اسے بڑا غم و فکر ہوا تھا۔ وہ ساری رات اس ہی فکر و اندیشہ میں مبتلا رہا۔ اسے یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اپنی قوم کی لاشیں دفن کرا دیتا۔ یہ دیکھتا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی ہوئی یا نہیں۔ لوگوں پر ہراس تو نہیں چھا گیا ہے۔

دوسرے روز صبح ہوئی تو اسے یہ خوف لاحق ہوا کہیں مسلمان میدان میں نہ نکل آئیں۔ اسے یہ بات معلوم تھی کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی ہے۔ اگر مسلمان میدان میں نکل آئے تو عیسائی ان کے مقابلہ میں نکلنے کی جرات نہ کریں گے۔

ابھی فلک یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عیسائیوں میں شور ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ مسلمان میدان میں نکل آئے۔ عیسائی انہیں دیکھ کر شور کر رہے ہیں اس کا دل بحر غم میں ڈوب گیا۔ وہ مردہ دلی سے اپنے خیمے کے باہر آیا۔ اس نے خیمے کے محافظوں سے پوچھا یہ کیسا شور ہو رہا ہے؟

ایک سپاہی نے جواب دیا "بادشاہ بالڈون آ گئے ہیں"۔

یہ سن کر ایک لمحہ کے لئے فلک کا غم دور ہو گیا۔ اس کے چہرہ سے خوشی ٹپکنے لگی۔ مگر جب اس نے خیال کیا کہ بالڈون آتے ہی گذشتہ روز کی ہزیمت پر اسے ملامت اور سرزنش کرے گا تو وہ پھر غمزدہ ہو گیا۔ اس کا چہرہ پھر اتر گیا وہ چپ چاپ اپنے خیمہ میں چلا گیا اور سر بہ گریباں ہو کے بیٹھ گیا۔

شور دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ جوں جوں شور بڑھتا تھا اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہاں سے بھاگ جائے مگر یہ ممکن نہ تھا وہ ہراول دستہ کا سپہ سالار تھا کیسے بھاگ سکتا تھا وہ خیال کرنے لگا اگر وہ کل کی جنگ کی زخمی ہو جاتا تو اچھا ہوتا تاکہ بالڈون یہ سمجھتا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ میری جرات میں اسے شک نہ رہتا وہ سمجھتا میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ مقابلہ میں زخمی ہو گیا۔ سپاہ نے بزدلی کی۔ ہزیمت لشکر کی کم ہمتی کی وجہ سے ہوئی۔ مگر وہ زخمی نہیں ہوا تھا۔ کمال کے مقابلہ سے

بھاگ آیا تھا۔ اس نے سوچا اب خود ہی اپنے زخم لگا لے اور بالڈون کے عتاب سے بچ جائے۔ لیکن فوراً ہی خیال ہوا کہ اب زخم لگانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بالڈون کو یہ بات معلوم ہو جائے گی۔

وہ ان ہی تفکرات اور پریشانیوں میں مبتلا تھا کہ اس کے غلام خاص نے حاضر ہو کر کہا۔

"بادشاہ نے حضور کو یاد فرمایا ہے"۔

فلک کو اسی بات کا اندیشہ تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے دل سے کہا۔ کاش غلام یہ خبر نہ لاتا۔ اس نے افسوسناک نظروں سے غلام کو دیکھ کر دریافت کیا "کون آیا ہے؟"

غلام نے کہا "شاہی سفیر آیا ہے"۔

فلک: اسے یہاں بھیج دو۔

غلام چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہی سفیر نے خیمہ میں آ کر فلک کو سلام کیا۔ فلک نے اس سے پوچھا "کیا بادشاہ کو کل کی ہزیمت کا حال معلوم ہو گیا"۔

سفیر نے جواب دیا "جی ہاں! بہت سے سپاہی یہاں سے بھاگ کر بادشاہ کے لشکر میں رات کو پہنچے تھے ان سے انہیں حالات معلوم ہو گئے تھے وہ پچھلی رات کو ہی چل پڑے اور دن نکلتے ہی یہاں آ پہنچے۔ کل کی لڑائی کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ کو یاد کیا ہے۔

فلک بادل نخواستہ تیار ہو کر سفیر کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے دیکھا شاہی لشکر خیمے نصب کر رہا ہے۔ وہ بادشاہ کے سامنے پہنچا۔ بالڈون اس وقت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ فلک نے بڑے ادب سے اسے سلام کیا۔ بالڈون نے کہا "فلک یہ کیا ہوا؟"

فلک نے عرض کیا "مسلمانوں نے ہم پر حملہ کر دیا مجھے یقین تھا کہ میرے ساتھ کافی لشکر ہے فتح ہماری ہو گی۔ مگر عیسائیوں کی بزدلی نے جنگ کا پانسہ بدل دیا ہمیں ہزیمت ہوئی"۔

بالڈون: مگر ہم نے سنا تھا تم نے خود مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔

فلک: یہ غلط ہے۔ حملہ مسلمانوں نے کیا۔ شاید اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ بہادر بادشاہ عظیم لشکر لئے پیچھے آ رہے ہیں۔

فلک نے جھوٹ بولا۔ حملہ اس نے خود کیا تھا۔ مگر اس وقت جھوٹ بولے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس نے بادشاہ کی تعریف کی۔ اس کا غصہ دھیما کرنے کے لئے۔ اس کا افسوں کارگر ہو گیا۔ بادشاہ

نرم پڑ گیا۔ اس نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو اس میں تمہارا قصور نہیں"۔

فلک: میں سچ عرض کر رہا ہوں۔

بالڈون: زنگی کا لشکر کس قدر ہے۔

فلک: صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہے مگر پندرہ بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔

بالڈون: اوہ کچھ زیادہ لشکر نہیں ہے میری سپاہ ان کو پیس کر رکھ دے گی۔

فلک: مجھے اور میرے ہر سپاہی کو اس بات کا یقین ہے لیکن......

بالڈون نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "لیکن کیا؟"

فلک: میرا خیال ہے کہ زنگی کو دھوکا دے کر اس کے لشکر پر شب خون مارا جائے اس سے ہماری تھوڑی سی سپاہ اس کی فوجوں کو کچل کر رکھ دے گی۔

بالڈون: تم نے معقول بات کہی۔ عماد الدین زنگی بڑا بہادر اور جری بتایا جاتا ہے اسے زیر کرنے کے لئے یہ تدبیر مناسب ہے۔

فلک: اچھا یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی پیغام ایسا بھیجا جائے جس سے وہ مغالطہ میں پڑ جائے اور رات کو جبکہ وہ اور اس کا لشکر غافل ہو اس پر حملہ کر دیا جائے۔

جو سفیر فلک کو لے کر آیا تھا وہ بڑا معزز آدمی تھا اس کا نام برنارڈ تھا اس نے کہا "میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا۔ کیوں نہ ہم دن ہی میں حملہ کر مسلمانوں کو پسپا کریں"۔

فلک کو اس سے کوئی عداوت تھی۔ اس نے کہا "تم ان رموز کو کیا سمجھو۔ تمہارا کام عورتوں میں بیٹھ کر باتیں بنانے کا ہے"۔

برنارڈ کے چہرہ سے معلوم ہوا کہ اسے فلک کی بات سخت ناگوار گذری ہے مگر وہ اس بات کو پی گیا۔ بالڈون نے کہا "نہیں برنارڈ' فلک کا مشورہ مناسب ہے کیا تم اس خدمت کو انجام دو گے؟"

برنارڈ: میں ہر خدمت انجام دینے کو تیار ہوں۔

بالڈون: اچھا تو تم زنگی کے پاس جاؤ اور اسے پیغام دو کہ آج جنگ ملتوی ہے۔

برنارڈ: لیکن کیا وجہ بتائی جائے۔

فلک: تم کیسے افسر ہو کہ وجہ نہیں بیان کر سکتے۔ مجھ سے سنو۔ زنگی سے کہو کہ آج لاشیں میدان سے ہٹائی جائیں گی۔ اور یہ بھی کہو کہ بادشاہ مصالحت کرنا چاہتے ہیں کل شرائط صلح معلوم کرنے کے لئے

سفیر بھیجے جائیں گے۔

بالڈون: ٹھیک کہا فلک نے۔

برنارڈ کو فلک پر غصہ آنے لگا مگر وہ چپ رہا۔ اس نے کہا "بہت خوب"۔

بالڈون: اچھا۔ تو تم ابھی زنگی کے پاس چلے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میدان میں آجائے۔

برنارڈ: میں ابھی روانہ ہو جاؤں گا۔

وہ بادشاہ کو سلام کر کے خیمہ سے نکل آیا۔

........☆☆☆........

باب ۲۷

عیسائی سفیر کی حیرت

مسلمان صبح کی نماز پڑھ کر اپنے جائے قیام پر پہنچے۔ عماد الدین زنگی کے خیمے جس جگہ نصب تھے وہ ایک اونچا ٹیلہ تھا جو اس قدر لمبا اور چوڑا تھا کہ اس پر تمام شاہی خیمے آ گئے تھے ہشام کے خیمے بھی شاہی ٹیلے پر کھڑے کئے گئے۔ رسالہ خاص اور ہشام کا رسالہ ٹیلہ کے نیچے خیمہ زن تھے۔ اس ٹیلہ کے مغرب میں میمنہ اور قلب کے درمیان ایک وسیع احاطہ نماز پڑھنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا اس تمام احاطہ میں سبز گھاس کھڑی تھی قلب کے مجاہد اس احاطہ میں زنگی کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

فجر کی نماز پڑھ کر عماد الدین زنگی شاہی خیمہ پر آئے اور سائبان کے نیچے کھڑے ہو کر عیسائیوں کی طرف دیکھنے لگے اس وقت ان کے پاس کئی افسر بھی آ گئے تھے۔ وہ صف بندی کا حکم لینے آئے تھے۔ چنانچہ ایک افسر نے عرض کیا "کیا لشکر کو میدان جنگ کی طرف بڑھایا جائے؟"

عماد الدین زنگی نے اس افسر کی طرف گھوم کر کہا "آج ابھی تک عیسائی لشکر نے کوئی نقل و حرکت نہیں کی ہے"۔

افسر: جی ہاں ظل اللہ، معلوم نہیں کیا سبب ہے؟

عماد الدین: حالانکہ جاسوسوں نے جو اطلاع دی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بالڈون رات ہی کو آ گیا ہے۔

عماد الدین زنگی نے دشمنوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے چند جاسوس مقرر کر دیئے تھے وہ رات دن عیسائی لشکر کے گرد منڈلاتے رہتے تھے۔ افسر نے کہا "شاید عیسائی لشکر تھکا ہوا ہے"۔

عماد الدین: یہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ بالڈون بڑا خرانٹ ہے وہ کسی فکر میں ہے۔

افسر: شاید ہمیں دھوکہ دے کر کسی روز اچانک آ پڑے۔

عماد الدین: یا شب خون مارے۔

دوسرے افسر نے کہا "عجب نہیں کہ وہ شب خون مارنے کی فکر میں ہو۔

عماد الدین: اگر بالڈون کا کوئی قاصد آتا ہے تو سمجھو کہ وہ شب خون مارنے کی تجویز کر رہا ہے۔

پہلا افسر: لیکن میں لشکر کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔

عماد الدین: جب تک عیسائی مسلح نہ ہوں اس وقت تک تم بھی خاموش رہو۔ جو افسر آئے تھے وہ واپس چلے گئے۔ عماد الدین بھی خیمہ کے اندر چلے گئے تھوڑی دیر بعد وہ باہر سائبان میں آکر بیٹھ گئے۔ وزیر جنگ اور کئی بڑے بڑے افسران کے پاس آگئے' زنگی نے ہشام کو طلب کیا۔ وہ آگئے۔ زنگی نے ان سے کہا "بھئی کمسن مجاہد' کل کی جنگ کے حالات تو بیان کرو"۔

ہشام نے عرض کیا "اعلیٰ حضرت تو جنگ کا منظر ملاحظہ ہی فرما رہے تھے۔

عماد الدین: ہاں ہم دیکھ رہے تھے مگر جب تم نے جنگ شروع کی ہے ہم اس وقت کے حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

ہشام: ظل اللہ میں سمجھا کرتا تھا کہ جنگ میں دشمنوں کو کاٹ ڈالنا کوئی بات نہیں ہے۔ مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر میدان جنگ میں کود پڑا اور دشمنوں پر وار کیئے تو معلوم ہوا کہ میرے بازوؤں میں ابھی اس قدر قوت نہیں ہے کہ میں نیزہ سے زرہیں توڑ ڈالوں۔ یا تلوار سے ڈھالیں پھاڑ دوں۔ فوراً ہی مجھے خیال آیا کہ جہاں پناہ نے اسی عمر میں دشمنوں کو قتل کر کے طبریہ کے قلعہ پر جھنڈا جا گاڑا تھا۔ مجھے بڑی غیرت آئی۔ میں نے نیزہ سنبھالا اور بڑے زور سے ایک سوار پر حملہ کیا۔ مگر وہ سوار تو بچ گیا۔ البتہ اس کے گھوڑے کے جوڑ میں نیزہ چبھ گیا وہ بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ سوار کا آسن اکھڑ گیا وہ نیچے گرا۔ اسی وقت گھوڑے کے اگلے پاؤں اس کی کھوپڑی پر پڑے اور وہ سسکنے لگا۔ میں نے نیزہ کھینچ کر ایک اور سوار پر وار کیا اس نے تلوار سے میرا نیزہ کاٹنا چاہا۔ لیکن میرے ایک ساتھی نے اس کی گردن پر تلوار ماری اس کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ میں نے تیسرے سوار پر حملہ کیا وہ لڑھک گیا اور اسے ایک سوار نے گرفتار کر لیا۔ میری جنگ کا یہ حال ہے۔ اعلیٰ حضرت۔

عماد الدین نے کہا۔ ہم تمہاری کارگذاری پر بہت خوش ہوئے۔

اسی وقت ایک خادم نے آکر عرض کیا "اعلیٰ حضرت! عیسائی سفیر باریاب ہونا چاہتا ہے"۔

عماد الدین: حاضر کرو۔

خادم چلا گیا۔ عماد الدین نے کہا "ضرور دال میں کچھ کالا ہے"۔

ہشام نے بھولے پن سے دریافت کیا "دال میں کالا..... یہ کیا بات ہوئی اعلیٰ حضرت؟"

عماد الدین: ہشام یہ بتاؤ آج عیسائی کیوں میدان میں نہیں آئے؟

ہشام: اس بات کو تو خدا ہی جانتا ہے۔

عماد الدین: ٹھیک ہے مگر قیاس کیا کہتا ہے۔

ہشام: ابھی میرا ذہن کچا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

زنگی نے قہقہہ لگایا۔ انہوں نے کہا "ذہن کچا نہیں ہے، ابھی عقل میں اتنی پختگی نہیں آئی ہے کہ سب باتیں سمجھ میں آجائیں گی"۔

ہشام: یہی بات ہے۔

زنگی: ہمارا خیال ہے کہ بالڈون شب خون مارنے کی فکر کر رہا ہے۔

ہشام نے جلدی سے کہا "خدا کی قسم یہی بات میری سمجھ میں آئی تھی مگر میں عرض نہیں کر سکا۔ وہ ہمیں دھوکہ دینا چاہتا ہے"۔

عماد الدین: یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو شاید کچھ پتہ چل جائے۔

اب خادم عیسائی سفیر کو لے کر آیا۔ سفیر برنارڈ تھا۔ اس نے قریب آکر بڑے ادب سے زنگی کو سلام کیا۔ زنگی نے بڑی عزت سے اسے اپنے قریب جگہ دی۔ جب وہ بیٹھ گیا تب زنگی نے اس نے پوچھا "کیا پیغام لائے ہو تم؟"

برنارڈ نے عرض کیا "شہنشاہ مشرق، یعنی بیت المقدس کے والی چاہتے ہیں کہ آج جنگ ملتوی رکھی جائے۔

عماد الدین: کیوں؟

برنارڈ: اس لئے کہ وہ چاہتے ہیں کہ آج لاشیں اٹھا کر میدان صاف کر لیا جائے۔

عماد الدین: مسلم شہیدوں کی لاشیں رات ہی اٹھالی گئی ہیں اگر تم اپنے مردے اٹھانا چاہتے ہو تو دوپہر سے پہلے پہلے اٹھا سکتے ہو۔

برنارڈ: کام زیادہ ہے اور وقت کم۔ دوپہر سے پہلے ہم اس کام سے فارغ نہ ہو سکیں گے۔

عماد الدین: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا شہنشاہ آج لڑنا نہیں چاہتا۔

برنارڈ: بات یہی ہے۔

عماد الدین: کیوں لڑنا نہیں چاہتا۔

برنارڈ: شاید اس وجہ سے کہ وہ بیت المقدس کا لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔

عماد الدین: فلک بھی لمبا سفر طے کر کے آیا تھا۔ اس نے کیوں آتے ہی جنگ شروع کر دی تھی؟

برنارڈ: وہ جلد مزاج اور مغرور ہیں۔

عماد الدین: تمہیں معلوم ہے کہ لڑائی کیوں ٹالی جا رہی ہے؟

برنارڈ: مردوں کو اٹھانے کیلئے۔

عماد الدین: برنارڈ تمہیں اصلیت معلوم ہے اور تم چھپا رہے ہو۔

برنارڈ: مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ عرض کر رہا ہوں۔

عماد الدین: تم شاید مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ ہمیں خدا کی مدد سے وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جنہیں ہمارے دشمن چھپانا چاہتے ہیں۔

برنارڈ: اس کا میں قائل ہوں۔

عماد الدین نے برنارڈ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "ہم سے سنو کیا تمہارے شہنشاہ کا ارادہ شب خون مارنے کا نہیں ہے؟"

فرط حیرت و خوف سے برنارڈ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے کہا۔ کیا آپ جن ہیں یا جن آپ کے محکوم ہیں اور ان سے آپ کو یہ بات معلوم ہوئی۔

عماد الدین زنگی کا قیاسی تیر نشانہ پر بیٹھا۔ سفیر نے اپنی لاعلمی اور سادگی سے ان کے قیاس کی تائید کر دی۔ عماد الدین زنگی نے کہا۔

تمہارے بادشاہ کو ہزیمت ہو گی۔ تمہارے بڑے بڑے افسر مارے جائیں گے مگر ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ بتاؤ تمہارے شہنشاہ کا کیا ارادہ ہے؟

برنارڈ: جب آپ کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے تو اب چھپانے سے کیا فائدہ۔ حقیقت میں ہمارے شہنشاہ کا ارادہ آج رات شب خون مارنے کا ہے اگر آپ پر یہ بات نہ بھی ظاہر ہوئی ہوتی تو میں خود آگاہ کر دیتا۔

عماد الدین: کیوں آگاہ کر دیتے؟

برنارڈ: اس لئے کہ مجھے فلک سے نفرت ہے وہ بڑا بدمعاش اور خراب چال چلن کا آدمی ہے اس نے ایک مرتبہ میری بیوی پر دست درازی کی تھی۔ میری بیوی پاک باز ہے اس نے فلک کو بڑی لعنت ملامت کی اور مجھے آ کر سب حال بیان کر دیا۔ مجھے اسی وقت سے اس سے دشمنی پیدا ہو گئی ہے۔

عماد الدین: اچھا اب تم ایک اقرار کرو۔

برنارڈ: بتایئے کیا اقرار کروں۔

عماد الدین: تم اس بات کو اپنے شہنشاہ سے نہ کہو گے کہ ہمیں اس کے شب خون مارنے کا حال معلوم ہو گیا ہے۔

برنارڈ: میں خدا کے بیٹے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز ان پر یہ بات ظاہر نہ کروں گا۔

عماد الدین: تب تم ہماری ذمہ داری میں رہو گے۔ جب عیسائی بھاگنے لگیں تم بے تکلف ہمارے کیمپ میں آ جانا۔ اپنے شہنشاہ سے کہہ دو آج جنگ ملتوی رہے گی۔

برنارڈ: بہت اچھا۔

برنارڈ چلا گیا۔ عماد الدین نے کہا "تم نے سن لیا۔ ہمارا قیاس کس قدر ٹھیک رہا ہے"۔

سب نے عرض کیا "آپ ظل اللہ ہیں' اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کے دل میں یہ بات ڈالی تھی"۔

اب وہ مشورہ کرنے لگے۔

☆☆☆

باب ۲۸

شب خون

برنارڈ جب اپنے کیمپ کی طرف چلا تو سوچتا جاتا تھا کہ اب مسلمان وہ نہیں رہے جنہیں ختم کیا جا سکے جیسا پہلے بہت سے مسلمانوں کو فنا کیا جا چکا ہے' ضرور ان مسلمانوں میں کوئی خاص بات تھی۔ یہ مسلمان سچے اور پکے مسلمان ہیں۔ ایسے مسلمان جو کسی زمانہ میں تھے اور جن کے متعلق ہم بہت کچھ سنتے چلے آ رہے ہیں۔ اسی لیے تو انہوں نے شب خون کی بات معلوم کر لی۔ ان پر فتح پانا بہت مشکل ہے۔ اچھا ہوا انہوں نے مجھے پناہ دیدی جب عیسائیوں کو ہزیمت ہو جائے گی اور مسلمان ان کا تعاقب کریں گے میں بھاگ کر اسلامی کیمپ میں آ جاؤں گا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا وہ اپنے کیمپ میں داخل ہوا اور بالڈون ثانی کے پاس پہنچ کر اس سے کہہ دیا کہ زنگی نے آج جنگ کا التوا منظور کر لیا ہے بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا "یقین ہے اب ایک مسلمان بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکے گا"۔

اس نے کچھ سپاہیوں کو لاشوں کو میدان جنگ سے لانے اور گاڑنے پر مامور کیا' یہ لوگ دوپہر کے بعد تک اس کام میں مصروف رہے۔ اس کارروائی سے بالڈون کا منشا یہ تھا کہ مسلمان انہیں مشغول دیکھ کر ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔

جب دن چھپ گیا تب بالڈون نے اپنے لشکر کے اس کنارہ پر جو مسلمانوں کی طرف تھا روشنی زیادہ کر دی اور کچھ سوار گشت کرنے کے لئے مقرر کر دیئے اس تدبیر سے وہ مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتا تھا۔

جب ایک تہائی رات گذری تب وہ اپنا کل لشکر لے کر کیمپ سے نکلا۔ اسکی فوجیں قلب کے دونوں بازوؤں کی طرف سے نکل کر مسلمانوں کے قلب کی طرف بڑھیں انہوں نے چلنے میں یہ احتیاط کی کہ کسی قسم کا کھڑکا یا شور نہ ہو۔

ایک طرف خود بالڈون تھا اور دوسری طرف فلک تھا ان دونوں کے ساتھ چھوٹے بڑے افسر تھے وہ آہستہ آہستہ اسلامی کیمپ کی طرف بڑھنے لگے ان کی خوش قسمتی سے رات اندھیری تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا آسمان میں تارے جگمگا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ساکنان فلک نے چھوٹے بڑے قندیلوں سے آسمان کو آراستہ کیا ہے ان بے شمار ستاروں کا عکس زمین پر پڑ رہا ہے اس سے اتنا اجالا ضرور تھا کہ دو چار قدم کی چیزیں اچھی طرح نظر آجاتی تھیں لیکن جب نظر لمبی کر کے دیکھتے تھے تو سیاہ پردے حائل ہو جاتے تھے۔

عیسائی بڑھ رہے تھے۔ اسلامی لشکر میں روشنی بہت معمولی تھی۔ اس روشنی میں کبھی کبھی اکا دکا مسلمان چلتا پھرتا نظر آجاتا تھا۔ یہ روشنی ہی عیسائیوں کی رہنمائی کر رہی تھی اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا کہ اسلامی کیمپ کس طرف ہے۔

آخر چلتے چلتے عیسائی کیمپ میں پہنچ گئے' بہادر عیسائیوں نے تلواریں سونت لیں ان کا ارادہ ایک سرے سے قتل کرنے کا تھا۔ مگر جب وہ کیمپ میں پہنچے اور خیموں کے اندر گھسے تو انہوں نے وہاں کسی مسلمان کو بھی نہ پایا وہ نہایت حیران و پریشان ہوئے جب وہ کچھ اور بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں نہ کیمپ ہے نہ خیمے ہیں نہ مسلمان ہیں انہیں بڑی حیرت ہوئی ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ دفعتاً ایک طرف روشنی ہونی شروع ہوئی۔ انہوں نے اس روشنی میں دیکھا کیمپ اس طرف تھا۔ مسلمان وہاں مسلح کھڑے تھے۔

بات یہ ہوئی کہ عماد الدین زنگی نے دن چھپتے ہی کچھ خیمے اپنے میمنہ اور قلب کے گوشہ میں کھڑے کروا کر وہاں روشنی کروا دی تھی۔ باقی کسی طرف بھی روشنی نہیں کرائی تھی بالڈون اور اس کا لشکر اس طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ قلب اور میمنہ کے بیچ میں پھنس گیا اس سے عیسائیوں کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اور جب انہوں نے زنگی کے قلب میں مسلمانوں کو مسلح اور صف بستہ کھڑا دیکھا تو ان کے دل کانپ گئے۔

مگر وہ فوراً مسلمانوں کی طرف جھپٹے اور ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اور عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے انہوں نے اس سختی سے حملہ کیا اور اس شدت سے مار کاٹ شروع کی کہ عیسائیوں کا سیلاب رک گیا۔

لیکن عیسائیوں کو بھی جوش' یا یہ سمجھ کر کہ موت سروں پر گھوم رہی ہے انہوں نے جانیں دینے اور جانیں لینے کی ٹھان لی وہ بھی مسلمانوں میں گھس گئے اور موت کی لڑائی لڑنے لگے۔

عیسائیوں کا قاعدہ تھا کہ وہ لڑتے وقت شور کیا کرتے تھے۔ اب بھی انہوں نے شوروغل مچانا شروع کر دیا۔ چلا رہے تھے اور تلواریں چلا رہے تھے مسلمان خاموش تھے۔ بڑی خاموشی سے گھمسان کی لڑائی لڑ رہے تھے بڑے زور کی جنگ ہو رہی تھی۔ تلواروں کی کھٹا کھٹ اور زخمیوں کی چیخ وپکار سے میدان جنگ عرصہ محشر بنا ہوا تھا۔ زمین کانپ رہی تھی اور فضا تھرا رہی تھی۔ تلواریں چل رہی تھیں، نیزے مارتے۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے خون کی بارش ہو رہی تھی۔

اسلامی کیمپ میں روشنی بڑھتی جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مشعلوں پر مشعلیں جلائی جا رہی ہیں اس روشنی میں جنگ کا خوفناک منظر صاف نظر آ رہا تھا یہ روشنی زنگی کے قلب میں تھی قلب ہی کے مسلمان عیسائیوں کے مقابلہ میں آئے تھے ان مسلمانوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

زنگی نے اس ترتیب سے اپنے لشکر کو فروکش کیا تھا کہ پانچ ہزار مسلمان قلب میں تھے دو ہزار میمنہ میں دو ہزار میسرہ میں اور ایک ہزار ساقہ میں۔

بالڈون نے بیس ہزار عیسائیوں کو ساتھ لے کر شب خون مارا تھا۔ ان بیس ہزار عیسائیوں کے مقابلہ میں صرف پانچ ہزار مسلمان تھے گویا ایک مسلمان کا مقابلہ پانچ عیسائیوں سے تھا۔

مسلمان بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے نہایت پھرتی اور بڑی قوت سے حملے کر رہے تھے انہوں نے عیسائیوں کی صفیں درہم برہم کر دی تھیں ان کے اندر گھسے ہوئے جنگ کر رہے تھے ان کی تلواریں بے پناہ ہو گئی تھی جس عیسائی پر پڑتی تھیں اس کے ٹکڑے اڑا ڈالتی تھیں ہر مسلمان جوش و غضب سے شیر بن گیا تھا۔ شیر کی طرح حملہ کر رہا تھا۔

عیسائی بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے نہایت تیزی سے حملے کر رہے تھے جوش میں آ آ کر تلواریں چلا رہے تھے وہ بھی مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے ان کی تلواریں بھی مسلمانوں کا خون بہا رہی تھیں۔

فریقین کے پرجوش بہادر نہایت ہی جانبازی سے لڑ رہے تھے تلواریں بڑی پھرتی سے اٹھ اٹھ کر جھک رہی تھیں۔ انسانوں کے کان ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے اور دھڑوں پر دھڑ گر رہے تھے۔ ہر دھڑ میں سے خون اس طرح بہہ رہا تھا جیسے پانی کے مشکیزے کھل گئے ہوں۔

چونکہ عیسائی تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لئے انہیں یہ قطعی یقین تھا کہ مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں گے مگر مسلمانوں کو جوش انتقام نے نڈر اور دلیر کر دیا تھا وہ یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ عیسائیوں کو گھاس پھونس کی طرح کاٹ ڈالیں گے اس لئے وہ بڑی ہی سختی سے حملے کر کے انہیں قتل کر رہے تھے۔

ابھی تک عماد الدین زنگی پانچسو سواروں کے ساتھ علیحدہ کھڑے تھے اب وہ نعرہ تکبیر لگا کر بڑھے ان کے ہمراہیوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اور نہایت سختی سے حملہ کیا۔ مسلمان اس نعرہ کو سن کر سنبھلے' انہوں نے بھی پوری شدت سے حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ نہایت ہی سخت ہوا انہوں نے بے شمار عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ٹھیک اسی وقت عیسائیوں کی پشت کی طرف سے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ ساتھ ہی اس طرف سے بھی مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ میمنہ کے مسلمانوں نے کیا تھا وہ جوش میں بھرے ہوئے تھے انہوں نے تلواروں کی باڑوں پر عیسائیوں کو رکھ لیا اور بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

عیسائیوں کو اس طرف سے حملہ کی توقع نہ تھی نہ وہ اس طرف مدافعت کے لئے تیار تھے جب تک عیسائی مسلمانوں کی طرف پلٹے ان کے بیشمار جانباز مارے گئے۔ اس طرف فلک تھا۔ اس پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی۔ اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہا۔ لیکن اس سے پہلے وہ مسلمانوں سے ہزیمت اٹھا چکا تھا اسے خوف ہوا کہ اگر اب بھی بھاگا تو بالڈون اسے زندہ نہ چھوڑے گا اس لئے وہ جما رہا اور اس نے کچھ لشکر کو مسلمانوں کی طرف لوٹایا۔

لیکن میمنہ کے مسلمان کچھ ایسے جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ انہوں نے ان عیسائیوں کو جو ان کے مقابلہ میں آئے اس طرح قتل کرنا شروع کر دیا جیسے وہ قتل ہونے ہی کے لئے ان کے سامنے آئے ہوں انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

عیسائی دو پاٹوں کے بیچ میں آکر پسنے لگے۔ اگرچہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور ہٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے مگر مسلمان جیسے لوہے کے بن گئے تھے نہ آسانی سے قتل ہوتے تھے نہ پیچھے ہٹتے تھے بلکہ مارتے کاٹتے آگے ہی بڑھتے جاتے تھے۔

عماد الدین زنگی کے جنگ میں شریک ہونے سے لڑائی کی شدت بڑھ گئی تھی ہر مسلمان بڑی سختی سے حملہ کر رہا تھا اگرچہ مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے مگر بہت کم ایک ایک مسلمان کئی کئی عیسائیوں کو مار کر مرتا تھا اور مرتے مرتے بھی ایک دو عیسائیوں کو لے مرتا تھا۔

جبکہ جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی اور سروں پر سر اور دھڑوں پر دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے' خوفناک تلواریں خون برسا رہی تھیں' اس وقت پھر اللہ اکبر کی پر شور آواز آئی۔ یہ ساقہ کے سواروں کی آواز تھی انہوں نے بھی حملہ کر دیا اور آتے ہی نہایت زور سے وار کر کے عیسائیوں کو مار کاٹ کر پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ ان کا حملہ بہت ہی سخت ہوا۔ وہ صرف ایک ہزار تھے مگر

انہوں نے اس شان سے حملہ کیا جیسے کئی ہزار آدمی حملہ آور ہوئے ہوں۔ انہوں نے تلواروں پر عیسائیوں کو رکھ لیا اور ان کے سروں کو آسانی سے اڑانا شروع کر دیا۔

اس حملہ سے عیسائی سہم گئے۔ دو پاٹوں کے بیچ میں تو وہ تھے یہ تیسری طرف سے مصیبت نازل ہوئی ان پر خوف چھا گیا وہ تیزی سے پسپا ہونے لگے۔ عماد الدین زنگی نے دیکھ لیا' انہوں نے پکار کر کہا "شیران اسلام' بزدل عیسائی بھاگنے لگے ہیں۔ کوشش کرو کہ ان میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہ جانے پائے"۔

مسلمانوں میں اس سے اور جوش پیدا ہوا۔ اور انہوں نے ہر طرف سے نہایت شدت سے حملہ کیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "مسلمانوں نے عظیم خونریزی شروع کر دی۔ انہوں نے بھیڑوں اور بکریوں کی طرح انہیں ذبح کر ڈالا۔ ان کی لاشوں سے میدان پاٹ دیا"۔

جب عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواروں سے پناہ ملنی مشکل ہے تو وہ ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ بڑی بدحواسی سے بڑی ہی بے ترتیبی سے بھاگے۔ ان کے بھاگنے کو صرف ایک طرف سے راستہ تھا' ادھر ہی سے بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے لگ گئے۔ وہ انہیں مارتے کاٹتے ان کے تعاقب میں دوڑتے رہے۔ انہوں نے قدم قدم پر ان کی لاشیں گرا دیں۔ اور ان کی لاشوں کو روندتے ہوئے ان کے پیچھے چلے گئے۔

........☆☆☆........

باب ۲۹

شاندار فتح

عیسائی بری طرح پسپا ہوئے۔ انہیں ہر مسلمان موت کا فرشتہ نظر آیا۔ وہ موت سے بچنے کے لئے بھاگے۔ مگر موت کہاں چھوڑنے والی تھی۔ ان کے پیچھے دوڑ رہی تھی وہ بھاگ رہے تھے اور مر رہے تھے۔ موت سے کہیں چھٹکارہ نہیں ملتا۔ مسلمان تلوار سونتے ان کے پیچھے تھے۔ جو ذرا ٹھٹکتا یا پیچھے پھر کر دیکھتا کوئی نہ کوئی مسلمان اس کے سر پر جا پہنچتا اور اسے قتل کر ڈالتا۔

عیسائی بھاگ رہے تھے' چلا رہے تھے۔ شور فریاد کر رہے تھے' مسلمانوں کو دیکھ کر سہم جاتے' سر جھکا دیتے اور گردنیں کٹوا لیتے' بھاگنے پر بھی وہ مسلمانوں سے نہ بچ سکے۔

بالڈون اور فلک کئی سرداروں اور بہت سے سواروں کے ساتھ گھوڑے دوڑائے اڑے چلے جا رہے تھے وہ اپنے کیمپ میں پہنچ کر پناہ لینا چاہتے تھے' انہیں اپنا کیمپ ہی پناہ گاہ معلوم ہو رہا تھا ان کے پیچھے ان کا بچا کچھا لشکر بری طرح سہما ہوا بھاگ رہا تھا ان کی فوج کا ہر سپاہی دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش میں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جو تیز بھاگے گا وہ بچ سکے گا جو بھاگنے میں کوتاہی کرے گا وہ مارا جائے گا۔

عیسائی وسیع میدان میں متفرق گروہوں کی صورت میں بھاگ رہے تھے بے اوسان ہوئے۔ مسلمان ان کے پیچھے تھے وہ انہیں مارتے کاٹتے۔ گراتے اور بچھاتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے امیر نے انہیں حکم دیا تھا کہ ان میں سے ایک کو بھی بچ کر نہ جانے دیں۔ وہ اس حکم کی تعمیل کر رہے تھے اس کے علاوہ انہیں یہ غصہ تھا کہ انہوں نے اور ان کے بھائیوں نے بیگناہ مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ بچوں کو ذبح کیا تھا۔ عورتوں کو بے حرمت کیا تھا ان کے سینوں میں انتقام کا کوہ آتش فشاں دہک رہا تھا۔ وہ انتقام لینا چاہتے تھے اس جوش نے انہیں بہادر بنا دیا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ عیسائیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے وہ بالڈون اور فلک کو مار ڈالنے کی فکر میں تھے وہ صرف اس لڑائی کے فیصلہ پر تلے ہوئے نہیں تھے بلکہ یہ چاہتے تھے کہ عیسائیوں کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ بیت المقدس تک ان کا مقابلہ نہ کر سکیں اس لئے وہ اس کے قتل میں بڑی کوشش کر رہے تھے۔

خود عماد الدین زنگی بھی تعاقب کر رہے تھے وہ اور ان کا رسالہ قہرالٰہی بن کر عیسائیوں پر جھپٹ رہا تھا جو عیسائی ان کے سامنے آجاتا تھا یا جن عیسائیوں تک وہ پہنچ جاتے تھے انہیں مار ڈالتے تھے ان کی تلواریں موت کا فرشتہ بن گئیں تھیں جن عیسائیوں کو چھو جاتی تھیں وہ قتل ہو کر لمبے لمبے لیٹ جاتے تھے۔ جبکہ عیسائی اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے پیچھے پڑے انہیں قتل کر رہے تھے۔ اس وقت صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے' مشرق کی طرف سے اجالا پھیلنے اور مغرب کی طرف اندھیرے سمٹنے لگا تھا۔ آسمان مسکراتا ہوا معلوم ہو رہا تھا گویا وہ اس بات پر تبسم کر رہا تھا کہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا مل رہی تھی مظلوم ظالموں سے اپنا بدلہ لے رہے تھے۔ جو لوگ اپنی کثرت کے زعم میں کم اور کمزوروں کو مٹانے آئے تھے۔ خدا نے ان کی مدد کی تھی۔ اور وہ کم اور کمزور بھی کثیر اور زور آوروں پر غالب ہو گئے تھے یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔

صبح کے اجالے میں عیسائیوں کی ٹکڑیاں بھاگتی ہوئی صاف نظر آنے لگی تھیں مسلمانوں کی آنکھیں سی کھل گئی تھیں۔ وہ ہر ٹکڑی کے پیچھے لگ گئے تھے اور انہیں قتل کرتے اور دباتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

اب بھی عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں کے قریب قریب برابر تھی بہت کچھ مارے جانے پر بھی وہ ان سے کم نہیں ہوئے تھے اگر وہ خود خوفزدہ ہو کر نہ بھاگتے جم کر مقابلہ کرتے تو اس بری طرح ذبح نہ ہوتے جس طرح ہو رہے تھے اگر ہوتے بھی تو مسلمان کو بھی مارتے۔ مگر ان میں لڑنے اور مقابلہ کا حوصلہ ہی باقی نہ رہا تھا۔ انہیں جانیں بچانے کی فکر تھی بھاگ کر جانیں بچانا چاہتے تھے لیکن ان کی جانیں نہ بچتی تھیں۔ بھاگ رہے تھے اور قتل ہو رہے تھے۔ دراصل بزدلوں کو دنیا میں رہنے کی گنجائش نہیں ہوتی' نامردوں کے لئے خدا کی وسیع زمین تنگ ہو جاتی ہے جو لوگ اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں وہی کامیاب اور سرخرو ہوتے ہیں جو جانیں بچانا چاہتے ہیں ان کی جانیں نہیں بچا کرتیں۔

چنانچہ مسلمان جانوں پر کھیل رہے تھے۔ وہ عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے اور عیسائی جانیں بچا رہے تھے وہ مر رہے تھے ان پر تھوڑے سے مسلمان غالب آگئے تھے۔ بات یہ بھی ہے کہ ظالم بہادر نہیں ہوتے۔ ان میں ظاہری اکڑفوں ہوتی ہے جب مظلوم ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاتے ہیں تو وہ بھاگ نکلتے ہیں۔

غرض بھاگتے دوڑتے عیسائی اپنے کیمپ میں پہنچ گئے وہاں قریب قریب دس ہزار عیسائی

موجود تھے، مگر نہ وہ مسلح تھے نہ لڑنے کے لئے تیاری تھے۔ عیسائی کو بے اوسان بھاگ کر آتے ہوئے دیکھ کر خود بھی ڈر گئے۔

بالڈون نے کیمپ میں داخل ہو کر پکارا، بہادرو! مسلمانوں کا مقابلہ کرو عیسائیوں جلدی جلدی مسلح ہونے لگے مگر اس عرصہ میں مسلمان کے کیمپ میں آگھسے اور وہاں بھی انہوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ مسلمان چاروں طرف پھیل گئے اور عیسائیوں کو بیدریغ قتل کرنے لگے۔ انہوں نے انہیں پورے طور پر مسلح ہونے کی مہلت ہی نہ دی۔

مسلمانوں کا قلب میمنہ اور سراقہ عیسائیوں کے پیچھے لگے چلے آئے تھے، تھوڑی دیر میں میسرہ نے بھی آکر حملہ کر دیا گویا اب مسلمانوں کا تمام لشکر حملہ آور ہو گیا مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے عیسائی کیمپ کے اندر گھس گئے اور انہوں نے تلواروں پر عیسائیوں کو رکھ لیا۔ کھیرے اور ککڑی کی طرح، انہیں کاٹنے لگے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے نامور زنگی اور ان کی بہادر فوج نے عیسائیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے ان قدر خون بہایا کہ گھوڑے پھسلنے لگے۔ خدا کی شمشیر بے پناہ ہو گئی تھی اور ظالم عیسائی بیدریغ قتل ہو رہے تھے۔

عیسائی شب خون مارنے گئے تھے، مسلمانوں کو قتل کرنے کچل ڈالنے کے لئے لیکن وہ خود ہی پس گئے وہ مسلمانوں کے سامنے بھاگ کر اپنے کیمپ میں پناہ لینے کے لئے آئے تھے لیکن انہیں ان کے کیمپ میں بھی پناہ نہیں ملی۔ مسلمان وہاں بھی گھس آئے اور نہایت سختی سے انہیں قتل کرنے لگے ان کے کیمپ میں بھی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے خون کے دریا بہہ گئے۔

اب آفتاب نکل آیا تھا دھوپ میدان میں پھیل گئی تھی۔ فریقین رات بھر لڑتے رہے تھے رات کے اندھیرے میں یہ پتہ نہ چل سکتا تھا کہ کون کون افسر کہاں لڑ رہا ہے اب دھوپ میں سب کچھ نظر آنے لگا تھا، ہشام بھی لڑ رہے تھے اور ان کا رسالہ نہایت خونریزی کر رہا تھا۔

عیسائی رکے اور جم کر لڑنے لگے مگر مسلمانوں کے پر زور حملوں نے ان کے قدم اکھاڑ دیئے وہ پسپا ہوئے، عماد الدین زنگی نے للکار کر کہا "مجاہدین اسلام! تمہارا ایک حملہ دشمنوں کو بھگا دے گا پر زور حملہ کرو۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا اور نہایت سختی سے حملہ کیا انہوں نے اس حملہ میں بے شمار عیسائیوں کو مار ڈالا۔ اب عیسائیوں کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ انہوں نے حوصلہ ہار دیا۔ انہیں کیمپ میں بھی پناہ نہ ملی وہ وہاں سے بھی بھاگے انہیں ہزیمت ہوئی اور ایسی ہزیمت کہ ان کی

دھاک جاتی رہی ان کی بھاری تعداد ماری گئی بہت کم لوگ بھاگ کر اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ انہیں ان کے کیمپ میں نکال دیا اور جب وہ بہت دور نکل گئے تب وہ لوٹے۔ عماد الدین زنگی گھوڑے سے نیچے اترے۔ انہوں نے سجدہ ریز ہو کر خدا کا شکر ادا کیا۔

عماد الدین زنگی کو یہ ایسی فتح حاصل ہوئی جس نے انہیں تمام مشرق میں مشہور کر دیا اور عیسائیوں پر ان کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ان کا نام سن کر ہی لرزنے لگے۔

......☆☆☆......

باب ۳۰

اشرب کی طرف روانگی

عیسائی نہایت ہی بدحواسی سے ایسے بے اوسان ہو کر بھاگے کہ کیمپ کا کچھ سامان یا کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔ ہر چیز جوں کی توں وہیں رکھی رہ گئی۔ اس زمانے کے عیسائی بڑے عیش طلب تھے' زیب و زینت اور آرام و راحت کے ایسے ایسے سامان ساتھ رکھتے تھے جو مذہبی عیسائیوں نے شاید دیکھے بھی نہ ہوں گے۔

عام سپاہیوں کے بستر نرم' کپڑے ریشمی اور کھانے پینے کے برتن قیمتی ہوتے تھے' افسروں کے کپڑے فوق البھڑک فرش قالینوں کے اور بستر ریشم کے ہوتے تھے' چاندی کی قابیں اور سونے کے پیالے شراب پینے کے ہوتے تھے' بڑے افسروں کی زرہ بکتریں سونے کی اور ملبس سونے کی ہوتی تھیں۔ ہیکل اور جوش سونے کے ہوتے تھے اور بادشاہ بالڈون کا فرش نہایت نرم خوشنما اور قیمتی قالینوں کا تھا۔ قالینوں پر مخملی مسندیں تھیں جن میں سونے کے باریک تاروں کا کام تھا بادشاہ کی زرہ چاندی کی تھی جس میں سونے کا حاشیہ تھا۔ تاج سونے کا تھا جس میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے کئی زیورات سونے اور لعل و جواہرات کے تھے۔ تمام برتن چاندی سونے کے اور شراب پینے کے پیالے خالص سونے کے زمرد و پکھراج سے جڑے ہوئے تھے' عیسائی یہ سب ساز و سامان چھوڑ گئے تھے بالڈون کے پاس کئی زرہیں تھیں وہ ایسی زرہ پہن کر شبخون مارنے گیا تھا جو لوہے کی تھی اور جس پر چاندی کے حاشئے تھے۔ دو تاج تھے ایک تاج عمودی خود نما تھا اور دو سر تاج کلاہ نما تھا۔ وہ خود نما تاج اوڑھ کر گیا تھا۔ غرض اس کی قیمتی زرہیں اور تاج وہیں رہ گئے تھے۔

ان کے علاوہ بہت کچھ نقدی اور رسد تھی رسد میں شراب کے پیپے تھے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے تعاقب سے واپس آکر اول عیسائی کیمپ پر چھاپہ مارا۔ وہاں کی ہر چیز کو ایک بڑے

میدان میں لا کر جمع کرنا شروع کیا۔ چونکہ وہاں عیسائیوں کی بےشمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں اس لئے مسلمانوں نے اس کیمپ میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا وہاں کی ہر چیز اٹھا کر اس طرف میدان میں لے گئے جہاں جنگ نہیں ہوئی تھی اور جس طرف لاشیں نہیں پڑی ہوئی تھیں۔

خیمے سائبان اور فرش بھی اٹھا لے گئے۔ کسی مسلمان نے کوئی چیز علیحدہ نہیں کی۔ سب لا کر ڈھیر کر دیں۔ چاندی اور سونے کی چیزیں آفتاب کی شعاعوں سے جگمگانے لگیں۔

جبکہ مال غنیمت جمع کیا جا رہا تھا اس وقت عماد الدین زنگی نے ڈھائی سو آدمیوں کو مسلمانوں کی لاشیں جمع کرنے کا حکم دیا وہ ہر اس میدان میں جا جا کر جہاں جنگ ہوئی تھی۔ لاشیں لانے اور ایک جگہ جمع کرنے لگے زنگی نے پچاس آدمیوں کو عیسائیوں کی لاشیں شمار کرنے کی ہدایت کی وہ میدان میں پھیل گئے اور لاشیں شمار کرنے لگے کچھ مسلمان کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

دوپہر کے قریب مجاہدین کی لاشیں ایک جگہ جمع کر دی گئیں کئی کئی مرتبہ لوگوں نے ہر طرف گھوم پھر کر اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ کوئی اور شہید تو پڑے نہیں رہ گئے جب اور کوئی نہیں ملے تب عماد الدین زنگی کو اطلاع دی گئی وہ لشکر لے کر وہاں آئے اور سب نے شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر زنگی نے گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔ سو آدمی گڑھے کھودنے لگے کچھ آدمی شہیدوں کو شمار کرنے لگے پانچ سو اکہتر آدمی ان دونوں معرکوں میں شہید ہوئے یعنی پہلے روز کی لڑائی میں شبخون والی رات کو اس کے بعد ایک ایک گڑھے میں کئی کئی شہید دفن کر دئے گئے۔

اس کام سے فارغ ہو کر عماد الدین زنگی اس جگہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع کیا تھا وہاں وہ لوگ بھی آ گئے جنہوں نے عیسائی مقتولین کو شمار کیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ پندرہ ہزار ایک سو ساٹھ عیسائی مارے گئے ہیں پانچ ہزار سے زیادہ پہلے روز مارے گئے ہیں اس طرح بیس ہزار سے زیادہ عیسائی کام آئے۔

اگرچہ مسلمانوں کو پانچ سو مجاہدین کے شہید ہو جانے کا رنج ہوا۔ لیکن اس رنج کا اس وجہ سے زیادہ احساس نہیں ہوا کہ بیس ہزار عیسائی بھی مارے گئے تھے۔

عماد الدین زنگی نے خلفائے راشدین کے طریقہ پر مال غنیمت کے پانچ حصے کئے۔ ایک حصہ کو حکومت کے مصارف کے لئے علیحدہ کر لیا اور چار حصے لشکر میں تقسیم کر دئے جو لوگ شہید ہو گئے تھے ان کے وارثوں کے لئے کچھ مال الگ کر دیا شراب کے پیپے زمین میں دفن کرا دئے

ہشام کو بالڈون کی چاندی کی زرہ بکتر دی اور جس افسر کے انہوں نے نیزہ مارا تھا اور وہ گرفتار

ہو گیا تھا اس کے سونے کے بازو اور اس کا خیمہ دوسرا تمام سامان انہیں عطا کر دیا۔ انہیں سامان کے آنے کی بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ عماد الدین زنگی ان سے بالکل اپنے بیٹے کی طرح محبت کرنے لگے تھے وہ تھے بھی محبت کئے جانے ہی کے قابل۔ نہایت شائستہ اور بڑے خوبرو تھے جب فوجی لباس پہن کر نکلتے تھے تو ان کا چہرہ چمک اٹھتا تھا۔

تقسیم سے فارغ ہو کر صبح کی قضا نماز ادا کی اور اس کے بعد کھانا کھا کر اپنے کیمپ میں گئے اور آرام کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ظہر کی اذان ہوئی سب نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

عماد الدین زنگی نے نماز کے بعد افسروں کو بلا کر مجلس شوریٰ منعقد کی' انہوں نے کہا۔

رب العالمین کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہم ناچیزوں کو ٹڈی دل عیسائیوں پر فتح عطا فرمائی اور ایسی شاندار فتح جس نے بیت المقدس کے بادشاہ کا غرور توڑ دیا۔ عیسائیوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری کر دی۔

میرے دل میں انتقام کی آگ دھک رہی ہے۔ میرے عہد میں مسلمان ذبح کئے گئے ہیں۔ بچوں کو بڑی سفاکی سے ہلاک کیا گیا ہے عورتوں کی بے حرمتی ہوئی ہے' مسلمانوں کو کمزور اور اسلام کو ضعیف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں نے ان سب باتوں کا انتقام لینے کے لئے عزم جہاد کیا ہے۔ خدا میری مدد کرے اور مجھے میرے ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔

اب وہ لشکر جو اشرب کو بچانے اور ہمیں مٹانے کے لئے بڑی شان و شوکت اور کروفر سے آیا تھا تباہ اور برباد ہو گیا' ضرورت اس مشورہ کی یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں آیا اشرب کی طرف بڑھیں' یا یہیں رہ کر یہ دیکھیں کہ اب بالڈون کیا کرتا ہے۔

سب سے پہلے کمال نے عرض کیا۔ اعلیحضرت بالڈون کو جو سبق اس میدان میں ملا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ وہ پھر مقابلہ میں آنے کی جرات کرے اس لئے یہاں رہ کر اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ کیا کرتا ہے وقت کو ضائع کرنا ہے' ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑھ کر اشرب کا محاصرہ کر لیا جائے۔

ایک اور افسر نے کہا "جو بات میں کہنے والا تھا وہ کمال صاحب نے بڑی وضاحت کے ساتھ کہہ دی۔ میری بھی یہی رائے ہے کہ اشرب کی طرف پیش قدمی کی جائے۔

عماد الدین زنگی نے ہشام سے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے کمسن مجاہد"

ہشام نے عرض کیا ابا جان نے جو فرمایا وہ ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں بھی اب عیسائی بادشاہ لڑنے کی جرات نہ کرے گا اس میں ہمت ہوتی تو بھاگتا ہی کیوں۔ اور اپنے آدمیوں کی اتنی بڑی تعداد

کیوں قتل کراتا۔ اشرب کی طرف بڑھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ کہیں عیسائی غصہ میں آ کر ان مسلمانوں کو قتل نہ کر ڈالیں جو ان کے اسی قید ہیں۔

عماد الدین زنگی نے کہا "ادھر آؤ کمسن مجاہد"

ہشام اٹھ کر زنگی کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا "خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تم اتنی کمسنی میں کیسی سمجھ کی باتیں کرتے ہو۔ اللہ تمہیں ہر بلا سے بچائے۔

ہشام نے جھک کر زنگی کو سلام کیا۔ زنگی نے فوجی افسروں سے مخاطب ہو کر کہا ہشام نے بالکل سچ کہا ہے اگر اشرب پر لشکر کشی نہ کی گئی تو عیسائی یقینا مسلمان قیدیوں کو شہید کر ڈالیں گے۔

کمال:۔ بیشک یہ اندیشہ بھی ہے اور اس لئے جلد سے جلد اشرب پر پہنچنے کی ضرورت ہے۔

عماد الدین:۔ کسی صاحب کی کوئی اور رائے تو نہیں ہے؟ سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا "نہیں" یہی مشورہ ٹھیک ہے کہ اشرب پر لشکر کشی کی جائے۔

عماد الدین:۔ اچھا تو صبح کی نماز پڑھ کر لشکر اشرب کی طرف روانہ ہو سب سے پہلے کمال بطور ہراول کوچ کریں۔ ان سے چند گھنٹے کے بعد مسعود ایک ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہوں اور ظہر کی نماز کے بعد احمد رفیع بڑھیں۔ کل صرف اتنے ہی لوگ چلیں اور پرسوں فجر کی نماز پڑھ کر شمس الدین روانہ ہوں۔ ان کے بعد ہشام چلیں اور ظہر کی نماز پڑھ کر ہم روانہ ہوں گے۔ یہ سب لوگ ایسی ترتیب سے چلتے رہیں کہ اشرب کے قلعے کے سامنے اتنے ہی وقفہ سے ایک دوسرے کے بعد پہنچیں جتنے وقفے کے بعد یہاں سے روانہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی دو لشکر آپس میں مل جائیں۔

اس کے بعد مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی۔

رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر عماد الدین نے پانچ سو سوار گشت کے لئے مقرر کر دیئے۔ انہیں یہ ہدایت کر دی کہ ذرا بھی کھٹکا دیکھیں تو فوراً تمام لشکر کو ہوشیار کر دیں۔ زنگی کو یہ خیال تھا کہ کہیں عیسائی پھر شبخون نہ ماریں۔ لیکن رات کو کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور صبح کی نماز پڑھ کر لشکروں کی روانی اشرب کے قلعہ کی طرف شروع ہو گئی۔

.......☆☆☆.......

باب ۳۱

اشرب میں مسلمانوں کی آمد

اشرب کے عیسائیوں کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ عماد الدین زنگی اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے بیت المقدس کے بادشاہ بالڈون کو اس کی اطلاع دے دی تھی مگر ان کی اطلاع کرنے سے پہلے ہی بالڈون کو خبر ہو گئی تھی اور وہ عظیم الشان لشکر لے کر عماد الدین زنگی کے مقابلہ کے لئے چل پڑا تھا۔ اس نے اشرب کے سفیر کو تسلی دے کر واپس کر دیا تھا۔ اشرب والوں نے جب سنا کہ ان کا شہنشاہ فوج گراں لے کر زنگی کے مقابلہ میں گیا ہے تو انہیں بڑی خوشی ہوئی تھی انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بالڈون مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی واپس لوٹے گا ان کی نگاہیں اس لڑائی کی طرف لگی ہوئی تھیں اور صرف ان کی ہی نہیں بلکہ تمام عیسائی فرمانروا خصوصاً انطاکیہ اور اعزاز بادشاہوں کی نگاہیں بھی لگی ہوئی تھیں۔

بات یہ ہے کہ جب سے صلیبی لڑائیاں شروع ہوئی تھیں اور عیسائیوں نے یورپ سے ایشیا میں آ کر اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں اس وقت سے مسلمانوں میں کوئی ایسا فرمانروا نہیں ہوا تھا جس نے عیسائیوں پر یورش کرنے کی جرات کی ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض مسلم فرمانرواؤں نے صلیبی عیسائیوں کو روکنے کی کوشش کی تھی اور اس روکنے کے سلسلے میں بڑی بڑی خونریز لڑائیاں بھی لڑی تھیں ان میں قزل ارسلان کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے انہوں نے پہلی مرتبہ دو لاکھ عیسائیوں کا مقابلہ کر کے انہیں ہزیمت دی اور دوسری مرتبہ سات لاکھ عیسائیوں کو پامال کر ڈالا۔ ان کے کارنامے نہایت ہی شاندار اور بہت ہی عجیب و غریب ہیں۔ سچ پوچھو تو انہوں نے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ وہ ترک تھے۔ پہلی صلیبی جنگ میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے' ان کی ہیبت یورپ کے عیسائیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

ان کے بعد ملک شاہ سلجوقی نے عیسائیوں کے سیلاب کو روکا اور نہایت بہادری سے

عیسائیوں کا مقابلہ کیا' تیسر نام بانستان کا لیا جاتا ہے جو انطاکیہ کے والی تھے انہوں نے بھی عیسائیوں کا مقابلہ بڑی سرفروشی سے کیا تھا۔

لیکن یہ باتیں اس وقت کی ہیں جبکہ مسلمان دیندار اور پرہیز گار تھے مگر جب عیسائی ایشیا میں پھیل گئے اور ان کی حکومتیں بیت المقدس میں انطاکیہ میں اور اعزاز میں قائم ہو گئیں اور مسلمانوں پر ان کا اثر پڑا تو وہ گمراہ ہو گئے اور اسکا یہ اثر ہوا کہ ان مسلمانوں پر عیسائیوں کا رعب پڑ گیا' عیسائیوں نے انہیں کچلنا اور مسلنا شروع کر دیا۔ اب قدرت نے ان کے مقابلہ کے لئے عماد الدین زنگی کو پیدا کر دیا تھا۔

بالڈون کی ہزیمت کی خبر چھپ نہ سکی۔ تمام عیسائی ممالک میں بجلی پر لگار کر دوڑ گئی اشرب والوں کو بھی معلوم ہو گیا ان پر خوف و ہراس چھا گیا۔ انہوں نے مدد کے لئے انطاکیہ اور اعزاز (اڑیسہ) میں اپنے سفیر بھیجے لیکن کوئی بھی ان کی مدد کو تیار نہ ہوا۔

اشرب کا قلعہ خاصا مضبوط اور محفوظ تھا۔ عیسائیوں نے اسے اور بھی مستحکم کر لیا۔ فصیلوں پر آلات حرب کثرت سے پہنچا دیئے اور سپاہیوں کو چڑھا دیا۔ جب سے انہوں نے بالڈون کی ہزیمت کی خبر سنی تھی اس وقت سے ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہتے تھے۔

آخر ایک روز گرد و غبار نمودار ہوا۔ عیسائیوں میں شور ہو گیا کہ مسلمان آ گئے شہری عیسائی سہم گئے اور فوجی فکر مند ہو گئے' اشرب کا عیسائی فرمانروا افسروں کو لے کر برج میں جا پہنچا وہ غبار میں دیکھنے لگے۔ غبار دم بدم قریب آتا جاتا تھا' آخر غبار کا دامن چاک ہوا اور اسلامی سوار نظر آئے یہ کمال کا دستہ تھا بڑی شان سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ان کے ساتھ چوبی کلیں بھی تھیں جنہیں منجنیقیں کہتے ہیں اور جو بالڈون کے کیمپ سے ہاتھ آئی تھیں۔ مسلمان انہیں بڑے اطمینان سے دھکیلتے چلے آ رہے تھے' وہ قلعہ کے سامنے والے میدان میں آ کر رکے اور جلدی جلدی خیمے نصب کرنے لگے۔ اشرب کے والی نے اپنے افسروں کے سے مخاطب ہو کر کہا "کیا کل یہی لشکر ہے عماد الدین زنگی کا۔۔۔؟"

ایک افسر نے کہا یہ تو ہراول معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا بولا اتنے تھوڑے لشکر سے یروشلم کے شہنشاہ کو ہزیمت نہیں ہو سکتی تھی' ضرور یہ ہراول ہے باقی لشکر پیچھے آ رہا ہو گا۔

والی:۔ اگر لشکر آ رہا ہے تو معلوم ہو جائے گا وہ بیٹھے انتظار کرتے رہے کئی گھنٹے کے بعد پھر

غبار نظر آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آندھی آگئی ہو اور غبار دوش ہوا پر سوار اڑا آرہا ہو۔ اشرب کے حاکم نے کہا یہ لشکر پہلے سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

ایک افسر: جی ہاں ممکن ہے عماد الدین زنگی آرہا ہو۔

حاکم: افسوس ہے کوئی عماد الدین سے واقف نہیں ہے۔

دوسرا افسر: عماد الدین ایک غیر معروف شخص ہے اس سے عیسائی واقف نہیں ہیں۔

حاکم: نہ معلوم یہ بد بخت کہاں سے پیدا ہو گیا۔ اگر اسے شہنشاہ گرفتار کر لیتے یا مار ڈالتے تو عیسائیوں کے لئے میدان صاف ہو جاتا اور مصر اور عراق پر بھی ہمارا قبضہ ہو جاتا۔

تیسرا افسر: یہی بات ہے اس کے وجود سے ہماری ترقی رک گئی ہے۔

حاکم: ممکن ہے ہم اسے ٹھکانہ لگا دیں۔

پہلا افسر: حضرت مسیح ایسا ہی کریں۔

اب یہ غبار چھٹ گیا تھا اور سوار صاف نظر آنے لگے تھے یہ لشکر بھی بڑی شان سے آرہا تھا یہ مسعود تھے۔ وہ کمال سے کچھ فاصلہ پر آکر رکے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ حاکم اشرب نے کہا "بس اتنا ہی لشکر معلوم ہوتا ہے"۔

پہلا افسر: میرا خیال ہے ابھی اور لشکر آنے والا ہے۔

حاکم: ممکن ہے ان دونوں لشکروں کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ کس قدر ہے؟

دوسرا افسر: میرے خیال میں دو تین ہزار ہو گا۔

حاکم: تب ان کے بعد بھی اور لشکر آئے گا۔

یہ لوگ شام تک انتظار کرتے رہے۔ عصر کی نماز کے بعد پھر گرد و غبار نظر آیا۔ افسروں نے کہا "معلوم ہوتا ہے اب عماد الدین زنگی آرہا ہے"۔

حاکم: بیشک اب وہ اپنا کل لشکر لے کر آرہا ہو گا۔ تھوڑی دیر میں یہ لشکر بھی قریب آگیا۔ یہ احمد رفیع آئے تھے وہ بھی مسعود کے قریب ہی آکر ٹھہر گئے۔ ان کے ٹھہرنے میں دن چھپ گیا۔ فصیل پر عیسائی پھیل گئے۔ انہوں نے وہاں روشنی کا کافی انتظام کر لیا اور پہرہ مقرر کر دیا۔

دوسرے روز جب آفتاب نکلا تو عیسائیوں کا خیال ہوا کہ مسلمان آج لڑنے کیلئے میدان میں نکلیں گے۔ مگر وہ اپنی جگہوں پر مقیم رہے میدان میں نہیں آئے جب دوپہر قریب آئی تو لشکر نمودار ہوا۔ عیسائی دیکھنے لگے۔ یہ شمس الدین کا رسالہ تھا وہ بائیں جانب آکر ٹھہرے۔

دوپہر کے بعد پھر لشکر نمودار ہوا۔ عیسائیوں نے ابھر ابھر کر دیکھنا شروع کیا یہ ہشام کا دستہ تھا۔ وہ ابھی بچہ تھے۔ عیسائی انہیں دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ افسروں کے قریب علم ہوتا تھا اور افسر سب سے آگے ہوتے تھے حاکم نے کہا "واہ وا' اتنا چھوٹا بچہ بھی افسر ہے"۔

ایک سن رسیدہ افسر نے کہا "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک زمانہ میں خود عماد الدین زنگی اتنی ہی عمر میں تھا جب اس نے طبریہ کے قلعہ پر نیزہ جا گاڑا تھا۔ عجب نہیں کہ یہ بھی کوئی ایسا ہی بہادر ہو"۔

حاکم نے برا سا منہ بنا کر کہا "بہادر ہو...... 'مسلمان بھی بہادر ہو سکتا ہے۔ جب ان کی بستیوں کو تاراج کیا گیا ہے۔ ایک بھی بہادر مقابلہ میں نہ آیا۔ رہا عماد الدین زنگی کے نیزہ گاڑنے کا واقعہ۔ وہ ایک اتفاق تھا اگر مسلمانوں کا کل لشکر اتنا ہی ہے جتنا آچکا ہے تو تم دیکھنا میں کل ہی ان پر حملہ کر کے انہیں قتل وغارت کر ڈالوں گا"۔

ہشام بھی شمس الدین کے پاس فروکش ہو گئے عیسائی عام طور پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے ' ان کے دلوں پر مسلمانوں کے دستوں کے آنے کا بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ اگر تمام لشکر ایک دم آجاتا اور اس سے دوگنا بھی ہوتا تو وہ اتنے متاثر نہ ہوتے جتنا تھوڑے تھوڑے لشکر کے آنے سے ہوئے۔

شام کے وقت بڑا غبار اٹھا۔ حاکم نے کہا "اس وقت بڑا لشکر آرہا ہے اس لشکر کے ساتھ عماد الدین زنگی معلوم ہوتا ہے"۔

تمام افسروں کی نگاہیں بھی غبار کی طرف لگی ہوئی تھیں اور سب کچھ لوگ کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ایک افسر نے مری زبان سے کہا "کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ لشکر کس کا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی لشکر آئے گا یا نہیں"۔

حاکم: تم افسردہ دل کیوں ہو گئے اگر جتنا لشکر آچکا ہے اس سے دوچند بھی آجائے تو پرواہ نہیں ہے۔

جب غبار کا دامن چاک ہوا تو رسالے نظر آئے۔ مسلمان بڑی شان سے آرہے تھے۔ وہ آ آکر جو لشکر آچکے تھے ان کے پیچھے پھیلتے جاتے تھے۔ اور بڑے میدان میں خیمے نصب کرتے جاتے تھے یہ عماد الدین زنگی کا لشکر تھا۔ یہ لشکر دن چھپے تک آتا رہا۔

عیسائیوں نے اس روز فصیل پر روشنی زیادہ کر دی اور پہرہ کے سپاہی بڑھا دیئے۔

...... ☆☆☆ ......

باب ۳۲

سفیر اسلام

دوسرے روز عماد الدین زنگی نے ایک سفیر اشرب کے حاکم کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ " اگر تم قلعہ ہمارے حوالے کر دو اور مسلم قیدیوں کو چھوڑ دو تو ہم تمہاری اور تمہارے تمام لشکر کی جان بخشی کر دیں گے اور سوائے زر نقد اور ہتھیاروں کے جو سامان لے جانا چاہو لے جانے دیں گے اور اگر تم نے ہمارے کہنے پر عمل نہ کیا تو پھر تم کسی رعایت کے مستحق نہ ہو گے "۔

سفیر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور زیر قلعہ پہنچ کر چلائے " عیسائیو! اپنے حاکم کو اطلاع دو کہ اسلامی سفیر آیا ہے "۔

عیسائیوں کو سفیر کے آنے کی پہلے سے توقع تھی۔ چنانچہ بڑے پھاٹک کی چھوٹی کھڑکی کھول دی گئی اور سفیر کو اندر لے لیا گیا۔ وہ دردانہ بڑی بے باکی اور بے خوفی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چل کر حاکم کے پاس پہنچے۔ وہ بڑی شان سے امیروں اور فوجی افسروں کے ساتھ بالکل ایک خود مختار فرمانروا کی طرح بیٹھا تھا۔ سفیر اس مقام پر پہنچے جو ان کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا۔ حاکم نے ان سے کہا۔

" کیا پیغام لائے ہو تم؟"

سفیر نے کہا " پیغام نیک ہے۔ ہمارے بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ مسلم قیدیوں کو رہا کر دیں اور قلعہ ہمارے حوالے کر دیں اس صلہ میں آپ کی اور آپ کے تمام فوجیوں کی جان بخشی کر دی جائے گی اور زر نقد اور ہتھیاروں کے علاوہ جو ساز و سامان تم چاہو گے اپنے ساتھ لے جاسکو گے "۔

حاکم اور فوجی افسروں کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ حاکم نے طنزیہ لمبا قہقہہ لگایا اور کہا۔ ہماری جان بخشی کا خواب دیکھ رہے ہو۔ اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ اس بچہ زنگی سے کہنا کہ اگر اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی خیریت چاہتا ہے تو واپس چلا جائے "۔

سفیر: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے شہنشاہ بالڈون اور ان کے لشکر کا کیا حشر ہوا۔

حاکم: معلوم ہے۔ انہوں نے شب خون مارنے کی کوشش کی جو غلط تھی اگر وہ دن میں لڑتے تو زنگی اور ان کے لشکر کا پتہ بھی نہ پاتا۔

سفیر: کیا تہذیب و شائستگی آپ کو چھو نہیں گئی ہے؟

حاکم نے کڑی نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا "کیا مطلب ہے اس سے تمہارا؟"

سفیر: میرا مطلب ہے کہ میں آپ سے تہذیب کے ساتھ تعظیمی الفاظ میں گفتگو کر رہا ہوں اور آپ میرے بادشاہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔

حاکم نے لمبا قہقہہ لگا کر تمسخرانہ انداز میں کہا "کیا وہ بچہ زنگی نہیں ہے؟ کیا وہ ایک معمولی افسر نہیں تھا؟"

سفیر: آپ اپنی اوقات کو بھی نہ بھولیں' آپ بالڈون کے غلام زادہ ہیں۔ اور بالڈون بیت المقدس آنے سے پہلے ایک کم حیثیت نواب تھا۔

حاکم کو پتہ کی باتیں سن کر غصہ آگیا۔ اس نے گرج کر کہا "خبردار۔ ادب سے باتیں کرو یہ سمجھو کہ تم سفیر ہو اور ہمارے رحم و کرم پر ہو"۔

سفیر: مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں سفیر ہوں۔ ادب سے گفتگو بھی کر رہا ہوں۔ لیکن " ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے"۔ تم ادب سے گفتگو کرو گے۔ ادب سے جواب دیا جائے گا۔ بد تہذیبی سے گفتگو کرو گے اس کا جواب پاؤ گے۔ رہا رحم و کرم کا سوال' یاد رکھو میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ اور جب تک مسلمان کے ہاتھ میں تلوار ہے وہ کسی کے رحم و کرم پر نہیں ہوتا۔ یہ بھی سن رکھو کہ مسلمان سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔

حاکم: تم اس لئے دون کی لے رہے ہو کہ سمجھتے ہو سفیر ہو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا مگر یاد رکھو بے ادبی کی سزا سفیروں کو بھی دی جاتی ہے۔

سفیر: مجھے معلوم ہے کہ تمہارے بزرگوں نے اسلامی سفیر کو قتل کر دیا تھا' میں جانتا ہوں تم بھی سفیروں کو قتل کر سکتے ہو۔ لیکن تم اس بات کو نہیں جانتے کہ مسلمان حق اور انصاف کی بات تلواروں کے سایہ میں بھی کہتا ہے۔

حاکم: خیر ہم اس وقت درگذر کرتے ہیں اور تمہیں معاف کئے دیتے ہیں۔

سفیر: مگر میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ درگزر میری تلوار کے

خوف سے کیا جا رہا ہے۔

حاکم پھر بگڑ گیا۔ اس نے کہا "اچھا یہ زعم۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمہاری اجل تمہارے دامن گیر ہے"۔

سفیر: اس بات کو خدا ہی جانتا ہے کہ کس کی اجل کس کے سر پر کھیل رہی ہے۔

حاکم کو سخت طیش آیا۔ اس نے گرج کر کہا "اس بات کو خدا نہیں ہم جانتے ہیں اور بتائے دیتے ہیں"۔

سفیر: اللہ اللہ خدائی کا بھی دعویٰ ہے۔ حالانکہ ہر وہ شخص جو خدا کو مانتا ہے اس بات کو بھی جانتا ہے کہ غیب کا حال صرف خدا ہی جانتا ہے۔

حاکم: فضول بحث میں نہ پڑو نوجوان۔

سفیر: بہت اچھا۔ کہئے۔ بادشاہ کی باتوں کا کیا جواب ہے؟

حاکم: اسے کل میدان جنگ میں ہماری تلواریں جواب دیں گی۔

سفیر: اس فیصلہ پر ایک مرتبہ اور غور کر لیجئے۔

حاکم: غور کر کے ہی جواب دیا گیا ہے۔

سفیر: جنگ سے صلح اچھی ہوتی ہے۔

حاکم: کمزوروں کے لئے۔

سفیر: تباہی اور بربادی کو دعوت نہ دیجئے۔

حاکم: ڈرو مت۔ ہم اعلان کر دیں گے کہ لوگ تمہیں قتل نہ کریں۔

سفیر: اس مہربانی کا شکریہ۔ مگر آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں ہے کہ مسلمان شہادت کی موت پر جان دیتا ہے جب وہ بچہ ہوتا ہے تلواروں سے کھیلتا ہے بڑا ہو کر تلواروں کی مشق کرتا ہے اور جوان ہو کر تلواروں کے سایہ میں چلا جاتا ہے۔ ہمارے نبی صلعم کا فرمان ہے کہ "جنت کا راستہ تلواروں کے سایہ میں ہے"۔ آپ مہربانی کر کے اپنے سپاہیوں کو یہ ہدایت نہ کریں کہ وہ میرے قتل کرنے سے باز رہ جائیں۔

حاکم: اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو پوری کر دی جائے گی' سپاہی تمہیں یاد رکھیں گے اور تمہیں دیکھتے ہی قتل کر ڈالیں گے۔

سفیر: یا بوالعجبی۔ مسلمان بادشاہ جو اقرار کر لیتے ہیں اس سے نہیں پھرتے اور آپ نے خود ہی ایک

اقرار کیا اور خود ہی اس سے پھر گئے۔

حاکم: یہ سن کر سر کھجانے لگا۔ گویا وہ جواب سوچ رہا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا۔

"تم بڑے چرب زبان معلوم ہوتے ہو۔ ہم نے تمہارے کہنے پر اپنا حکم واپس لیا ہے"۔

سفیر: ٹھیک ہے۔ اچھا مجھے اجازت ہے۔

حاکم: ابھی ٹھہرو۔ ابھی تمہاری ایک بات کا جواب باقی رہ گیا ہے۔

سفیر: کس بات کا؟

حاکم: قیدیوں کے متعلق۔

سفیر: کیا آپ انہیں رہا کر رہے ہیں؟ یہ آپ کا تمام مسلمانوں پر ایک احسان ہو گا۔

حاکم: میں ایسی بے وقوفی نہیں کر سکتا میں مسلمان مردوں کو سانپ، عورتوں کو زہریلی ناگنیں اور بچوں کو سانپوں کے بچے سمجھتا ہوں کیا میں انہیں اس لئے چھوڑ دوں کہ وہ میرے یا میری قوم کے ڈنگ ماریں، ڈسیں اور انہیں موت کی آغوش میں پہنچا دیں یہ بات عقلمندی سے دور ہے۔

سفیر: پھر کیا ارادہ ہے آپ کا؟

حاکم: میرا ارادہ ہے کہ کل صبح میں تمام قیدیوں کو میدان جنگ میں بلا کر تمہارے سب کے سامنے ذبح کر ڈالوں۔

سفیر: مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ کیونکہ جنگ کے بادل سر پر منڈلا رہے ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کل کیا ہو گا۔

حاکم: میں مسلمانوں کے دلوں کو دکھانا چاہتا ہوں۔

سفیر: مسلمان ہرگز اس منظر کو نہیں دیکھ سکیں گے، ان کا جوش ہیجان میں آجائے گا اور پھر کسی ایک عیسائی کو پناہ نہیں مل سکے گی۔

حاکم نے بگڑ کر کہا "تم ہمیں دھمکی دیتے ہو"۔

سفیر: بخدا میں دھمکی نہیں دے رہا ہوں، بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں مسلمانوں میں وہ اخوت اور محبت ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتے اور اگر آپ نے ایسا کر بھی دیا تو جس قدر قیدی ہمارے پاس ہیں اور جس قدر لوگ ہماری قید میں آئیں گے ہم ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے اور جب اشرب کو فتح کر لیں گے تو یہاں سے عیسائیوں کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ حاکم سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا "تم نے ٹھیک کہا۔ تم ہمارے قیدیوں کو قتل کر ڈالو گے۔

اچھا ہم بھی اس وقت تک مسلم قیدیوں کو کچھ نہ کہیں گے جب تک اس جنگ کا فیصلہ نہیں ہو جاتا"۔

سفیرو یہ دانش مندانہ فیصلہ ہے۔

سفیر وہاں سے اٹھے پہلے قلعہ سے باہر نکلے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے کیمپ میں آ گئے انہوں نے عماد الدین زنگی کی خدمت میں جا کر وہ تمام گفتگو لفظ بہ لفظ دوہرا دی جو ان کے اور قلعہ اشرب کے حاکم کے درمیان ہوئی تھی عماد الدین زنگی نے کہا "میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ اگر اس نے مسلم قیدیوں کو قتل کیا تو میری اور میری سپاہ کی تلواریں عیسائیوں کے قتل کیلئے وقف ہو جائیں گی۔ کسی کی بھی جان بخشی نہ کی جائے گی۔ جو لوگ گرفتار ہیں یا جو آئندہ گرفتار ہوں گے ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ خدا میری مدد کرے"۔

انہوں نے سفیر کو رخصت کر دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چند افسروں کے ساتھ قلعہ کے گرد گشت کرنے کے لئے چلے گئے۔

........☆☆☆........

باب ۳۳

مغرب کی نماز پڑھ کر عماد الدین زنگی نے حکم دیا کہ لشکر کی حفاظت کے لئے کئی دستے مقرر کیے جائیں جو رات بھر گشت کرتے رہیں اور مسلمان جنگ کے لئے تیار رہیں۔ کیونکہ دشمن نے صبح میدان میں نکل کر جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

سوا سوا سو کے چار دستے گرداوری کے لئے مقرر کیے گئے اور مسلمان اسی وقت سے تیاری کرنے لگے۔ مسلمانوں کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ صبح دشمن میدان جنگ میں نکل کر لڑے گا کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ کل کون زندہ رہے گا اور کون شہید ہو کر موت کی آغوش میں پہنچ جائے گا اس لئے وہ غول کے غول اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملتے پھر رہے تھے۔ بڑے خوش ہو کر ملتے تھے جیسے صبح انہیں کوئی نعمت ملنے والی ہو' آدھی رات تک ملنے ملانے کا سلسلہ جاری رہا۔

آدھی رات کے بعد کیمپ میں خاموشی طاری ہوئی اور سکوت چھا گیا۔ صبح صادق کے وقت فجر کی اذان ہوئی۔ اذان سنتے ہی لوگ اٹھ اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہونے اور وضو کر کے اس میدان میں جمع ہونے لگے جس میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ عماد الدین زنگی اور چھوٹے بڑے افسر بھی آگئے۔ جماعت کھڑی ہوئی اور فرزندان توحید بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گئے۔

نماز سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے خیموں کی طرف چلے گئے اور مسلح ہو ہو کر حکم کے منتظر ہو بیٹھے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ عیسائی بہت سویرے قلعہ سے باہر نکل آئیں گے لیکن بہت کچھ دن چڑھنے پر بھی پھاٹک نہ کھلا نہ عیسائی نکلے۔ مسلمانوں کو کچھ مایوسی سی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دوپہر قریب آگئی۔ امیر زنگی نے سب کے پاس حکم بھیج دیا کہ کھانے سے جلد فراغت کر لیں اب مسلمانوں کو اور بھی یقین ہو گیا کہ عیسائی میدان میں نہ نکلیں گے انہیں بڑا افسوس ہوا انہوں نے بہت جلد کھانا تیار کیا اور کھا کر فارغ ہو گئے۔

عین دوپہر کے وقت زنگی نے مسلمانوں کو آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔

مجاہدین کے دستے چلے اور قلعہ کے چاروں طرف پھیل گئے عیسائی فصیلوں پر کھڑے نہایت خاموشی سے دیکھتے رہے۔

اس روز مسلمانوں نے بھی صرف محاصرہ کر لیا۔ یورش نہیں کی۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی مسلمانوں نے چاروں طرف سے چڑھائی شروع کر دی۔ اسلامی دستے قلعے کی طرف بڑھنے لگے۔ عیسائی چپ چاپ انہیں بڑھتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب مسلمان قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ تب عیسائیوں نے شور کر کے حربے پھینکنے شروع کئے تیروں اور سنگریزوں کی بارش کرنے لگے اور مسلمانوں نے ڈھالوں کے قلعے قائم کر لئے ڈھالیں سامنے کئے بڑے اطمینان سے بڑھتے رہے۔

عیسائیوں نے جوش اور غصہ میں آ کر اور بھی پھرتی سے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ انہیں اس بات پر طیش آ رہا تھا کہ مسلمان ان کے حربوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے تھے اس طرح بڑھ رہے تھے جیسے ان پر تیر اور پتھر برس ہی نہیں رہے تھے۔

حالانکہ مسلمان زخمی بھی ہو رہے تھے مگر جو معمولی طور پر زخمی ہوتے تھے وہ تو زخموں کی پرواہ نہیں کرتے تھے البتہ جو شدید زخمی ہو جاتے تھے وہ اس طرح پیچھے ہٹ جاتے تھے کہ عیسائیوں کو ان کے ہٹنے کا علم بھی نہ ہوتا تھا۔

دھوپ اچھی طرح پھیل گئی تھی ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے دھوپ میں مسلمانوں کے سفید کپڑے اور ہتھیار چمک رہے تھے اور ہوا کے جھونکے اسلامی پرچموں کے پھریروں کے ساتھ خوش فعلیاں کر رہے تھے فصیلوں کے اوپر سے تیر اور سنگریزے اس کثرت سے آ رہے تھے کہ دھوپ میں لہریں پیدا ہو جاتی تھیں۔

عیسائی مسلمانوں کی جرات و استقلال کو دیکھ دیکھ کر حیران بھی ہو رہے تھے اور انہیں ان پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ حیرت اس لئے ہو رہی تھی کہ ان کے استقلال میں فرق نہیں آتا تھا اور غصہ اس لئے آ رہا تھا کہ وہ بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

اب حیرت اور غصہ کے ساتھ ساتھ عیسائیوں پر خوف بھی طاری ہونے لگا کیونکہ اندیشہ ہوا کہ اگر مسلمانوں کے بڑھنے کی یہی رفتار رہی تو وہ فصیل کے نیچے پہنچ جاویں گے اور پھر نقب لگا کر قلعے کے اندر گھس پڑیں گے یہ خیال سپاہیوں اور افسروں سب ہی کو ہوا۔

عیسائیوں نے گلے پھاڑ پھاڑ کر شور کرنا اور چلا چلا کر اور بھی کثرت سے تیر اور پتھروں کے ٹکڑے برسانے شروع کئے انہوں نے چھوٹی چھوٹی کلوں سے پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے پھینکے۔

ان ٹکڑوں نے بہت سے مسلمانوں کی ڈھالیں چپٹا دیں۔ ہی مسلمانوں کی کھوپڑیاں توڑ ڈالیں۔ بعض کے ہاتھوں اور پیروں کو کچل ڈالا۔

مگر مسلمانوں کی پیش قدمی کی رفتار اب بھی ست نہیں پڑی بلکہ اس وقت مسلمانوں کو بھی جوش آگیا اور وہ اور بھی تیزی سے بڑھنے لگے۔ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اوپر سے ان پر تیر اور سنگریزے اور بڑے بڑے پتھر برسائے جا رہے تھے اگرچہ قدم قدم پر موت کا سامنا تھا۔ مگر وہ موت سے ڈر نہیں رہے تھے بلکہ اس کا استقبال کر رہے تھے۔

جبکہ پتھر اولوں کی طرح برس رہے تھے اور تیروں کی بارش ہو رہی تھی شمالی جانب کے مسلمانوں نے کمانوں میں تیر رکھ کر چھوڑے، چونکہ عیسائی بے خوفی سے حربے چلا رہے تھے انہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ مسلمان ان پر تیر چلا سکیں گے اس لئے وہ بے دھڑک فصیل کے کنارے پر کھڑے تھے تیروں نے بہت سے عیسائیوں کو بیندھ ڈالا۔ ان میں سے کچھ تو پیچھے کی طرف الٹ گئے اور کچھ چرخ کھا کر فصیل کے نیچے گرے۔ جو فصیل سے نیچے گرے ان کی تو ہڈیوں پسلیوں کا چورا ہو گیا اور وہ اف بھی نہ کر سکے اور جو فصیل پر الٹ گئے وہ زخموں کی شدت سے چلانے لگے۔ تیروں کی ایک ہی باڑھ نے عیسائیوں میں ابتری پیدا کر دی اور ان کے حربوں میں کمی واقع ہو گئی۔ مسلمانوں کو کچھ امن ملا۔ انہوں نے دوسری باڑھ ماری جو فصیل پر پہنچے انہوں نے پھر بہت سے عیسائیوں کو زخمی کر دیا۔ بہت سے عیسائی پھر فصیل سے نیچے لڑھک گئے اور بہت سے فصیل پر گر کر آہ اور واہ کرنے لگے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے۔

جب تک مسلمان خاموش رہے اور عیسائیوں کے حربے اپنے اوپر لیتے رہے اس وقت تک عیسائی خاموش رہے اور خوش ہو ہو کر حربے چلاتے رہے۔ مگر جب مسلمانوں نے تیر برسائے اور عیسائی زخمی ہونے لگے تو وہ چلا اٹھے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے۔

اس طرف جو افسر تھے وہ یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے دوڑ کر قلعہ کے حاکم کو اس کے متعلق اطلاع دی۔ قلعہ کا والی اس طرف تھا جس طرف عماد الدین زنگی تھے اگرچہ اس طرف سے بھی مسلمانوں نے ہلہ بول رکھا تھا مگر وہ آگے بڑھنے کی زیادہ کوشش نہیں کر رہے تھے عیسائیوں کے حملے روک رہے تھے حاکم ایک برج میں بیٹھا اطمینان سے دیکھ رہا تھا۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ شمال میں مسلمانوں نے تیر باری کر کے عیسائیوں کو پراگندہ کر دیا ہے تو وہ گھبرا کر اٹھا اور جھپٹ کر اس طرف پہنچا اس نے دیکھا واقعی معاملہ نازک صورت اختیار کرتا

جا رہا ہے عیسائی تیروں سے بچنے نے لئے عبدالرحیل کے کنارے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اور مسلمان بڑھے چلے آرہے تھے۔

حاکم نے جلدی سے ادھر ادھر بے شمار عیسائی اس طرف لا جمع کئے ان عیسائیوں نے بڑی پھرتی اور سختی سے تیروں اور سنگ ریزوں کی بارش شروع کردی۔ ان کا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ مسلمانوں کا آگے بڑھنا تو درکنار وہاں ٹھہرنا بھی دشوار ہو گیا انہیں دشمنوں کے وار روکنے میں اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ خود بھی تیر چلا سکتے کچھ دیر تو وہ وہیں جمے اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ حربوں کی شدت سے مہلت ملے تو تیر برسائیں مگر اس کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ عیسائی اس وقت تک تو خائف رہے جب تک مسلمان تیر پھینکتے رہے مگر جب وہ اس مدافعت میں مشغول ہو کر تیر نہ چلا سکے تو عیسائی نڈر ہو کر کنارہ پر آ گئے اور اس کثرت سے پتھر پھینکنے اور تیر برسانے لگے کہ مسلمانوں کا وہاں کھڑا رہنا دشوار ہو گیا چنانچہ ان کے افسروں نے انہیں پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور وہ قدم قدم پیچھے ہٹنے لگے۔

انہیں پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر عیسائی خوش ہو گئے وہ خوش ہو کر چلانے لگے اور چلا چلا کر اور بھی پھرتی سے متفرق حربوں کی بارش کرنے لگے۔

مشرق کی طرف کے مسلمانوں نے بھی یورش کی اور وہ بھی کچھ آگے بڑھ گئے لیکن عیسائیوں نے ان پر بھی چوبی کلوں سے پتھروں کے بھاری بھاری ٹکڑے اس کثرت سے برسائے کہ انہیں بھی پسپا ہونا پڑا۔

اس روز کے حملے میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا انہوں نے جوش میں آ کر بڑھنے کی کوشش کی۔ مگر عیسائیوں نے انہیں بڑھنے نہیں دیا۔ عیسائیوں کے شمالی حصہ والوں کے تو ضرور نقصان پہنچا۔ اس طرف کے بہت سے عیسائی مارے گئے بہت سے زخمی ہوئے لیکن حاکم قلعہ نے اس طرف آکر اپنی ہوشیاری سے قلعہ کو بچا لیا اور مسلمانوں کو اس طرف سے بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔

صبح سے ظہر کے وقت تک جنگ ہوتی رہی۔ جب ظہر کا وقت قریب آگیا۔ سورج ڈھل گیا تب عماد الدین زنگی نے لشکروں کو پیچھے ہٹا لیا۔ مسلمان اپنے اپنے کیمپوں میں چلے گئے جو زخمی ہو گئے تھے ان کی مرہم پٹی کی گئی۔ اس کے بعد مسلمان کھانا تیار کرنے لگے۔

باب ۳۴

قلعہ اشرب کی فتح

مسلمانوں کو اس بات کی ندامت تھی کہ انہوں نے قلعہ پر حملہ کیا اور کامیابی نہ ہوئی۔ وہ اسے اپنی ہزیمت سمجھے اس قدر شرمسار تھے کہ اپنے افسروں اور عماد الدین زنگی کے سامنے ہی جاتے ہوئے صرف شرماتے تھے بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے آنکھیں بھی نہ ملاتے تھے ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے جنگ میں کوتاہی کی۔ حالانکہ کوتاہی کسی نے بھی نہیں کی تھی۔ سب بڑی بہادری، دلیری، جرات اور استقلال سے لڑتے رہے تھے۔

وہ بقیہ دن مسلمانوں نے افسوس کی حالت میں گذارا۔ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھ کر جب مسلمان فارغ ہوئے تب عماد الدین زنگی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"شیران اسلام، ہم بہت خوش ہیں کہ کل تم نے اپنی ہمت اور جرات کا پورا پورا ثبوت دیا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہیں اس بات کا افسوس ہے کہ کل کے حملہ میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اس بات سے شرم محسوس کر رہے ہو اس میں شرم اور افسوس کی کوئی بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اول تو قلعہ ہی بہت مضبوط اور فراخ ہے۔ دوسرے قلعہ میں عیسائی لشکر بھی زیادہ ہے۔ تیسرے کل اس لئے حملہ نہیں کیا گیا تھا کہ قلعہ جلد ہی فتح کر لیا جائے۔ یہ بھی ممکن نہیں ہوتا کہ کوئی قلعہ ایک دو ہی روز میں فتح ہو جائے، ہمارا اور تمہارا کام جدوجہد کرنا ہے، فتح و شکست خدا کے اختیار میں ہے، بغیر اس کے حکم اور اس کی مرضی کے فتح ممکن نہیں ہوتی۔

اے مجاہدین اسلام! آج قلعہ پر پر زور حملہ کیا جائے گا۔ چوبی قلعے یعنی منجنیقیں حرکت میں آئیں گی۔ خدا نے چاہا تو آج تمہارے حوصلے نکلیں گے، جاؤ اور تیار ہو کر میدان میں نکلو"۔

اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کی ندامت اور افسوس کو دور کر دیا ان میں جوش بھر دیا وہ اٹھ کر اپنے اپنے خیموں پر پہنچے مسلح ہوئے اور ہر دستہ اپنی اپنی جگہ پہنچ گیا۔

جب سورج نکل آیا اور دھوپ میدان میں اور قلعہ کی دیواروں اور برجوں پر پھیل گئی۔ تب مسلمان قلعہ کی طرف بڑھے۔ عیسائی صبح ہی سے فصیل پر پہنچ گئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کب مسلمان بڑھیں اور کب وہ تیروں اور پتھروں کی بارش کریں۔ چنانچہ جونہی مسلمانوں نے بڑھنا شروع کیا وہ بھی اپنے حربے لے کر تیار ہو گئے اور جب مسلمان زد پر آئے انہوں نے حربے چلانے شروع کر دیئے سب سے پہلے انہوں نے تیر پھینکے مگر جب مسلمان اور بڑھ آئے تب انہوں نے سنگریزوں کی بارش شروع کر دی اور اس کثرت سے پتھر برسائے کہ مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔

آج مسلمانوں نے تین طرف سے ایک ساتھ یلغار کی اور تینوں ہی طرف عیسائیوں نے ان پر تیروں اور پتھروں کی بھرمار کر دی مگر پھر بھی قدم قدم بڑھاتے رہے۔

عماد الدین زنگی بھی ایک طرف سے حملہ آور ہوئے ان کے دستے کے ساتھ دو منجنیقیں تھیں۔ یہ منجنیقیں بالکل چوبی قلعے تھے انہوں نے ان منجنیقوں کو آگے بڑھایا چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں دشمن روغن نفط کی پچکاریاں مار کر ان میں آگ نہ لگا دے۔ اس لئے پانی میں سرکہ ملا کر منجنیقوں کو اس سے تر کر دیا گیا تھا۔

کمال کے ساتھ بھی ایک منجنیق تھی' یہ چھوٹی تھی اس سے پتھروں کے ٹکڑے پھینکے جاتے تھے۔ جب کمال نے دیکھا کہ عیسائی کنارہ پر کھڑے ان کے سپاہیوں پر بے پناہ تیر اور پتھر برسا رہے ہیں تو انہوں نے منجنیق کو آگے کیا۔ تقریباً سو آدمی اسے ٹھیلتے ہوئے لے چلے' وہ پیچھے سے دھکیل رہے تھے۔ اور منجنیق چھوٹے چھوٹے پہیوں پر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

جو اس منجنیق کو چلاتے تھے وہ اس کے اندر بیٹھے تھے کچھ لوگ پتھروں کے چھکڑے کھینچے لے جا رہے تھے۔ کچھ دور لے جا کر منجنیق کھڑی کر دی گئی۔ سپاہیوں نے بھاری بھاری پتھر کلوں میں رکھے اور کئی کئی آدمیوں نے زنجیریں کھینچیں۔ پتھروں کی موٹی موٹی سلیں بڑے زور اور سناٹے کے ساتھ قلعے کی طرف لپکیں ان میں سے کئی فصیل پر جا پڑیں جن عیسائیوں کے جا کر لگیں ان کی ہڈیوں اور پسلیوں کا چورہ ہو گیا۔ بعض کی کھوپڑیاں اڑ گئیں۔ اس طرف ایک چیخ و پکار شروع ہو گئی۔

اس   سے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بھاری بھاری پتھر پھینکے جا رہے تھے اور یہ پتھر فصیل پر حشر بپا کر رہے تھے۔ عیسائی اس طرف فصیل کے کنارے سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ مسلمانوں کو موقع مل گیا وہ تیزی سے بڑھے عیسائیوں نے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ اگر مسلمان فصیل کے نیچے پہنچ گئے تو نقب لگا کر اندر گھس آئیں گے۔ چنانچہ انہوں نے روغن نفط کی پچکاریاں مارنی

شروع کیں۔ جو مسلمان آگے بڑھ گئے تھے وہ جلدی سے پیچھے ہٹے۔ اب روغن نفط منجنیق پر آ آکر گر رہا تھا۔ ابھی تک اس منجنیق سے پتھر برسائے جا رہے تھے اور جس جگہ پتھر جا کر گر رہے تھے وہاں کی فصیل بھی لرز رہی تھی مگر عیسائی اس جگہ سے ادھر ادھر ہٹ گئے تھے اور ان میں سے کچھ تو روغن نفط کی پچکاریاں منجنیق پر پھینک رہے تھے اور باقی سب مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں منجنیق میں آگ لگ گئی اس کے اندر جو مسلمان تھے وہ جلدی جلدی باہر نکل آئے اور اس کے پیچھے جو مسلمان تھے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ہوا کے جھونکوں نے پھونکوں کا کام کیا ذرا ہی دیر میں شعلے بھڑک اٹھے اور منجنیق دھڑا دھڑ جلنے لگی۔ عیسائی خوشی سے اچھلنے کودنے لگے اور تالیاں بجا بجا کر شور کرنے لگے۔

جبکہ اس طرف یہ کارروائی ہو رہی تھی اس وقت عماد الدین زنگی نے دونوں منجنیقوں کو آگے بڑھا دیا یہ منجنیقیں بڑی تھیں پانچ پانچ سو آدمی انہیں دھکیل رہے تھے۔ پچاس پچاس آدمی ان کے اندر بیٹھے تھے اور ایک ایک ہزار آدمی ان منجنیقوں کے پیچھے لگے چلے آ رہے تھے ان میں سے کچھ لوگ بھاری پتھروں کے چھکڑے بھی کھینچ لا رہے تھے۔ یہ دونوں منجنیقیں ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ پر تھیں۔

جب وہ فصیل کے قریب ایک تیر کے فاصلہ پر پہنچیں تو عیسائیوں نے ان پر پتھروں کی بارش شروع کر دی چونکہ ان پتھروں سے منجنیقوں اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ اس لئے وہ برابر آگے کی طرف دھکیلی جاتی رہیں جب فاصلہ کم رہ گیا تو عیسائیوں نے دفعتہ روغن نفط کی پچکاریاں مارنی شروع کر دیں مگر ان منجنیقوں پر اس کا پہلے ہی انتظام کر لیا گیا تھا سرکہ اور پانی نے آگ نہیں لگنے دی۔

اب ان مسلمانوں نے جو منجنیقوں کے اندر تھے ایک ساتھ تیر برسانے شروع کر دیئے عیسائی یہ سمجھ رہے تھے کہ یا تو ان چوبی قلعوں سے پتھر برسائے جائیں گے یا انہیں فصیل سے لگا کر نقب لگائے جائیں گے انہیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ ان پر تیر برسائے جائیں گے اس لئے وہ اطمینان سے تھے۔ مگر جب تیروں کی بارش شروع ہوئی تو عیسائیوں کا ستھراؤ ہو گیا' بہت سے عیسائی زخمی ہو کر فصیل کے نیچے گر گئے اور بہت سے فصیل پر الٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں ادھر کی فصیل سے عیسائی ہٹ گئے مسلمان سوار اس کے منتظر تھے' انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے عیسائیوں نے انہیں دیکھا

اور ان پر تیر اور پتھر برسانے کے لئے بڑھے مگر منجنیقوں کے مسلمانوں نے ان پر تیروں کی باڑھ ماری اور وہ زخمی ہو کر گر گئے۔

اس عرصے میں مسلمان سوار فصیل کے نیچے پہنچ گئے وہ آلات نقب ساتھ لائے تھے انہوں نے نقب زنی شروع کر دی ' ادھر منجنیقیں تیزی سے دھکیلی گئیں اور وہ فصیل سے جا لگیں۔

منجنیقوں کے مسلمانوں نے سیڑھیاں لگائیں اور اوپر چڑھنے لگے۔ سواروں کا ایک دستہ ذرا فاصلے سے کھڑا ہو کر تیر برسانے لگا۔

جب وہ مسلمان جو سیڑھیوں کے ذریعہ سے چڑھ رہے تھے فصیل پر پہنچے تو مسلمان سواروں نے تیر اگنی بند کر دی۔ مسلمان فصیل پر کود کر تلواریں لے کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے جو چند مسلمان فصیل پر پہنچے تھے انہوں نے حلقہ قائم کر کے عیسائیوں پر شدت سے حملے شروع کر دیئے۔

اوپر پہنچنے کے لئے مسلمانوں کا تانتا لگ گیا جوں جوں مسلمان فصیل پر پہنچتے رہے جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی۔ چونکہ مسلمانوں میں جوش تھا اس لئے انہوں نے عیسائیوں کو تلواروں پر رکھ لیا اور بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ پانچ سو مسلمان فصیل پر پہنچ گئے اور انہوں نے تھوڑی ہی دیر میں اس طرف کے عیسائیوں کا صفایا کر دیا۔

اس کے بعد وہ قلعہ کے اندر اتر گئے اور وہاں جا کر انہوں نے عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا جو سامنے آیا اسے قتل کر ڈالا انہوں نے قدم قدم پر عیسائیوں کی لاشیں بچھا دیں۔ کچھ لوگوں نے جا کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔

پھاٹک کھلتے ہی مسلمانوں کا سیلاب قلعہ میں گھس گیا انہوں نے تلواریں سونت کر عیسائیوں کو گھاس پھونس کی طرح کاٹ ڈالا۔ وہ تمام قلعہ میں پھیل گئے عیسائیوں نے ہرچند انہیں روکنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا۔ ان کے بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ ایک ہزار سواروں کے ساتھ قلعہ کا حاکم سامنے آ گیا مسلمان ان پر شیروں کی طرح جا پڑے اور چشم زدن میں ان سب کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اس ہنگامہ میں حاکم بھی مارا گیا اب عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان امان چلانے لگے۔

عماد الدین زنگی بھی اس وقت قلعہ کے اندر آ گئے تھے۔ انہوں نے حکم دیا جو عیسائی ہتھیار ڈال دیں انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ گرفتار کر لیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے ان عیسائیوں کو گرفتار

کرنا شروع کر دیا جنھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس طرح قلعہ اشرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بقول ابن اثیر کے عماد الدین زنگی نے مسلمانوں کا گلا عیسائیوں کے ہاتھوں سے چھڑا دیا۔

☆☆☆

باب ۳۵

مسلم قیدی

مسلمانوں کو قلعہ اشرب کے فتح ہونے کی اس لئے زیادہ خوشی ہوئی کہ عیسائی وہاں بیٹھ کر اسلامی بستیوں کو تاراج کر رہے تھے اور اس قلعہ کو اس قدر مضبوط اور محفوظ کر لیا تھا کہ کسی مسلمان بادشاہ کو اس طرف دیکھنے کی بھی جرات نہ ہوتی تھی۔ اس وقت عراق میں عباسی خلافت تھی اور مصر میں فاطمی لیکن یہ دونوں خلافتیں اس درجہ کمزور تھیں کہ وہ عیسائیوں کے حملوں کو روک نہیں سکتی تھیں بلکہ مصر کی یہ حالت تھی کہ عیسائی حدود مصر میں داخل ہو کر مصری بستیوں کو تباہ اور برباد کر ڈالتے تھے اور مصری حکومت چوں نہیں کر سکتی تھی۔

مسلمان اس بات سے ناامید ہو گئے تھے کہ وہ عیسائیوں کے پنجہ سے بچ سکیں گے لیکن خدا نے عماد الدین زنگی کو بھیج دیا اور انہیں ایسی جرات و ہمت عطا کی کہ وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔

خود عماد الدین زنگی کی کوئی بڑی قوت نہیں تھی وہ موصل کے امیر تھے اور موصل کی حکومت کچھ وسیع اور طاقتور نہیں تھی نہ ان کے پاس دولت تھی نہ لشکر تھے ہاں اگر کچھ تھی تو ہمت مردانہ تھی، قوت ایمانی تھی جوش جہاد تھا، اور خدا پر اعتماد تھا وہ خدا کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے جو لشکر ان کے پاس تھا وہی ساتھ لیا۔ کچھ وہ مظلوم اس لشکر میں شامل ہو گئے جنہیں عیسائیوں نے ستایا اور برباد کیا تھا اس مختصر لشکر نے اول بالڈون ثانی کو زبردست ہزیمت دی اور قلعہ اشرب فتح کر لیا۔

مسلمان تو خوش تھے ہی۔ لیکن سب سے زیادہ خوشی عماد الدینؒ زنگی کو ہوئی۔ انہیں اس لئے خوشی ہوئی کہ عیسائیوں کا غرور ٹوٹ گیا تھا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں پر غالب اور حاوی سمجھ رہے تھے ان شکستوں سے ان کے دماغوں تنقیہ ہو گیا تھا اور مسلمانوں کے جو حوصلے پست ہو رہے تھے وہ اپنے آپ کو مغلوب سمجھ رہے تھے اب ان کی ہمتیں بڑھ گئی تھیں اور ان میں جوش پیدا ہو گیا تھا۔

عماد الدین زنگی نے سجدہ شکر ادا کیا مسلمان تمام قلعہ میں پھیل گئے تھے اور عیسائیوں کو گرفتار کر رہے تھے عورتوں اور بچوں کو بھی گرفتار کیا جا رہا تھا کچھ لوگ مال غنیمت جمع کر رہے تھے۔ عورتیں سخت پریشان اور بچے بدحواس تھے۔ لیکن عیسائی مرد رو رہے تھے انہیں غالباً یہ خیال تھا کہ

جس سفاکی اور بے رحمی سے انہوں نے مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو ذبح کیا تھا اسی طرح مسلمان کریں گے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ مسلمان انسان ہیں۔ وہ انسانیت کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتے۔ وحشیانہ پن کو برا سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مسلمان ہے وہ خدا کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور جو خدا کے احکام کی تعمیل کرتا ہے وہ کبھی ظلم نہیں کر سکتا۔ عماد الدین زنگی نے کچھ آدمیوں کو بھیجا کہ وہ مسلم قیدیوں کو عزت و احترام کے ساتھ لے آئیں۔

اس وقت وہ چند افسروں کے ساتھ جن میں ہشام بھی تھے دار العمارت میں جا بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد عیسائی قیدی ان کے سامنے پیش ہوئے مردوں کے متعلق انہوں نے حکم دیا کہ وہ پانچ سو سواروں کی حراست میں رہیں جب عورتیں اور بچے ان کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے دیکھا ان کے چہرے زرد ہیں آنکھوں سے خوف و ہراس ٹپک رہا ہے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں سہمے ہوئے' غمزدہ اور پریشان ہیں۔

عماد الدین زنگی نے ان کی زبان میں ان سے کہا "تم بالکل نہ گھبراؤ تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی' ہمیں افسوس ہے کہ تمہاری قوم نے ہماری قوم کی عورتوں کو ستایا۔ ان کی بے حرمتی کی۔ بچوں کو ذبح کیا۔ لیکن وہ ان کا فعل تھا' ان کی مذہبی تعلیم یہ نہیں ہے انہوں نے اپنے مذہب کو اور اپنی قوم کو بدنام کیا ہے۔ میں اپنی زندگی میں ایسا نہیں ہونے دوں گا عورتوں پر کوئی سختی نہ کی جائے گی ان کے ننگ و ناموس کو باقی رکھا جائے گا' کسی مسلمان کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی عورت کی بے حرمتی کر سکے۔ بچوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ ہم تمہیں چھوڑ دیتے مگر تم جنگی قیدی ہو۔ ہماری نہیں ساری قوم کی ملکیت ہو۔ اس لئے ہم تمہیں رہا نہیں کر سکتے۔ البتہ اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں کچھ تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ آرام سے رکھیں گے اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو۔ کوئی تکلیف ہو تو فوراً ہم سے کہو۔ ہم روزانہ صبح کے وقت تمہارے پاس آتے رہیں گے"۔

بچوں بیچاروں کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور ان کا انجام کیا ہو گا۔ لیکن عورتوں کو خوف تھا کہ یا تو ان کی گردنیں ماری جائیں گی یا ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جائے گا۔ ان کے ننگ و ناموس کی دھجیاں اڑائی جائیں گی۔ ان کے سامنے ان کے بچوں کو ذبح کیا جائے گا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے عیسائی مرد جب کسی اسلامی بستی پر چھاپہ مارتے تھے تو مردوں کو مار ڈالتے تھے اور بچوں کو عورتوں کے سامنے ذبح کر دیتے تھے اور اس کے بعد

عورتوں کی بے حرمتی کر کے انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔

لیکن جب عماد الدین زنگی نے انہیں تسلی دی اور اطمینان دلایا تو ان کا خوف اور پریشانی دور ہو گئی۔ انہوں نے عماد الدین زنگی کو دعائیں دیں۔ زنگی نے کمال سے مخاطب ہو کر کہا "یہ قیدی تمہاری نگرانی میں دیئے جاتے ہیں۔ تم سنجیدہ بھی ہو اور نرم دل بھی۔ کسی عورت اور کسی بچے کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ان کی ضروریات مہیا کرتے رہنا اور انہیں آرام اور راحت سے رکھنا۔ جن بچوں کی مائیں نہ ہوں ان کو رشتہ داروں کو دے دینا۔ غرض ایسا انتظام کرنا کہ نہ بچوں کو کوئی تکلیف ہو اور نہ عورتوں کو"۔

کمال نے عرض کیا "انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا یا امیر" وہ قیدیوں کو لے کر چلے گئے۔ ان کے بعد مسلم قیدی عماد الدین زنگی کے سامنے پیش ہوئے ان میں مرد بھی تھے بچے بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ سب قیدی نحیف و زار ہو رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں سخت تکلیفیں پہنچائی گئی ہیں اور بھوکا بھی رکھا گیا ہے انہیں دیکھ کر تمام مسلمانوں کو بڑا قلق ہوا خصوصاً عماد الدین زنگی کو بڑا رنج ہوا' ایک دفعہ تو انہیں جوش آنے لگا' ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ مگر فوراً ہی انہوں نے ضبط کیا اور قیدیوں سے مخاطب ہو کر کہا "خدا کا شکر ہے کہ تم قید سے رہا ہوئے اپنے بھائیوں کے پاس آ گئے تمہاری صورتیں کہہ رہی ہیں کہ تم پر کیا کیا مظالم ہوئے' یہ ان ظلموں ہی کا خدا نے بدلہ لیا ہے' عیسائیوں کی کمر ٹوٹ گئی ہے اثرب پر ہمارا قبضہ ہو گیا ہے' عیسائی مغلوب ہو گئے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ مغلوب رہیں گے۔ عیسائیوں نے تمہاری بد دعاؤں کا خمیازہ بھگتا ہے"۔

بعض قیدی اس قدر نڈھال ہو رہے تھے کہ ان میں سے کھڑا نہ رہا گیا' بیٹھ گئے۔ زنگی نے ان کے لئے پھل منگائے۔ عورتوں کو ایک طرف قناتیں کھڑی کر کے قالینوں کے فرش پر بٹھایا۔ بچوں کو بھی ان کے پاس ہی بھیج دیا۔ مردوں کو اپنے پاس بٹھایا اور سب کو پھل کھانے کو دیئے۔ بیچاروں کو شاید عرصہ کے بعد کھانے کو پھل ملے تھے کھانے لگے۔ جب پھل کھانے اور پانی پینے کے بعد ان کی طبیعتیں قابو میں آئیں تب زنگی نے ہشام سے کہا "تم عورتوں سے جا کر معلوم کرو کہ کون کون اور کہاں کہاں کی رہنے والی ہیں"۔

ہشام چونکہ کمسن تھے ان سے عورتوں نے پردہ نہیں کیا۔ انہوں نے ان سے دریافت کرنا شروع کیا' سب نے جہاں جہاں کی وہ تھیں ان مقاموں کے نام اور اپنے باپوں' بھائیوں' شوہروں اور دوسرے عزیزوں کے نام بھی بتا دیئے' ایک سانولے سے رنگ کی عورت رہ گئی۔ جب اس سے

ہشام نے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں کی رہنے والی ہے تو اس نے ایک لمبی آہ کی اور خاموش ہو گئی۔ ہشام کے دل میں اس کی آہ اثر کر گئی۔ وہ بھی افسردہ ہو گئے انہوں نے کہا "ہمارے امیر عماد الدین زنگی کا حکم ہے کہ عورتوں کے مسکن اور عزیزوں کے نام معلوم کر لئے جاویں تاکہ انہیں وہیں پہنچا دیا جائے۔ بتاؤ تم کہاں کی رہنے والی ہو۔۔۔؟"

عورت نے کہا "کہاں کی بتاؤں؟ جو میرا وطن تھا معلوم نہیں اب اس کا کیا حال ہے۔ اور جن لوگوں میں رہی اور جس مقام پر رہتی تھی وہ لوگ تباہ ہو گئے اور بستی برباد کر دی گئی۔ اب بتاؤ میں کیا بتاؤں؟"

ہشام: مگر کچھ تو بتانا چاہیے ہی۔

عورت: میں بڑی بدنصیب ہوں۔ وطن کے بتانے سے تو کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بہت پہلے ہی چھوٹ چکا تھا' اس کے بعد میں الفرامامیں رہنے لگی تھی۔

ہشام نے حیرت سے اس عورت کو دیکھ کر کہا

"الفراما میں"۔

عورت نے غور سے ہشام کو دیکھ کر کہا "ہاں مگر تمہیں حیرت کیوں ہوئی؟"

ہشام: میں بدقسمت بھی وہیں کا رہنے والا ہوں۔

عورت نے سخت متعجب ہو کر کہا "تم ...... تم بھی وہیں کے رہنے والے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

ہشام: میرا نام ہشام ہے۔

"ہشام" عورت نے چیختی ہوئی' آواز سے کہا۔ وہ اٹھ کر ہشام کی طرف بڑھی مگر ضعف آگیا اور غش کھا کر گر پڑی۔ عورتوں ے روک لیا ورنہ اسکے چوٹ آتی۔ سب اسے ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگے۔

........☆☆☆........

باب ۳۶

غمزدہ خاتون

چیخ کی آواز عماد الدین زنگی نے بھی سن لی۔ انہوں نے فوراً کہا "ہشام کو بلاؤ"۔

کئی آدمی دوڑے گئے اور ہشام کو بلا لائے زنگی نے ان سے پوچھا "یہ کس نے چیخ ماری تھی؟"

ہشام نے جواب دیا "ایک عورت ہے بیچاری بہت ہی ستم زدہ معلوم ہوتی ہے"۔

عماد الدین: کہاں کی رہنے والی ہے؟

ہشام: الفراما کی۔

"الفراما کی" زنگی نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ پھر کہنے لگے "پوچھا نہیں تم نے کون ہے وہ؟"

ہشام: میں پوچھ ہی رہا تھا۔ جب اس نے کہا "میں الفراما کی رہنے والی ہوں" تو میری زبان سے نکل گیا کہ "میں بد قسمت بھی وہیں کا رہنے والا ہوں" وہ اس بات کو سن کر بڑی حیران ہوئی، مجھ سے میرا نام پوچھا۔ جب میں نے اپنا نام بتایا تو وہ چیخ کر اٹھی اور میری طرف بڑھی۔ مگر غش کھا کر گر پڑی۔

عماد الدین: کہیں تمہاری والدہ تو نہیں ہیں وہ؟

ہشام: میری والدہ گورے چٹے رنگ کی بڑی حسین عورت تھیں۔ میری نگاہوں میں ان کی تصویر پھرتی ہے۔ یہ عورت سانولے رنگ کی ہے۔

عماد الدین: شاید رنگ بدل گیا ہو۔

ہشام: کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

عماد الدین: اکثر غم، فکر اور فاقہ سے رنگ بدل جایا کرتا ہے۔

ہشام: مگر اس قدر کہ سفید چمکیلی سی رنگت سانولی ہو جائے۔

عماد الدین: ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ سفید رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے سانولا نہیں ہوتا۔

ہشام: مگر وہ بالکل سانولی رنگت کی ہے۔

عمادالدین: ممکن ہے تمہاری کوئی رشتہ دار ہو۔

ہشام: لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے میرے خاندان میں کوئی ایسی عورت نہیں تھی۔

عمادالدین: مگر وہ تمہیں جانتی ضرور ہے۔

ہشام: یہی میرا خیال ہے۔

عمادالدین: تم جاؤ اور جب وہ ہوش میں آجائے تب اس سے پوچھنا۔

ہشام: پوچھوں گا۔

وہ وہاں سے چلے گئے' ان کے جاتے ہی ایک افسر نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ "مال غنیمت جمع ہو گیا ہے"۔

عمادالدین زنگی معہ افسروں کے اٹھے۔ اس جگہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع کیا گیا تھا۔ سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ سونے چاندی کی سلاخیں بھی تھیں اینٹیں بھی تھیں۔ زیورات بھی تھے۔ برتن بھی تھے جواہرات بھی تھے اور جواہرات کے زیورات بھی تھے۔ ریشمی تھان بھی تھے ریشمی پوشاکیں بھی تھیں اور بھی کئی قسم کے بیش قیمت سازوسامان تھے۔ کئی اور دھاتوں کے برتن تھے۔

سونے چاندی کی اینٹوں' سلاخوں اور زیورات میں اشرب کے خزانہ کی بھی دولت تھی اور وہاں کے عیسائیوں کی بھی۔ لیکن زیادہ تر ان مسلمانوں کی دولت تھی جنہیں لوٹا گیا تھا۔ عمادالدین زنگی نے اس دولت کو دیکھ کر کہا "یہ ہے خدا کی شان۔ عیسائیوں نے ہمارے بھائیوں کو لوٹا۔ تباہ کیا ' آج وہ خود لٹ گئے اور تباہ ہو گئے۔ اچھا اس دولت کی فہرست تیار کر کے خزانہ میں رکھ دو۔ اور منادی کرا دو جو مسلمان لوٹے گئے ہیں وہ اپنی چیزیں آکر شناخت کر لیں۔ مسلمانوں کی چیزیں انہیں لوٹا دی جائیں گی اور بقیہ مال غنیمت تقسیم کر دیا جائے گا۔

کئی آدمی فہرستیں تیار کرنے لگے۔ زنگی وہاں سے چلے آئے انہوں نے سپاہیوں کو کمریں کھول کر آرام کرنے کا حکم دیا اور خود بھی آرام کرنے لگے۔

ہشام خواتین میں پہنچے۔ ان کی ذات سے عورتوں اور بچوں کو بڑا لگاؤ ہو گیا تھا' اب ہشام نے سب سے پہلے بچوں اور عورتوں کو دودھ پلوایا۔ اس عورت کو بھی ہوش آگیا تھا اسے بھی دودھ پلوایا تھا۔

اس کے قریب بیٹھ گئے۔ عورت انہیں دیکھ رہی تھی اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ وہ انہیں پیار کرنا چاہتی ہے مگر جھجکتی ہے۔ ہشام نے اس سے کہا "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

عورت: اچھی ہے خدا کا شکر ہے۔

ہشام: تم بے ہوش ہونے سے پہلے میری طرف بڑھی تھیں۔

عورت: ہاں

ہشام: کس لئے؟

عورت کچھ سوچنے لگی جیسے وہ اپنے دل پر جبر کر رہی ہے۔ اس نے کہا "میں تمہیں پیار کرنا چاہتی تھی"

ہشام: کیا تمہارے بھی کوئی بچہ ہے؟

عورت: ہاں

وہ سامنے کی طرف دیکھنے لگی جیسے غم کو برداشت کر رہی ہو۔ ہشام نے کہا اور اس بچہ کا نام بھی ہشام ہے؟

عورت: ہاں میرے بچے کا نام ہشام ہے۔

ہشام: وہ تم سے کھو گیا ہے۔

عورت: کھو گیا تھا۔ بچپنے میں۔ تم زنگی کے کیا لگتے ہو؟

ہشام: میں امیر ملت اعلیٰ حضرت کا رشتہ دار نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی فوج میں رسالدار ہوں۔

عورت: تم رسا ار ہو؟

ہشام: جی ہاں۔ میں رسالدار ہوں۔

عورت: اس چھوٹی عمر میں تم رسالدار ہو گئے۔

ہشام: یہ خدا کی مہربانی۔

عورت: مگر تمہارے ماں باپ نے تمہیں اس کمسنی میں فوج میں بھرتی کیسے ہونے دیا؟

"میرے ماں باپ" ہشام نے دردناک لہجہ میں کہا۔ ان پر غم نے غلبہ کر لیا۔ انہیں اپنے ماں باپ یاد آ گئے۔ مگر وہ فوراً سنبھل گئے انہوں نے کہا "میری داستان بڑی دردناک ہے"۔

عورت: غم نہ کرو۔ پچھلے واقعات یاد کر کے افسوس نہیں کیا کرتے۔

ہشام: میں بھی بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میری امی اچھی تھیں۔ بہت ہی اچھی......

وہ چپ ہو کر افق کی طرف دیکھنے لگے۔ عورت کے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں چھلک آئیں مگر اس نے ضبط کیا اور کہا "بہت اچھی تھیں تمہاری امی"۔

ہشام: ہاں، بہت اچھی تھیں وہ۔

عورت نے لرزتے ہوئے لہجہ میں کہا "کیا ہو گئیں وہ...؟"

ہشام: وہ کھو گئیں۔

عورت: یقین کرو وہ مل جائیں گی۔

ہشام: خدا کی ذات سے یہی امید ہے۔

عورت: اور تمہارے ابا کیا ہوئے ۔۔؟

ہشام: وہ بھی کھو گئے۔ الغرناطہ کی بربادی کے وقت امی کھو گئیں تھیں اور ایک روز ابا کھو گئے۔

عورت: پھر کس نے پالا تمہیں۔

ہشام: خدا نے، جب دنیا میں میرا کوئی سہارا نہ رہا۔ میں راتوں کو اکیلا جنگل میں مارا مارا پھرا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ چادر تک اوڑھنے کو نہ تھی..... اس وقت۔

عورت کا چہرہ رنج و غم میں ڈوب گیا۔ معلوم ہوتا تھا وہ چیخ مار کر رونا چاہتی ہے۔ اس نے درد بھرے لہجے میں کہا "اس وقت کیا ہوا؟"

ہشام نے کہا "اس وقت خدا نے رحم کیا۔ ایک رحمدل جوڑے کو بھیج دیا۔ انہوں نے مجھے سنبھالا۔ پالا اور اپنی اولاد بنایا اور اس قابل کیا کہ میں اپنے ماں باپ کا انتقام لے سکوں"۔

عورت: وہ رحمدل جوڑا کون تھا۔

ہشام: وہ موصل کے رہنے والے تھے ان کے اولاد نہ تھی۔ مرد کا نام کمال ہے وہ جاگیردار اور سپہ سالار ہیں۔ عورت کا نام نجمہ ہے اب وہی میرے ماں باپ ہیں مجھے اپنے بیٹے سے زیادہ چاہتے ہیں۔

عورت: خدا انہیں خوش رکھے۔

ہشام: تم الغرناطہ میں کہاں رہتی تھیں؟

عورت: بتا دوں گی۔ ہشام۔ میں تمہاری ماما کی سہیلی ہوں۔ تم میرے بچے ہو میرا جی تمہیں پیار کرنے کو چاہتا ہے۔

ہشام: میں تمہیں اپنی امی سمجھوں گا۔

عورت نے انہیں بے اختیار اپنی آغوش میں کھینچ کر پیار کیا۔ ہشام کو اس کی آغوش میں ماں

کی سی آغوش کی راحت محسوس ہوئی۔ عورت نے ... "مجھ سے جدا تو نہ ہو جاؤ گے بیٹا"۔

ہشام: خدا نے چاہا تو میں جدا نہ ہوں گا۔ مگر تم مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ گی امی۔

"امی" عورت نے کچھ عجب غم اور حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ پھر کہنے لگی "ایک مدت کے بعد یہ لفظ سنا ہے۔ ایک مرتبہ پھر کہو"۔

ہشام: امی جان۔

عورت کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے' اس نے انہیں اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور ان کی پیشانی چوم لی۔ اس نے کہا "میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی مگر....."

ہشام: مگر کیا؟

عورت: تم میرے پاس کیسے رہ سکو گے میرا کوئی ٹھکانہ تو ہے ہی نہیں۔

ہشام: تم میرے پاس رہنا امی جان۔

عورت: مگر تم خود دوسروں کے پاس رہتے ہو۔

ہشام: میں جن کے پاس رہتا ہوں وہ بہت نیک ہیں تمہیں بھی خوشی سے اپنے پاس رکھ لیں گے۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ تم میری امی جان کی سہیلی ہو تو وہ تمہاری بڑی عزت کریں گے۔

عورت نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ وہ مجھے کنیز سمجھ کر تو رکھ لیں گے"۔

ہشام: کنیز..... میری امی جان کنیز نہیں بن سکتیں۔

عورت کی آنکھوں میں پھر آنسو چھلک آئے اس نے کہا "جیتے رہو بیٹا۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تمہاری دولت اور اقبال میں ترقی دے"۔

اس وقت زنگی نے ہشام کو طلب کیا۔ انہوں نے عورت سے کہا "اجازت ہے امی جان"۔

عورت: جاؤ بیٹا۔ خدا نے عماد الدین زنگی کو مسلمانوں کا والی اور سرپرست بنایا ہے۔ مظلوموں کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

ہشام اٹھے۔ انہوں نے عورت کو سلام کیا اور وہاں سے چلے آئے۔

.........☆☆☆.........

باب ۳۷

شاندار استقبال

جب ہشام زنگی کے پاس پہنچے تو اس وقت ان کے پاس کمال بھی بیٹھے تھے۔ زنگی نے ہشام سے عورتوں کے متعلق معلوم کیا۔ انہوں نے ہر عورت اور بچے کے متعلق جو کچھ انہیں معلوم ہوا تھا یعنی وہ کہاں کہاں کی رہنے والی ہیں اور ان کے کون کون عزیز ہیں مفصل بتا دیا۔ زنگی نے اسی وقت ان کی فہرست تیار کرائی اور حکم دیا کہ "جب ان کے عزیز انہیں لینے آئیں ان کے حوالے کر دی جائیں۔ اور جن کے عزیز یہاں نہ آسکیں انہیں موصل لے جایا جائے اور وہاں سے بھیج دی جائیں"۔

اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ بہت کم ایسی عورتیں اور بچے نکلے جن کے عزیز وہاں آکر انہیں لے گئے زیادہ عورتیں اور بچے موصل لے جائے گئے اور وہاں ان کے عزیزوں کو بلا کر ان کے حوالے کئے گئے۔ ان عورتوں اور بچوں کے حالات اس سلسلہ میں اس لئے لکھ دیئے گئے تاکہ قارئین کرام کو یہ معلوم ہو جائے کہ زنگی نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جب تک وہ زنگی کے ساتھ رہے ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا اور جب وہ رخصت کئے گئے تو انہیں بہت کچھ دولت اور سازو سامان دے کر رخصت کیا گیا۔

جب عورتوں اور بچوں کے متعلق فہرست تیار ہو چکی تب زنگی نے ہشام سے کہا "العذرا مامی عورت نے کیا بتایا؟"

ہشام نے عرض کیا "وہ عورت میری امی جان کی سہیلی ہیں مجھے جانتی ہیں"۔

عماد الدین: وہ کہاں جانا چاہتی ہیں؟

ہشام: وہ میرے پاس رہنا چاہتی ہیں۔ ان کا بھی ایک بچہ تھا اس کا نام بھی ہشام تھا وہ کھو گیا ہے۔

ہشام نے کمال کی طرف دیکھ کر کہا "ابا جان! کیا آپ انہیں اپنے پاس رکھ لیں گے؟"

کمال: بڑی خوشی سے۔

ہشام: اب دو امی ہو جائیں گی۔ ابا جان یہ بھی میری امی ہیں۔

کمال: مبارک ہو۔ بیٹا تم ہمارے پاس امانت ہو ایسا نہ کرنا کہ اپنی ماں اور ابا جان کی آنے پر ہمیں بھول جاؤ۔

ہشام: ہرگز نہ بھولوں گا۔ ابا جان مجھے آپ نے اس وقت سہارا دیا جب مجھے زمانے نے ٹھکرا دیا تھا۔

عماد الدین: خدا تمہاری عمر دراز کرے ہشام۔ تم بڑے سمجھ دار بچے ہو۔

زنگی قلعہ اشرب میں کئی روز رہے انہوں نے قلعہ کا اور اس کے علاقہ کا معقول انتظام کیا اس کے بعد انہوں نے مال غنیمت فوج میں تقسیم کیا۔ ہشام کے حصے میں پانچ سو دینار اور کئی ہار آئے انہوں نے وہ سب کمال کے سامنے جا کر رکھے۔ کمال نے ان پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا "بیٹا یہ اپنی نئی امی کو دیدو۔ وہ غمزدہ ہیں اس سے خوش ہو جائیں گی"۔

وہ نئی امی جان کے پاس لے گئے۔ انہوں نے کہا "لو امی جان یہ مجھے مال غنیمت میں سے حصہ ملا ہے"۔

ان خاتون کا دل باغ باغ ہو گیا۔ انہوں نے اسے دعا دی اور کہا "بیٹا یہ اپنے ابا جان کو دو۔ خیر سے وہ موجود ہیں"۔

ہشام: میں نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ انہوں نے کہا اپنی نئی امی جان کو دیدو۔

خاتون: اچھا میں رکھے لیتی ہوں۔ موصل چل کر اپنی امی جان کو دے دینا یہ حق ان کا ہی ہے۔

انہوں نے وہ سب سامان حفاظت سے رکھ لیا۔ اس کے چند روز بعد عماد الدین زنگی وہاں سے موصل کی طرف روانہ ہوئے انہوں نے اپنے افسروں میں سے ایک افسر کو اشرب کا قلعہ دار مقرر کیا۔

عماد الدین زنگی کی فتوحات کی خبر موصل میں پہلے پہنچ چکی تھی، موصل کے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی تھی انہوں نے استقبال کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عماد الدین زنگی کی غیر حاضری میں وزیر اعظم زنگی کے نائب مقرر ہوئے تھے ان کے پاس زنگی کے قاصد آ جا رہے تھے۔

چونکہ اہل موصل اپنے فاتح کا شاندار استقبال کرنا چاہتے تھے اس لئے وزیر اعظم نے عماد

الدین سے موصل میں داخلہ کی تاریخ مقرر کرالی تھی اور اس تاریخ کو مشتہر کر دیا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ امیر موصل کو عیسائیوں پر شاندار فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ موصل کے مسلمانوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اپنے امیر کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے ہر شخص خوش تھا اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہا تھا مرد تو مرد عورتیں تک خوش تھیں پژمردہ دل کھل گئے تھے چہروں پر رونق آگئی تھی خوشی سے چہرے گلنار ہو گئے تھے۔

استقبال کی تیاریاں بڑے زور و شور سے ہو رہی تھیں کوچہ و بازار کی صفائی کی جا رہی تھیں۔ ہر گھر صاف کیا اور سجایا جا رہا تھا۔ دکانیں آراستہ کی جا رہی تھیں' پائیں باغ اور پارک درست کئے جا رہے تھے' امیروں اور غریبوں سب پر ایک کیفیت و مسرت طاری تھی اور سب اپنے حسب حیثیت گھروں کی آرائشگی میں لگے ہوئے تھے۔

استقبال کا منظر دیکھنے کے لئے باہر سے مہمان آنے لگے تھے' صرف قرب و جوار کے علاقہ ہی کے لوگ نہیں بلکہ دور دور سے مثلاً عراق سے' مصر سے' فلسطین سے' شام سے' دمشق اور حلب سے بھی لوگ آ گئے تھے۔ موصل میں مہمانوں کے آنے سے بھی رونق بڑھ گئی تھی' دن اور رات خوب چہل پہل رہتی تھی۔ بازاروں میں ملک ملک کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے' سب خوش پوش تھے۔

جوں جوں استقبال کی تاریخ قریب آتی جاتی تھی رونق میں اضافہ ہوتا جاتا تھا اب راستے اور بازار سجائے جانے لگے تھے بازاروں پر طرح طرح کے خوبصورت سائبان تان دیئے گئے تھے دکانیں دلہن بنا دی گئی تھیں باغیچوں اور گلشنوں میں بہار آگئی تھی کلیاں چٹکنے لگی تھیں۔ پودے گل پوش ہو گئے تھے راستوں پر جو درخت تھے انہیں پھولدار پردوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔

اللہ کے بندوں سے مسجدیں بھر گئی تھیں' دینداری کا زور ہو گیا تھا بچے تک نماز پڑھنے لگے تھے۔ علماء کرام محلہ محلہ وعظ کہنے لگے ہر مجلس وعظ میں لوگ بڑے شوق سے شریک ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے خدا کو یاد کر کے اپنا لیا تھا اور اب ان پر خدا کے لطف و کرم کی بارش ہونے لگی تھی۔ ان کے لیل و نہار خوشی میں بسر ہوتے تھے ان کی پژمردگی اور افسردہ دلی دور ہو گئی تھی' بشاشی اور خوشدلی عود کر آئی تھی۔

آخر وہ تاریخ بھی آگئی جس روز عماد الدین زنگی موصل میں داخل ہونے والے تھے اس روز صبح ہی سے راستے اور بازار بھر گئے تھے۔ اس سے ایک روز پہلے کچھ پلٹنیں اور رسالے شہر سے باہر

غازی عماد الدین زنگی کا استقبال کرنے کے لئے جا چکی تھیں خوش پوش مردوں، بوڑھوں اور جوانوں کے غول کے غول پھر رہے تھے جب کچھ دن چڑھا تو پولیس اور فوج کے سپاہی راستوں پر آ گئے ان کے آتے ہی لوگ کناروں پر چلنے لگے، سڑکیں چھوڑ دیں۔

تھوڑی دیر میں فوجی باجوں کی آواز آئی، لوگ جہاں تھے وہیں کھڑے ہو گئے بالاخانوں پر پردہ نشین خواتین آ گئیں تھیں، ان کے سامنے چلمنیں پڑ گئی تھیں جن بالاخانوں پر پردہ کا انتظام نہ ہو سکا وہاں مرد اور بچے جا چڑھے۔

اس روز موصل شہر میں لوگوں کا طوفان امڈ آیا تھا راستوں کے دونوں کناروں پر بے پناہ ہجوم کھڑا تھا۔ دو منزلوں پر عورتوں اور لڑکیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع تھے۔ مرد، عورتیں اور بچے سب اپنے ہردلعزیز امیر غازی عماد الدین زنگی کی زیارت کرنے آئے تھے جو فتوحات انہوں نے حاصل کی تھیں ان سے عام مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔

دفعتہ اللہ اکبر کی پر شور آواز آئی۔ اس آواز میں فوجی باجوں کی آواز گم ہو گئی۔ لوگ سمجھ گئے کہ امیر کی سواری شہر میں داخل ہو گئی ہے۔ سب سے پہلے وہ پلٹنیں اور رسالے آئے جو استقبال کے لئے گئے تھے ان کے پیچھے کمال تھے اور ان کے ساتھ ان کا رسالہ تھا انہیں دیکھتے ہی ان پر پھول برسائے گئے اور اللہ اکبر اور کمال زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے۔

ان کے بعد دوسرے افسر مع اپنے رسالے کے آنے لگے لوگ ہر افسر کا نام لے کر زندہ باد کا نعرہ لگا رہے تھے۔ ان کے بعد عیسائی قیدی چار چار کی قطار میں آئے انہیں دیکھتے ہی مسلمانوں میں جوش اور غصے کی لہر دوڑ گئی۔ یہی وہ خونخوار درندے تھے جو مسلمانوں کو چیر پھاڑ رہے تھے مگر مسلمانوں نے ضبط سے کام لیا۔ انہیں برا تک نہیں کہا۔ قیدیوں کے بعد ہشام آئے وہ گھوڑے پر سوار فوجی وردی پہنے بڑی شان سے آ رہے تھے انہیں دیکھتے ہی لوگوں نے نعرے لگائے "ہشام زندہ باد" "کمسن رسالدار کی عمر دراز" ہشام دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو سلام کرتے چلے گئے۔

ان کے بعد غازی عماد الدین زنگی آئے۔ اسلامی علم ان کے سر پر لہرا رہا تھا انہیں دیکھتے ہی لوگوں نے "اللہ اکبر" "مجاہد اسلام زندہ باد" "امیر ملت زندہ باد" "عماد الدین زنگی زندہ باد" "حامی اسلام زندہ باد" کے نعرے لگائے ساتھ ہی بالاخانوں سے پھولوں کی بارش ہوتی چلی جا رہی تھی کہیں ان کی سواری کو رکوا کر چھوٹے چھوٹے بچوں نے پھولوں کے ہار ڈالے۔ جب ان کے گلے میں گنجائش نہ رہی تو ان کے گھوڑے کی گردن میں ڈالے گئے۔

عماد الدین زنگی کا استقبال مسلمانوں نے ان کے شایان شان کیا۔ مسلمانوں کو مسرور و شادماں دیکھ کر زنگی کو بڑی خوشی ہوئی جس جس طرف سے ان کی سواری گذری اس طرف کی سڑکیں پھولوں سے ڈھک گئیں۔ جب قصر شاہی پر ان کی سواری پہنچی تو تمام وابستگان دولت نے ان کا استقبال کیا اور جب وہ قصر کے اندر داخل ہوئے تو بیگموں نے انہیں ہار پہنائے اور خوش آمدید کہا۔

.........☆☆☆.........

باب ۳۸

نجمہ کی محبت

استقبال سے فارغ ہو کر ہشام اپنے گھر پہنچے۔ کمال کا گھر ان کا گھر تھا۔ نجمہ ان کے لئے چشم براہ تھی۔ نجمہ نے استقبال کا نظارہ دیکھا تھا۔ ان کا رواں رواں خوش ہو رہا تھا۔ کمال ان سے پہلے آ چکے تھے اور انہوں نے ہشام کی کارگذاریاں بیان کر دی تھیں' یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ رسالدار ہو گئے ہیں اور انہوں نے ایک عیسائی افسر کو گرفتار کیا ہے۔

نجمہ خوشی سے پھول گئی تھیں ان کا چہرہ پھول کی طرح شگفتہ ہو رہا تھا آنکھیں چمک رہی تھیں بڑی بے صبری سے ان کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں جب ہشام آئے اور انہوں نے انہیں سلام کیا تو نجمہ بے اختیار دوڑ کر ان سے لپٹ گئیں۔ ان کی پیشانی چومنے لگیں۔ کچھ وقفہ کے بعد جب جوش مسرت کچھ کم ہوا تو وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر کمرہ میں پہنچیں۔ اپنے ہاتھ سے ان کی وردی اتاری اور انہیں پنکھا کرنے لگیں۔

اس وقت خاصی گرمی ہو رہی تھی۔ ہشام کو پسینہ آ رہا تھا۔ مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ نجمہ انہیں پنکھا کریں جبکہ کئی کنیزیں بھی وہاں کھڑی تھیں انہوں نے کہا "امی جان" کیا غضب کر رہی ہیں آپ۔ مجھے پنکھا دیجئے میں خود کروں گا"۔

نجمہ: نہیں بیٹا۔ اس وقت میں ہی پنکھا کروں گی مجھے ہی کرنے دو۔ میرا بچہ فتوحات کر کے آیا ہے۔

ہشام: مگر یہ تو مناسب نہیں ہے امی جان۔

نجمہ: مناسب کیسے نہیں ہے۔ تم مجاہد ہو۔ غازی ہو۔ تمہاری خدمت کرنا تو ہر ایک پر فرض ہے۔

ہشام: امی جان اور ابا جان پر نہیں میرا فرض آپ کی خدمت کرنے اور آپ کا شکریہ ادا کرنے کا ہے' آپ نے ہی تو مجھے اس قابل کیا کہ میں اسلام کیلئے سرفروشی کر سکا۔

نجمہ: لیکن میرا جی چاہتا ہے بیٹا۔

ہشام نے ان کے ہاتھ سے پنکھا لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرا فرض مجھے روکتا ہے"۔

چنانچہ انہوں ے پنکھا لے لیا۔ نجمہ نے ایک کنیز کو اشارہ کیا وہ ہشام کو دوسرا پنکھا کرنے لگی۔

نجمہ: بیٹا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو تم نے حصہ لیا۔

ہشام: جی ہاں امی جان۔ جب لڑائی کو دیر ہو گئی تو مجھے جوش آگیا میں بھی لڑا مگر افسوس ہے میرے چھوٹے چھوٹے اور کمزور ہاتھوں نے میری مدد نہیں کی۔ پھر بھی میں لڑا۔ امی جان بڑے بڑے دھونگلوں یعنی موٹے تازوں سے۔

نجمہ ہنس پڑی۔ کنیزیں بھی مسکرانے لگیں۔ ہشام کہتے رہے۔ میں چاہتا تو یہ تھا کہ جو عیسائی میرے سامنے آجائے میں اسے الٹ دوں۔ مار ڈالوں لیکن جب ان پر حملہ کرتا تھا تو ان کی ڈھالوں اور زرہوں میں تلوار یا نیزہ لگ کر اچٹ جاتا تھا۔ مگر امی جان جب وہ میری طرف مخاطب ہوتا تھا تو......

نجمہ نے قطعہ کلام کر کے کہا "تم گھبرا جاتے تھے؟"

ہشام: نہیں بلکہ مجھے غصہ آجاتا تھا۔ میں اس پر پھر حملہ کرتا مگر ساتھی سوار میرے ساتھ ہی حملہ کر کے اسے مار ڈالتے۔ مجھے افسوس ہوتا کہ میں نے اسے کیوں نہ مارا۔ کبھی ایسا بھی ہوا امی جان کہ کسی سوار نے کسی عیسائی پر حملہ کیا اور اس وقت میں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس عیسائی کا سر اڑ گیا جب ایسا ہوتا تھا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی تھی ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے سامنے ایک عیسائی افسر آ گیا۔ میں نے اسے نیزہ مارا وہ گھوڑے سے گر گیا۔ میرے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے پاس بہت کچھ سونے کا سامان تھا امیر موصل نے وہ سب سامان مجھے دلا دیا۔

نجمہ: اللہ تمہیں اس سے زیادہ جرات و ہمت عطا کرے۔

ہشام: امی جان میرا عہدہ بھی تو بڑھ گیا ہے اب میں پانچسو سواروں کا رسالدار ہو گیا ہوں۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا "اللہ کرے رتبہ تیرا اور زیادہ"۔ میرے بچے انشاء اللہ تو ایک دن سپہ سالار ہو کر رہے گا۔

ہشام: اب امی جان ایک بات اور کہنی ہے مجھے۔

نجمہ: کہو بیٹا۔

ہشام: ایک امی اور آئی ہیں میرے ساتھ۔

نجمہ کا چہرہ اتر گیا۔ انہوں نے کہا "کیا تمہاری امی مل گئیں؟"

ہشام: نہیں، وہ میری امی جان کی سہیلی ہیں میرے وطن الفراما کی رہنے والی ہیں ان کے بیٹے کا نام بھی ہشام تھا وہ کھو گیا ہے۔ وہ یہ سن کر کہ میرا نام ہشام ہے بیہوش ہو گئی تھیں۔ بڑی نیک اور شریف ہیں مجھ سے بڑی محبت کرنے لگی ہیں کیا تم انہیں اپنے محل میں رہنے کی اجازت دے دو گی امی جان۔

نجمہ کچھ تذبذب میں پڑ گئی انہیں ہشام سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی جیسے وہ ان کے ہی بطن سے ہیں وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی اور عورت ان سے جیسے محبت کرے اور ان کی محبت میں شریک ہو جائے انہیں چپ دیکھ کر ہشام نے کہا "امی جان کیا تم انہیں اپنے پاس نہ رکھو گی۔ میں نے تو ان سے وعدہ کر لیا ہے انہوں نے کہا تھا جن کے پاس تم رہتے ہو وہ مجھے کنیز سمجھ کر تو رکھ لیں گے"۔

نجمہ چونکی انہوں نے کہا "نہیں، میرے بیٹے کی امی کی سہیلی کنیز بن کر نہیں رہ سکتیں۔ وہ میری بہن بن کر رہیں گی۔ میں ضرور انہیں اپنے پاس رکھوں گی ہشام"۔

ہشام خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا "وہ اشرب میں عیسائیوں کے پاس قید تھیں۔ بیچاری بہت غمزدہ ہیں۔ ابا جان نے اشرب ہی میں انہیں اپنے پاس محل میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب آپ نے بھی منظور کر لیا۔ امی جان جب مجھے اشرب میں مال غنیمت ملا تو میں ابا جان کے پاس لے گیا انہوں نے کہا "اپنی نئی امی جان کو دو۔ وہ خوش ہو جائیں گی"۔ میں ان کے پاس لے گیا انہوں نے کہا اپنے ابا جان کو دو خیر سے وہ یہاں موجود ہیں میں. نے کہا انہوں نے ہی کہا ہے کہ میں آپ کو دوں۔ تب وہ بولیں اچھا میں رکھے لیتی ہوں موصل چل کر اپنی امی جان کو دینا یہ حق ان ہی کا ہے۔

نجمہ: وہ کہاں ہیں ہشام مجھے ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔

ہشام: وہ چھاؤنی میں ہیں آپ حکم دیں تو میں انہیں لے آؤں۔

نجمہ: ضرور لے آؤ مگر پہلے غسل کرو۔ کپڑے بدلو اور پھر جاؤ۔ کچھ مہمان بھی تو آئے ہوئے ہیں ہشام۔

ہشام: مہمان کون ہیں امی جان۔ کہاں سے آئے ہیں؟

نجمہ: تمہاری خالہ ہیں حلب سے آئی ہیں ان کی ایک بیٹی ہے حور جبیں بڑی شوخ ہے۔

ہشام کو اپنی خالہ اور ان کی شوخ لڑکی کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا "کہاں ہیں وہ امی جان؟"

نجمہ: وہ بیٹا آج ہی وزیر اعظم کے یہاں مہمان ہو کر گئی ہیں کل آجائیں گی۔ جاؤ تم پہلے غسل کر لو۔

ہشام اٹھے کنیزیں ان کے ساتھ چلیں۔ مگر اب وہ سپاہیانہ زندگی کے عادی ہو گے تھے۔ ہر کام خود کرتے تھے۔ انہوں نے کنیزوں کو ہٹا دیا۔ خود غسل کیا۔ خود کپڑے پہنے اور امی جان کے پاس آئے دیکھا تو وہ کنیزوں پر اس وجہ سے خفا ہو رہی تھیں کہ انہوں نے ہشام کو غسل کیوں نہیں کرایا۔ وہ کہہ رہی تھیں "کیسے گوارا کیا تم نے اس بات کو کہ میرا بچہ خود غسل کرے اور تم کھڑی دیکھتی رہو"۔

ہشام نے دیکھا۔ غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ انہیں ان سے پہلے اس وقت کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ انہوں نے انہیں اس سے پہلے ایسے غصے کی حالت میں دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑے رہ گئے کنیزوں نے عرض کیا "ہم نے بہت چاہا سیدہ، مگر انہوں نے ہمیں وہاں سے الگ کر دیا"۔

نجمہ کو کنیزیں اور غلام سیدہ اور کمال کو آقا یا سید کہا کرتی تھیں، نجمہ بگڑ رہی تھی۔ انہوں نے کہا "انہوں نے منع کر دیا تھا مگر تمہارا فرض کیا تھا"۔

"ہم سے قصور ہو گیا سیدہ" کنیزوں نے عاجزی سے کہا۔

نجمہ: اگر میں کہیں چلی جاؤں تو تم ہشام کو وقت پر کھانا بھی نہ دو۔

کنیزیں: یہ کیسے ممکن ہے۔

نجمہ: جس طرح یہ ممکن ہے کہ تم انہیں غسل نہ کراؤ۔ کپڑے نہ پہناؤ۔ ان کا کوئی کام نہ کرو۔

کنیزیں چپ ہو گئیں وہ اپنی غلطی پر نادم تھیں۔ ہشام خاموش کھڑے تھے۔ نجمہ کے چہرہ سے ایسا جلال ظاہر تھا جو انہوں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ نجمہ نے ہشام کی طرف دیکھا انہیں دیکھتے ہی ان کا غصہ کم ہونے لگا انہوں نے کہا "ان کنیزوں نے تمہیں غسل نہیں کرایا؟"

ہشام نے ڈرتے ڈرتے کہا "امی جان! یہ غلطی تو مجھ سے ہوئی ان کا قصور نہیں ہے۔ میں سپاہی ہوں۔ سپاہی اپنا کام خود ہی کیا کرتے ہیں"۔

نجمہ چپ ہو گئیں۔ ان کے خاموش ہونے سے ہشام کی جرات بڑھی وہ ان کے پاس جا بیٹھے۔ انہوں نے کہا "امی جان! تم خفا ہو گئیں"۔

نجمہ: نہیں۔ میں اپنے بیٹے سے کیوں خفا ہوں گی۔

ہشام: اچھا تو ہنسو۔

نجمہ کو ہنسی آ گئی۔ ہشام نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا "بڑی اچھی ہیں امی جان"۔

انہوں نے ان کی پیشانی چوم کر کہا "بڑا اچھا ہے میرا بیٹا"۔

کنیزیں بھی مسکرانے لگیں۔ نجمہ نے کہا "میں نے ہشام تم سے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ تم کنیزوں سے کام لیا کرو"۔

ہشام: جی ہاں۔ مگر میں سپاہی جو ہوں امی جان۔

ایک کنیز نے کہا "سپاہی نہیں۔ رسالدار"۔

نجمہ: ہاں تم رسالدار ہو۔ اچھا جاؤ اپنی نئی امی جان کو لے آؤ۔

ہشام اٹھے اور چلے گئے۔

.......☆☆☆.......

باب ۳۹

اخوت و محبت

نجمہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ محل کے ہر کمرہ کی ہر چیز قرینہ سے لگا دیں۔ کنیزیں کمروں میں بکھر گئیں اور جلدی جلدی چیزیں اور سامان درست کر کے کمرے سجانے لگیں۔ اگرچہ محل کی صفائی اور آراستگی کمال اور ہشام کے آنے سے پہلے ہی اچھی طرح کرا دی گئی تھی لیکن اب اس آراستگی میں اور اضافہ کیا جانے لگا۔

نجمہ کچھ فکر مند تھیں اور کچھ خوش۔ فکر مند اس لئے تھیں کہ ہشام کی ایک اور امی پیدا ہو گئی تھیں۔ خوف تھا کہیں ان کی محبت میں دخیل نہ ہو جائیں اور خوش اس لئے تھیں کہ ہشام اپنی امی کی سہیلی کو پا کر خوش ہوئے تھے۔ وہ ہشام کو خوش دیکھ کر خوش ہو جایا کرتی تھیں۔

انہوں نے کمروں میں جا جا کر ان کی آراستگی دیکھی کچھ دیر کے بعد خود بھی غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ مشاطاؤں نے سنگھار کرایا اور بن سنور کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے کنیزوں کو حکم دیا کہ ہشام کی نئی امی کا استقبال اچھی طرح کیا جائے۔

تھوڑی دیر میں شور ہوا ہشام اور ان کی نئی امی آ گئیں۔ کنیزیں استقبال کے لئے دروازہ کی طرف دوڑیں۔ نجمہ نے بھی سن لیا۔ وہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

سب سے پہلے ہشام داخل ہوئے ان کے ساتھ ایک خاتون آ رہی تھیں کنیزوں نے انہیں نہایت ادب سے سلام کیا' جس طریقہ سے انہوں نے ان کا سلام لیا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں جس میں کنیزیں رہتی تھیں۔

یہی وہ خاتون تھیں جو ہشام کی نئی امی تھیں نجمہ ان کی طرف بڑھیں۔ خاتون نے سلام میں پیش قدمی کی۔ حالانکہ نجمہ انہیں سلام کرنا چاہتی تھی۔ نجمہ نے خندہ پیشانی سے ان کے سلام کا جواب دیا اور خلوص دل سے ان کا استقبال کیا دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

نجمہ انہیں اپنے ساتھ لائیں اور ایک آراستہ کمرہ میں داخل ہوئیں اس کمرہ کے آدھے حصہ میں بڑی بڑی چوکیوں کا فرش تھا ان پر دری بچھی تھی دری پر دبیز قالین تھے اور قالینوں پر اطلس کی کارچوبی کام کی مسند تھی مسند کے بیچ میں ایک بڑا تکیہ رکھا تھا اس تکیہ کے غلاف پر بھی کارچوبی کا کام ہو رہا تھا۔

نجمہ نے خاتون سے صدر میں بیٹھنے کی درخواست کی خاتون نے کہا میری یہ مجال نہیں ہے میں تو کنیز بن کر یہاں آئی ہوں۔

نجمہ نے جلدی سے کہا "کون کہتا ہے' تم میری بہن ہو۔ بہن بن کر آئی ہو"۔

خاتون نے کچھ خوش اور کچھ مغموم ہو کر کہا "بہن"۔

نجمہ: ہاں بہن بولو۔ میری بہن بننا منظور ہے۔

خاتون: ایک خانماں خراب کو بہن بناتی ہو۔

نجمہ: مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو تم میری بہن ہو۔ ہشام کی امی ہونے کی حیثیت سے بھی بہن ہو گئیں۔

خاتون: تم بڑی نیک ہو۔ اس سے بھی زیادہ جس قدر ہشام نے تمہاری تعریف کی تھی۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا "شکریہ' مگر میں باتوں میں آنے والی نہیں' اقرار کرو کہ تم نے میری بہن بننا منظور کر لیا"۔

خاتون: اگر تم مجھے یہ عزت دیتی ہو تو بصد افتخار اور شکریہ منظور ہے۔

نجمہ خوش ہو گئیں انہوں نے کہا "ہم دو بہنیں تھیں۔ اب تین ہو گئیں ہشام کی بدولت ہمارے خاندان میں اضافہ ہونے لگا ہے"۔

خاتون نے مسکرا کر کہا "تم بہت ہی وسیع اخلاق ہو اس سے بھی زیادہ جتنا میں نے ہشام کی باتوں سے اندازہ کیا تھا"۔

نجمہ: اچھا تو ہشام نے تمہیں بہت سی باتیں بتا دی ہیں۔

خاتون: یہ تمہاری باتوں کے سوائے اور باتیں ہی نہ کرتے تھے تمہارے اخلاق کی۔ تمہاری محبت کی' ایثار کی۔ ہمدردی کی تعریفیں کرتے رہتے تھے۔

ہشام اس وقت وہاں نہیں تھے وہ کنیزوں کے ساتھ باہر ہی رہ گئے تھے یا کہیں چلے گئے تھے نجمہ خاتون دیکھ رہی تھیں ان کی رنگت سلونی تھی مگر نقش و نگار بڑے دلفریب تھے آنکھیں نہایت

دلکش تھیں اگر ان کا رنگ گورا یا گندمی ہوتا تو بہت زیادہ حسین ہوتیں۔ ان کے چہرہ سے وقار اور ان کی اداؤں سے تمکنت ظاہر تھی۔

نجمہ نے کہا "اچھا اب میری درخواست منظور کرو۔ اور مسند پر چل کر بیٹھو"۔

خاتون: بہن کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔

وہ تکیہ کے سہارے سے مسند پر جا بیٹھیں۔ ان کے وہاں بیٹھنے سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اسی جگہ کے لئے موزوں ہیں۔ نجمہ نے مسند کے کنارے پر بیٹھنا چاہا۔ خاتون نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا "جب مجھے بہن بنا لیا ہے تو اب پرہیز کیسا میرے پاس بیٹھو"۔

نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا "بڑی بہن کا ادب تو ضروری ہے"۔

خاتون نے ہنس کر کہا "شوخ بہنیں ادب نہیں کیا کرتیں"۔

نجمہ: مگر میں شوخ نہیں ہوں۔

خاتون: ابھی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

نجمہ: معاف کرنا تم شوخ معلوم ہوتی ہو۔

خاتون کچھ افسردہ ہو گئیں۔ انہوں نے کہا "میں...... ہاں کبھی شوخ تھی میں۔ مگر......"

وہ چپ ہو گئیں۔ نجمہ سمجھ گئیں کہ انہیں گذرا ہوا زمانہ یاد آ گیا ہے اور اس یاد نے انہیں افسردہ خاطر کر دیا ہے۔ انہوں نے ان کے دل سے یہ اثر دور کرنے کے لئے کہا "تمہاری باتوں سے شوخی اور خوشدلی ٹپک رہی ہے ارے ہشام کہاں چلے گئے؟"

خاتون کو اب ہشام کا خیال آیا۔ انہوں نے دیکھا وہ وہاں نہیں تھے انہوں نے کہا "شاید باہر ہی رہ گئے"۔

نجمہ نے کہا "بہت ہی نیک بچہ ہے اور ہونہار بھی"۔

خاتون: یہ کیا کچھ کم بات ہے کہ انہوں نے تمہارے دل میں گھر کر لیا ہے۔

نجمہ: میں تو انہیں دیکھ کر جیتی ہوں۔ میرے کوئی بچہ نہیں ہے میں خواب میں ایک بچہ دیکھا کرتی تھی حیران تھی کہ یہ بچہ کون ہے آخر خدا نے وہ بچہ میرے پاس بھیج دیا۔ وہ ہشام ہیں۔

خاتون: وہ بھی تمہیں اپنی امی ہی کے برابر چاہتے ہیں۔

نجمہ: کہتے ہیں میں سپاہی ہو گیا ہوں۔

خاتون: لڑائی میں انہوں نے بڑی جانبازی کی ہے۔ امیر ان سے بہت خوش ہیں۔ کمسن رسالدار کہا

کرتے ہیں۔

اس وقت ہشام وہاں آئے۔ کئی کنیزیں چند صندوقچے اٹھائے لا رہی تھیں' انہوں نے وہ صندوقچے چوکی کے قریب رکھ دیئے خاتون نے ان کی چابیاں ہشام کو دے کر کہا" بیٹا کھولو ان صندوقچوں کو اور مال غنیمت اپنی امی جان کو دو"۔

ہشام نے صندوقچے کھولنے شروع کئے کھولتے جاتے تھے اور ان کا سامان قالینوں پر سجاتے جاتے تھے یہ سب چیزیں چاندی سونے کی تھیں چند زیورات سونے کے مرصع بہ جواہر تھے۔ ان کی چمک دمک سے وہ کمرہ جگمگانے لگا۔ نجمہ کی آنکھیں انہیں دیکھ کر کھلی رہ گئیں۔ انہوں نے کہا" بیٹا یہ تمہارا حصہ ہے؟"

ہشام: جی ہاں امی جان۔

ایک صندوقچہ میں درہم اور دینار تھے ابھی کئی صندوق کھولنے باقی رہ گئے تھے نجمہ نے کہا" انہیں بھی کھولو"۔

ہشام نے کہا" ان صندوقوں میں ابا جان کا حصہ ہے انہیں وہی کھولیں گے"۔

نجمہ: کیا تمہارے پاس ان کی چابیاں نہیں ہیں؟

ہشام: ہیں مگر امی جان اچھا یہی ہے کہ ابا جان انہیں کھولیں۔

نجمہ: سمجھ کی بات کہی تم نے یہ۔

ہشام: (نجمہ سے مخاطب ہو کر) اچھا تو قبول کیجئے انہیں امی جان۔

نجمہ: بیٹا یہ (خاتون کی طرف اشارہ کرکے) ان کی خدمت میں پیش کرو۔

ہشام: میں نے اشرب ہی میں پیش کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا اپنی امی جان کو دینا اب آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

خاتون: یہ تمہارا ہی حق ہے قبول کرو تم اسے۔

نجمہ: تم نے اور انہوں نے کہہ دیا۔ میں نے اپنا حق پا لیا۔ مگر اب یہ تمہارا حق ہے۔

خاتون: میرا حق بھی تمہارا ہی حق ہے تم اسے قبول کرو۔

نجمہ: قبول کر لیا۔

خاتون خوش ہو گئیں۔ ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ نجمہ نے کہا" اب یہ مال غنیمت میرا ہو گیا"

خاتون: بیشک۔ تمہارا ہی ہے اور تم ہی اس کی مستحق ہو۔

نجمہ: کیوں بیٹا ہشام؟

ہشام: جی ہاں امی جان۔

نجمہ نے خاتون سے مخاطب ہو کر کہا "اب اگر میں تم سے کوئی درخواست کروں"۔

خاتون: درخواست نہیں حکم کہو۔

نجمہ: یہ یاد رکھو تم میری بڑی بہن ہو۔

خاتون نے مسکرا کر کہا "اچھا چھوٹی بہن کیا کہتی ہو تم؟"

نجمہ: یہ مال غنیمت میری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کرو۔

خاتون: مگر میں اسے کیا کروں گی نجمہ۔

نجمہ: جو چاہنا کرنا۔ کہہ دو قبول کیا۔

خاتون: میں اپنی بہن کی بات ٹال نہیں سکتی۔ قبول کیا۔

نجمہ خوش ہو گئیں۔ ہشام کے چہرہ سے بھی معلوم ہوتا تھا وہ بھی خوش ہو گئے۔ نجمہ نے وہ سب دولت صندوقچوں میں خود بھری کنیزوں سے اٹھوائی اور خاتون کو ساتھ لے کر اس کمرہ میں رکھ آئیں جو ان کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

اس طرح ہشام کی وجہ سے ان دو نیک اور نرم دل خواتین کا ملاپ ہوا۔

باب ۴۰

حور جبین

دوسرے دن نجمہ کی بہن سلمیٰ اور ان کی بیٹی حور جبین بھی آگئیں۔ نجمہ نے ان دونوں کو اول خاتون سے ملایا دونوں ان سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ خاتون کے چہرہ سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ان سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے خصوصاً حور جبین کو دیکھ کر تو انہیں شان خدا یاد آگئی ایسی حسین لڑکی شاید انہوں نے پہلے دیکھی نہیں تھی بالکل چینی کی گڑیا یا چاند کا ٹکڑا تھی اس کے رخسار گلاب کے پھول کی طرح نرم اور گلابی تھے 'ناک ستواں اور بہت ہی پیاری۔ پیشانی چوڑی اور اونچی آنکھیں لمبی بڑی اور سیاہ پلکیں خدا کی پناہ بالکل بھالے اور سیاہ بھویں جیسے کالے بچھو۔ سر کے بال سیاہی مائل بھورے اور گھنگریالے' دانت سفید موتی کی لڑیاں لب موزوں اور گلاب کی سرخ رسیلی پتیاں۔ چہرہ سے غضب کی معصومیت اور بھولا پن ظاہر۔ لیکن بڑی شوخ۔ سیماب کی طرح بے قرار رہنے والی۔ جب اس نے خاتون کو سلام کیا تو وہ اس پر فریفتہ ہو گئیں اسے گود میں اٹھا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا وہ شرما کر گڑیا بن گئی۔

سلمیٰ نے کہا "ہشام کہاں گئے؟"

نجمہ: وہ شاید امیر سے ملنے گئے ہیں۔ اب آتے ہی ہوں گے۔

سلمیٰ: مجھے تو ان کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔

نجمہ: ہشام کو بھی تم سے ملنے کا اشتیاق ہے اور اس شریر (حور جبین) کو دیکھنے کو تو بہت ہی مشتاق ہیں۔ کیا اپنی خالہ کی گود میں معصوم بنی بیٹھی ہے جیسے بہت ہی بھولی ہے۔

خاتون نے حور جبین کو اپنی آغوش میں چھپاتے ہوئے کہا "میری بچی معصوم اور بھولی تو ہے ہی"۔

نجمہ: اس دھوکہ میں نہ رہنا۔ بڑی شوخ ہے یہ ابھی ذرا تم سے شرما رہی ہے اس لئے چپ بیٹھی ہے

نہیں تو باتیں کرتے کرتے دماغ کھا جاتی ہے۔

نجمہ: اور یہ نہیں کہتیں' ایسی دماغ سے اتار کے باتیں کرتی ہے جیسے بڑی سن رسیدہ اور تجربہ کار ہو۔

خاتون: ماشاء اللہ سمجھ دار بچی ہے۔

نجمہ: جی بڑی سمجھ دار۔

حور جبین سے چپ نہ رہا گیا بولی "اور کچھ کہہ لیجئے خالہ جان"۔

نجمہ نے ہنس کر کہا "بول پڑی پٹاخہ سی"۔

حور جبیں شرمائی نہیں بولی "حکم ہو تو نہ بولوں"۔

نجمہ: ایسا ہی حکم مانے گی تو۔

حور جبین: خالہ جان کہاں گئے وہ چھوٹے رسالدار؟

نجمہ: اب آتے ہی ہوں گے مگر تو انہیں پریشان نہ کرنا وہ بیچارہ سیدھا مسلمان اور تو......

حور جبین نے قطع کلام کر کے کہا "اور جنت کی معصوم حور"۔

تینوں خواتین بے اختیار ہنس پڑیں۔ خاتون نے کہا "ماشاء اللہ بڑی حاضر جواب ہے"۔

نجمہ: ایسی ایسی باتیں کرتی ہے کہ میں دنگ رہ جاتی ہوں۔

خاتون: خدا عمر دراز کرے۔

نجمہ اور سلمٰی نے کہا "آمین"۔

حور جبین: کیا چھوٹے رسالدار واقعی لڑے تھے؟

نجمہ نے ہنس کر کہا "ان سے پوچھنا"۔

سلمٰی: یہ کہتی ہے اگر وہ اتنے ہی چھوٹے ہیں جتنا بتایا جاتا ہے تو لڑ نہیں سکتے اور اگر لڑتے تو چھوٹے نہیں ہو سکتے۔

نجمہ: اب یہ خود ہی انہیں دیکھ لے گی۔

حور جبین خاتون کی گود سے اتر کر قالین پر بیٹھ گئی۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ گیارہ سال کی تھی۔ بوٹا سا قد۔ سرو سی جسامت' پھول سے عارض' چاند سی پیشانی۔ موتیوں سے دانت اور مے گوں آنکھیں غرض ہر چیز دل میں اتر جانے والی تھی۔ اور آواز...... جب وہ بات کرتی تو بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے فردوسی باجہ بج رہا ہے وہ ریشمی لباس اور سونے کے زیورات پہنے ہوئے تھی کانوں میں جواہرات کے گوشوارے تھے۔ سلمٰی کے صرف ایک ہی اولاد حور جبین تھی ماں باپ اس پر جان

چھڑکتے تھے بڑے لاڈ و پیار سے پرورش ہوئی تھی۔ کنیزیں اس پر فدا تھیں سب اس سے محبت اور اس کی نازبرداری کرتے تھے۔ لیکن وہ اس لاڈ پیار سے بگڑی نہیں تھی۔ ضدی سرکش اور بدتہذیب نہیں ہو گئی تھی بلکہ اس کی تربیت نہایت ہی اچھی ہوئی تھی۔ بڑی مہذب فرمانبردار' سلیقہ شعار اور شائستہ تھی۔ البتہ شوخ تھی۔ طبیعت میں چنچل پن تھا شوخی ضرور کرتی تھی مگر تہذیب کے اندر اس کی شوخی کسی کو بری نہیں معلوم ہوتی تھی بلکہ اچھی لگتی تھی اور اسی لئے سب اسے چاہتے تھے وہ بلبل کی طرح چہکتی تھی اس کی باتیں بڑی پیاری ہوتی تھیں۔

حور جبین نے کہا "مگر جب وہ لڑتے ہیں تو چھوٹے کیوں ہیں؟"

سلمیٰ نے حسین قہقہہ لگا کر نجمہ سے کہا "لو دو جواب اس کی بات کا"۔

نجمہ: بیٹی وہ بہادر ہیں اس لئے چھوٹی عمر میں لڑتے ہیں انہوں نے کئی دشمنوں کو مار ڈالا اور ایک افسر کو گرفتار کر لیا۔

حور جبین: تب وہ ضرور بڑے ہیں۔

نجمہ: تم کیسے کہتی ہو کہ وہ بڑے ہیں؟

حور جبین: آدمی اتنا ہی بہادر ہوتا ہے جتنا بڑا ہو۔ بچے کم بہادر ہوتے ہیں۔ بڑے لڑکے ان سے زیادہ اور جوان آدمی سب سے بڑھ کر۔

اس وقت ہشام آ گئے وہ فوجی وردی پہنے تھے۔ خاتون نے کہا "لو وہ آ گئے۔ اب ان سے پوچھنا"۔

سب کی نگاہوں کے ساتھ حور جبین کی نظریں بھی ان کی طرف اٹھ گئیں وہ انہیں دیکھ کر کچھ ششدر سی رہ گئی۔ ہشام نے سلمیٰ کو دیکھ کر قرائن سے یہ سمجھ لیا کہ وہی خالہ ہیں چنانچہ انہوں نے انہیں بڑے ادب سے سلام کیا۔ سلمیٰ بھی انہیں دیکھ کر بھونچکا رہ گئی انہوں نے سلام کا جواب دے کر انہیں اپنے پاس بٹھایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

ایک تو ہشام تھے ہی شکیل دوسرے فوجی وردی پہنے ہوئے تھے ان کا چہرہ چمک رہا تھا اس پر ان کی شائستگی اور شرم نے انہیں اور حسین بنا دیا تھا حور جبین ٹکٹکی لگا کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ شرما رہے تھے۔ سلمیٰ نے کہا خدا نظر بد سے بچائے وردی کیسی زیب دے رہی ہے ان کے جسم پر۔

نجمہ: خدا کے فضل سے بڑے جامہ زیب ہیں جو کچھ پہنتے ہیں پھوٹ نکلتا ہے۔

سلمیٰ نے ہشام سے کہا "بیٹا تم جہاد میں حصہ لے چکے ہو"۔

ہشام: جی ہاں خالہ جان۔

سلمٰی: ہمیں اپنی لڑائی کے کچھ حالات تو سناؤ۔

ہشام نے جس قدر حالات اپنی امی نجمہ کو سنائے تھے۔ سلمٰی کو بھی سنا دیئے خاتون سلمٰی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جوں جوں وہ واقعات بیان کرتے جاتے تھے ان کی حیرت اور مسرت بڑھتی جاتی تھی انہیں حیران اور مسرور دیکھ کر خاتون خوشی سے مست ہوئی جاتی تھیں۔ نجمہ بھی چمکیلی نظروں سے سلمٰی کو دیکھ رہی تھیں مگر حور جبین کچھ عجب عجب نگاہوں سے انہیں تک رہی تھی۔ ایک مرتبہ ہشام کی نظر اس کی نگاہوں سے ٹکرا گئی۔ حور جبین کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔

جب ہشام تمام واقعات بیان کر چکے تو سلمٰی نے کہا "بڑی دلیری کی تم نے بیٹا۔ اس وقت تمہیں دیکھ کر جس قدر دل خوش ہوا تھا تمہاری باتیں سن کر اس سے زیادہ خوش ہوا۔ ماشاء اللہ بڑے کار نمایاں کیے تم نے"۔

ہشام: امی جان مجھے جوش تو بہت آیا جرات اور ہمت سے بھی کام لیا۔ لیکن قوت زیادہ نہیں تھی ورنہ میں عیسائیوں کے خون کے دریا بہا دیتا۔

سلمٰی: بیٹا جنگ میں کود پڑنا دلیری اور جرات کی بات ہے اور لڑنا طاقت کا کام ہے جس قدر تم میں طاقت تھی اس قدر لڑے۔ خدا عمر دراز کرے جب بڑے ہو جاؤ گے طاقت آ جائیگی۔ اس وقت خون کے دریا بہا دو گے مگر اس چھوٹی عمر میں اس قدر بہادری یہ بھی بڑی بات ہے۔

نجمہ: میرا چاند بڑا بہادر ہے۔

خاتون: بہادری دل پر منحصر ہے جن کے دل بڑے ہوتے ہیں وہ بہادر ہوتے ہیں۔

سلمٰی: سچ کہا تم نے بہن کیوں بیٹا۔ ہشام تم کس ارادہ سے لڑنے گئے تھے؟

ہشام: انتقام لینے۔

سلمٰی: کس کا انتقام لینے؟

ہشام: اپنی ان امی جان کا جن کے لئے میں بے چین ہوں اپنی زندگی میں ایک دفعہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

یہ بات سن کر خاتون کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہوں نے ایک دم اپنی آغوش کشادہ کر کے ان کی طرف بڑھنا چاہا۔ انکے ہونٹ بھی پھڑکے جیسے وہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ مگر فوراً ہی انہوں نے اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ نیچے گرا دیئے اور غمزدہ ہو کر سر جھکا لیا۔ نجمہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا "کیا ہو گیا

تمہاری طبیعت کو؟"

خاتون: کچھ نہیں میں ٹھیک ہوں۔ ہشام اپنی امی کو یاد کرتے ہیں اس سے میرے دل کو ٹھیس لگتی ہے۔

نجمہ: میرا دل بھی دکھتا ہے۔

سلمٰی: تمہیں اپنی امی یاد ہیں بیٹا۔

ہشام: جی ہاں یاد ہیں۔ ان کی صورت میرے دل پر نقش ہے۔

ہشام دلگیر ہو گئے۔ نجم نے کہا "بیٹا ہشام وردی اتار دو' کپڑے بدل لو"۔

ہشام اٹھے۔ نجمہ ان کے ساتھ چلیں حور جبین کی نگاہیں ان کا تعاقب کرنے لگیں۔

..........☆☆☆..........

باب ۴۱

شوخ حور

ایک دو روز تو حور جبین، ہشام سے کچھ الگ رہی۔ اس طرح کہ جب وہ آتے تو وہ انہیں اس وقت دیکھتی رہتی جب تک ان سے اس کی نگاہیں نہ ٹکرا جاتیں۔ جب ہشام اسے دیکھتے تو وہ کچھ خجل ہو جاتی اور وہاں سے بھاگ جاتی۔ مگر رفتہ رفتہ اس کی یہ وحشت یا حجاب دور ہونے لگا۔ اور آخر وہ ان کے پاس آنے اور ان سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگی۔

ہشام کو اس کی ذات سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی وہ چاہتے تھے کہ وہ لعبت چین، فردوسی حور، رشک قمران کے سامنے رہے اور اپنی نغمہ باریوں سے ان کے کان میں ایسا رس ٹپکاتی رہے جس سے ان کی روح شگفتہ ہو جایا کرے۔

حور جبین کبھی تو بے حجابانہ ان کے پاس چلی آتی۔ گھنٹوں بیٹھ کر شیریں نغمے بکھیرتی رہتی۔ کبھی بالکل پاس نہ آتی دور دور رہتی۔

لیکن جوں جوں دن گذرتے رہے اس کی یہ کیفیت بھی دور ہوتی گئی اور وہ ان سے بڑی حد تک بے تکلف ہو گئی وہ شوخ اور چنچل تھی۔ اپنی شوخی سے ہشام کو تنگ کر دیا کرتی۔ لیکن وہ اس سے بالکل بھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے اس کی شوخی کو برداشت کر لیتے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا وہ انہیں زیادہ تنگ کرنے لگی ہے تو وہ خود ہی اس سے کترانے لگے۔

پہلے تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ انہوں نے حور جبین کو کہیں تنہا بیٹھے دیکھا اور اس کے پاس چلے گئے یا اس کہیں جاتے دیکھا اور اشارہ سے اپنے پاس بلا لیا لیکن اب کچھ دنوں سے وہ نہ اسکے پاس جاتے تھے اور نہ اسے اپنے پاس بلاتے تھے۔

ان دونوں کے بزرگ جانتے تھے کہ دونوں ابھی بچے ہیں دنیا کی کسی بات کو نہیں سمجھتے اس لئے ان کی تنہائی میں کوئی مخل نہ ہوتا تھا البتہ بد... ر سلمٰی دونوں اس بات کا ضرور خیال رکھتی

تھیں کہ حور جبین نادانستگی میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے ہشام کے دل کو ٹھیس لگے اور انہیں اپنے پرانے دن یاد آجائیں۔

یہ بات سب کو معلوم تھی کہ ہشام جہاں تک سلیم الطبع نرم دل اور خوش مزاج ہیں وہاں خود دار بھی ہیں۔ یہ ان کی خودداری کی بات تھی کہ اپنا کام خود کرنا چاہتے تھے کنیزوں پر حکم نہ چلاتے تھے۔ نہ ان سے زیادہ کام لیتے تھے حالانکہ ان کی امی نجمہ نے انہیں کئی مرتبہ ٹوکا اور ہدایت کی کہ وہ خود کوئی کام نہ کریں۔ کنیزیں سب کچھ کر دیا کریں۔ مگر انہیں خوف رہتا تھا کہ کہیں کسی وقت کنیزوں کو ان کی کوئی بات بری نہ معلوم ہو جائے اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ ایک لاوارث بچہ تھا ان پر حکومت کرنے لگا۔ باوجود یہ کہ انہیں معلوم تھا کہ کنیزیں ان سے محبت کرتی ہیں۔ دل سے ان کی خدمت کرنے کو تیار رہتی ہیں مگر وہ خودداری کی وجہ سے ان سے بہت کم کام لیتے تھے۔

ان کے کھنچنے سے حور جبین کچھ کشیدہ نہیں ہوئی بلکہ اس نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جب وہ نجمہ سلمٰی یا خاتون میں سے کسی کے پاس بیٹھے ہوتے تو وہاں پہنچ جاتی اور ایسے فقرے کس دیتی جس سے وہ چپ رہ جاتے اور نجمہ وغیرہ ہنس پڑتیں۔ کبھی کبھی سلمٰی اس پر اسے ڈانٹ بھی پلا دیا کرتی تھی مگر پھر بھی وہ نہ چوکتی تھی۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ نجمہ سلمٰی اور خاتون تینوں ایک جگہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ہشام بھی وہاں آبیٹھے حور جبین نے بھی دیکھ لیا۔ وہ بھی ادھر ادھر کئی کمروں میں گھوم کر وہیں آبیٹھی بڑی متین اور بھولی بن کر جیسے کچھ جانتی ہی نہیں۔ نجمہ نے اسے دیکھ کر کہا "شریر' کچھ شرارت کرنے کا ارادہ ہے کیسی بھولی اور متین بنی بیٹھی ہے"۔

حور جبین نے فوراً کہا "چپ بیٹھو جب شریر' شرارت کرو جب شریر"۔

نجمہ: میں جانتی ہوں تجھے۔ جب فضا ساکن ہو جاتی ہے ہوا تک رک جاتی ہے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ طوفان آنے والا ہے ایسے ہی جب تو متین بن جاتی ہے اور بھولی معلوم ہونے لگتی ہے تو یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی شرارت کرنے والی ہے۔

حور جبین: یہ تو تمہارا خیال ہے۔ خالہ جان' میں شوخ اور شریر نہیں؛ بلکہ بہت بھولی اور معصوم ہوں۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔

نجمہ: پوچھو۔

حور جبین نے کن انکھیوں سے ہشام کو دیکھ کر کہا "اگر میں فوج میں بھرتی ہو جاؤں"۔

نجمہ ہنس پڑی۔ انہوں نے کہا "نہ تلوار اٹھا سکے نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانے۔ فوج میں بھرتی ہو گی"۔

حور جبین: اگر میں تلوار اٹھالوں اور گھوڑے پر سوار بھی ہو جاؤں تو

نجمہ: قواعد کون کرے گا تیرے بجائے۔

حور جبین: میں سپاہی کیوں نہ بن سکوں گی؟

نجمہ: تیرے ہاتھ پیر سپاہی بننے کے قابل ہیں بھی۔

حور جبین: اور ہشام کے ہیں۔

نجمہ: ہشام تو سپاہی کے بچے ہیں۔ سپاہی ہیں۔ فوج میں بھرتی ہو کر لڑائی میں گئے۔ بڑی بہادری سے جہاد کیا' شہرت حاصل کی۔ انعام پایا۔ ترقی ہوئی رسالدار ہو گئے۔

حور جبین: یہ باتیں تم سے ہشام نے ہی تو کہی ہیں۔

نجمہ: انکے ابا جان نے بھی کہی ہیں۔ ان کے سپاہی جانتے ہیں۔

حور جبین: مجھ سے سنو مجھ سے۔

نجمہ: تم بھی سناؤ۔

حور جبین: امیر زنگی نے کچھ سوار ان کے ساتھ کر دیئے وہ ان کے گرد چھائے رہے انہوں نے انہیں دشمنوں کے حربوں سے بچایا۔ انہوں نے ہی دشمنوں پر حملہ کیا۔ انہوں نے ہی دشمنوں کو قتل کیا۔ چونکہ امیر ان پر مہربان تھے سپاہیوں نے امیر کو خوش کرنے کے لئے ان کا نام کر دیا۔

سلمیٰ اور خاتون مسکرا رہی تھیں۔ نجمہ نے ہنس کر کہا "اچھا.... یہ بات ہوئی گویا تو انہیں بہادر نہیں مانتی"۔

حور جبین: کیسے مان لوں؟

ہشام کو کچھ طرارہ سا آ گیا۔ انہوں نے کہا "امی جان جیسی یہ خود ہیں ویسا ہی دوسروں کو سمجھتی ہیں"۔

نجمہ: کیا مطلب ہے اس سے تمہارا۔

ہشام: نازک اور کمزور دل کی ہیں نا دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتی ہیں۔

حور جبین نے لطیف قہقہہ لگا کر کہا "نکلی نا سچ میری بات"۔

نجمہ: شریر' تیری بات سچ کیسے نکلی۔ وہ تو اس کی تردید کر رہے ہیں۔

حور جبین: واہ واہ اگر میری بات سچ نہیں تھی تو انہوں نے برا کیوں مانا؟

سلمیٰ: بتاؤ بھئی ہشام تم نے برا کیوں مانا

ہشام: میں کیوں برا مانتا۔

حور جبین: اچھا سپاہی ان کے ساتھ تھے یا نہیں۔

ہشام: ہم افسر بھی تھے۔

حور جبین نے پھر حسین قہقہہ لگایا اور طنز سے کہا "افسر تھے یہ"۔

سلمیٰ نے ہنس کر کہا "لو وہ تمہیں افسر بھی نہیں مانتی"۔

حور جبین: افسر بھی ایسے ہوتے ہیں۔

ہشام: نہیں افسر ایسے ہوتے ہیں جیسی یہ (حور جبین کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھی ہیں۔

حور جبین نے شوخی سے کہا "ٹھیک کہا تم نے۔ افسری ہمیں ہی زیب دیتی ہے"۔

ہشام: آہاہا۔ ایسے نازو نزاکت والے افسر ہو جائیں تو سپاہیوں کا بیڑا غرق ہو جائے۔

اس پر سب نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ ہشام اٹھ کر چلے گئے۔ سلمیٰ نے کہا "حور جبین تو نے ہشام کو خفا کر دیا"۔

حور جبین: مگر وہ خفا کیوں ہو جاتے ہیں؟

سلمیٰ: تو باتیں ہی ایسی کرتی ہے۔

نجمہ: انہیں منا لینا۔

حور جبین: کیوں مناؤں میں۔

خاتون: ہاں یہ کیا چھوٹے باپ کی بیٹی ہے کیوں جھکے یہ۔

سلمیٰ: مگر خفا تو تو نے ہی کیا ہے انہیں حور جبین تو ہی منانا۔

حور جبین: اچھا ابھی منا لاؤں گی۔

حور جبین چلی۔ خاتون نے مسکرا کر کہا "کیسی پیاری بیٹی ہے اس میں ضد اور غرور بالکل نہیں"۔

ہشام اپنے کمرے میں جا بیٹھے تھے۔ شوخ حور جبین نے جھانک کر کہا "رسالدار صاحب میں آسکتی ہوں؟"

ہشام نے چاہا جواب نہ دیں۔ مگر دل نہ مانا۔ جواب دینا ہی پڑا کہا "آجاؤ، تمہیں کون روک

سکتا ہے"۔

حور جبین کمرہ میں داخل ہو کر بے تکلف ان کے پاس جا بیٹھی۔ اس نے کہا "خفا ہو گئے تم"۔

ہشام: خفا ہو کر تمہارا کیا کر لوں گا۔

حور جبین: معاف کر دو میں نے تمہارا دل دکھایا۔

ہشام اس کے حسین چہرہ کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ شرما گئی' ہشام نے کہا "آخر تم کیا ہو؟"

حور جبین نے شوخی سے کہا "جنت کی حور"۔

ہشام: جنت میں ایسی ہی شوخ حوریں ہوں گی تو مسلمانوں کا کیا حال ہو گا۔

حور جبین: ان کی خوشی اور خرمی بڑھ جائے گی۔

ہشام: تم اس قدر شوخ کیوں ہو؟

حور جبین: اور تم اس قدر تنگ مزاج کیوں ہو؟

ہشام چپ ہو گئے۔ حور جبین نے کہا "معاف کر دیا تم نے مجھے؟"

ہشام: معاف کر دیا۔

حور جبین کھل کھلا کر ہنسی۔ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "آؤ امی جان کے پاس چلو"۔

ہشام کو اپنے جسم میں بجلی سی دوڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا "ان ہی ریشم سے ملائم ہاتھوں پر ناز کرتی ہو؟"

حور جبین نے ان کی آنکھوں میں اپنی حسین آنکھیں ڈال کر کہا "اور تمہیں کس بات پر ناز ہے؟"

ہشام نے سادگی سے کہا "کسی پر بھی نہیں"۔

حور جبین ہنس پڑی اور انہیں کھینچتی ہوئی نجمہ کے پاس لے گئی۔ وہاں جا کر بولی "لو میں منا لائی انہیں"۔

نجمہ نے مسکراتے ہوئے ہشام سے پوچھا "خوشامد بھی کرائی تم نے اس سے"۔

حور جبین: میں اور خوشامد کروں۔

ہشام: معافی مانگ لی ہے۔

حور جبین: بہت مانگی معافی۔

سب ہنس پڑے۔

☆☆☆

باب ۴۲

انکشاف حقیقت

اشرب ۵۳۰ھ میں فتح ہوا تھا اس وقت ہشام کی عمر بارہ سال کی ہو گئی تھی چند مہینے اور گذر گئے۔ سلمیٰ اور حور جبین چھ مہینے تک مہمان رہیں اس زمانہ میں سفر میں آسانیاں نہیں تھیں جب کوئی کہیں مہمان جاتا تھا تو کئی کئی مہینے رہتا تھا کیونکہ برسوں میں آنا جانا ہوتا تھا اور راستے میں کئی کئی ہفتے کیا مہینوں لگ جاتے تھے آبادیاں دور دور تھیں۔ منزل در منزل ٹھہرتے اور بستیوں میں کئی کئی دن قیام کرتے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جایا کرتے تھے۔

حلب موصل سے کافی فاصلہ پر تھا۔ کم سے کم ایک مہینہ میں ایک طرف کا سفر ہوتا تھا۔ حور جبین کے باپ اوصاف علی اپنی بیوی اور بیٹی کو لینے آ گئے تھے واپسی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں۔ حور جبین کچھ اداس رہنے لگی تھی۔ سلمیٰ اور نجمہ بھی کچھ آزردہ ہو گئی تھیں۔ خاتون بھی کچھ خوش نہ رہتی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلمیٰ اور حور جبین کے چلے جانے کو سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ مگر انہیں جانا ضروری تھا اور سفر کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جب ان کے رخصت ہونے میں دو تین روز ہی رہ گئے تو اک دن حور جبین ہشام کے کمرہ میں پہنچی۔ ہشام خاموش بیٹھے کسی فکر میں کھوئے ہوئے تھے حور جبین نے کہا "کیا سوچ رہے ہو ہشام؟"

ہشام نے اس زہرہ جبیں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "سوچ رہا ہں کہ اب تم چلی جاؤ گی"۔

حور جبین کا چہرہ چمک اٹھا اس نے کہا "مگر تم تو چاہتے تھے کہ میں چلی جاؤں"۔

ہشام: یہ میں نے کبھی نہیں چاہا۔

نور جبین: میں تمہیں تنگ جو کرتی رہتی تھی۔

ہشام: مگر مجھے تم پر غصہ نہیں آتا تھا۔

نور جبین: حلب آؤ گے۔

ہشام: اگر امی جان آئیں تو ضرور آجاؤں گا۔

نور جبین: مگر تم بے مروت ہو۔

ہشام: کیسے جانا تم نے۔

نور جبین: تم سے کسی بات کی امید نہیں۔

ہشام: یہ تمہارا خیال ہے۔

نور جبین: اچھا ہمیں بھول تو نہ جاؤ گے۔

ہشام: تمہیں بھولنا مشکل ہے۔

حور جبین خوش ہو گئی اس کے چہرہ پر سرخی بکھر گئی آنکھیں چمکنے لگیں اس نے کہا "میں بھی تمہیں نہ بھولوں گی"۔

ہشام نے اس کے چاند سے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا "تم ..... تم سے یہ امید نہیں"۔

حور جبین: میں سچ کہہ رہی ہوں ہشام۔

اس وقت کسی نے حور جبین کو آواز دی اور وہ زقند لگا کر بجلی کی طرح دوڑی چلی گئی۔

آخر وہ دن بھی آگیا جس روز اوصاف روانہ ہونے والے تھے وہ رات نجمہ، سلمیٰ، خاتون حور جبین اور ہشام سب ہی کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی سب نے بے چینی سے اس رات کو گزارا۔ صبح سے ہی سامان بار ہونے لگا کچھ دن چڑھے سواریاں محل سے لگا دی گئیں۔ اگرچہ سب مغموم تھیں لیکن ہندوستان کی عورتوں کی طرح نہیں روتی تھیں بلکہ ظاہر میں خوش و خرم نظر آتی تھیں آخر سلمیٰ اور حور جبین رخصت ہو کر سوار ہو گئیں اور اوصاف انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔

ان کے چلے جانے سے گھر کی رونق میں کچھ کمی ہو گئی جانے والوں کی یاد رہنے والوں کو ستاتی رہی لیکن رفتہ رفتہ طبیعتیں ٹھہرنے لگیں پژمردگی دور ہونے لگی اور دل بشاش ہونے لگا۔

زمانے کا یہی قاعدہ ہے جانیوالوں کی جدائی کچھ دن متاثر رکھتی ہے رفتہ رفتہ یہ اثر دور ہو جاتا ہے اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی کسی وقت یاد آگئی تو دل پر کچھ اثر ہوا اور فوراً ہی دور ہو گیا۔

جبکہ نجمہ، خاتون اور ہشام کے دلوں سے سلمیٰ اور حور جبین کی جدائی کا ملال دھلنے لگا تھا ایک اور پریشانی پیدا ہو گئی۔ ہوا یہ کہ خاتون بیمار ہو گئیں۔ چند روز تو انہوں نے اپنے مرض کو چھپایا۔ مگر جب بڑھ گیا تو ظاہر کرنا پڑا۔ اسی وقت سے علاج شروع ہوا۔ کمال نے موصل کے مشہور طبیبوں کی طرف رجوع کیا کئی طبیبوں نے بڑے غور و فکر کے بعد فصد تجویز کی۔ شاید خون میں کچھ خرابی پیدا

ہو گئی تھی۔ اس وقت ایسے امراض کا علاج زیادہ تر فصد سے ہی ہوتا تھا۔

لیکن دقت یہ پیش آئی کہ خاتون فصد کھلوانے پر رضامند نہ ہوئیں۔ ہر چند نجمہ اور ہشام نے سمجھایا مگر وہ انکار ہی کرتی رہیں اس سے مرض اور بڑھ گیا۔ ایک روز ہشام نے ان سے کہا "امی! کیا تم فصد کھلوانے سے ڈرتی ہو؟"۔

خاتون نے کہا "نہیں بیٹا! میں ڈرنے والی عورت نہیں ہوں فصد تو کیا اگر میں جنگ میں شامل ہو جاؤں اور دو چار زخم آ جائیں میں تب بھی پرواہ نہ کروں"۔

ہشام: پھر فصد کیوں نہیں کرا لیتیں۔

خاتون: بیٹا مجھے یہ گوارا نہیں کہ کوئی میرا جسم دیکھے۔

ہشام: مگر علاج میں تو جائز ہے۔

خاتون خاموش ہو گئیں۔ آخر نجمہ نے بہت کچھ کہہ سن کر انہیں رضامند کیا۔ پردہ کا زبردست انتظام کیا گیا۔ فصاد آ گئے۔ نہایت ہوشیاری سے فصد کھولی گئی جب تک فصد سے خون جاری رہا وہ اطمینان سے بیٹھی رہیں۔ مگر جب پٹی کس دی گئی تو ان پر ضعف طاری ہو گیا اور وہ بیہوش ہو گئیں۔ نجمہ اور کئی کنیزیں ان کے پاس تھیں' اتفاق سے بے احتیاطی کی وجہ سے ان کے پیٹ کا کچھ حصہ کھل گیا۔ نجمہ دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ مگر انہوں نے فوراً کپڑا ڈھک دیا خیریت یہ ہوئی کہ کسی کنیز نے دیکھا نہیں۔ انہیں بھی اپنی نظر پر کچھ شبہ ہوا۔ انہوں نے کنیزوں کو وہاں سے بہانہ کر کے ہٹا دیا جب سب چلی گئیں اور نجمہ تنہا ہی وہاں رہ گئیں تو انہوں نے اول ادھر ادھر دیکھا جب اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تب انہوں نے پھر کپڑا اٹھایا پیٹ کا حصہ صاف نظر آ رہا تھا اس کا رنگ سفید تھا انہوں نے کچھ دور تک کرتہ اور اٹھایا جس قدر حصہ کھلا گورا رنگ تھا۔ سانولا نہیں تھا انہیں تعجب ہوا کہ چہرہ سانولا' ہاتھ اور پیر سانولے مگر جسم گورا یہ کیا بات ہے۔

خاتون ابھی تک بیہوش تھیں نجمہ نے ان کا جسم اچھی طرح ڈھک دیا اس طرح کہ اگر وہ کروٹ بھی لیں تب بھی نہ کھلے۔ تھوڑی دیر کے بعد خاتون کو ہوش آ گیا۔ رفتہ رفتہ جب ان کے حواس درست ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے کپڑے دیکھے۔ کپڑے ٹھیک تھے انہیں اطمینان ہو گیا۔ نجمہ نے ان کی یہ حرکت بھی دیکھی اس وقت انہوں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔

کچھ روز کے بعد خاتون کی طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ کمزوری بھی جاتی رہی اور وہ پہلے کی طرح خوش و خرم رہنے لگیں۔ ایک دن وہ اور نجمہ دونوں تنہا بیٹھی تھیں۔ نجمہ نے ان سے کہا "میں کئی

روز سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں مگر ڈرتی ہوں کہیں تم خفا نہ ہو جاؤ"۔

خاتون نے نجمہ کی طرف دیکھ کر کہا "میں اور تم سے خفا ہو جاؤں کیسے سمجھا یہ تم نے"۔

نجمہ: ہو سکتا ہے۔ میں ہرگز اس بات کو نہ پوچھتی مگر میری حیرت مجھے مجبور کر رہی ہے۔

خاتون: شوق سے پوچھو۔

نجمہ: اقرار کرو خفا نہ ہو جاؤ گی۔

خاتون: اقرار کرتی ہوں۔ نجمہ حقیقت میں میں تمہیں چھوٹی بہن سمجھتی ہوں۔

نجمہ: اور اسی لئے مجھے یہ جرات ہوئی ہے۔

خاتون: پوچھو۔

نجمہ: کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں سانولے ہوں اور باقی جسم گلاب کا پھول جیسا ہو۔

خاتون غمزدہ ہو گئی۔ نجمہ نے کہا "اسی بات سے ڈرتی تھی"۔

خاتون نے غمزدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا تم نے میرا جسم دیکھا ہے؟"

نجمہ: قصداً نہیں اتفاقاً اور جب سے میں نے بات دیکھی ہے سخت حیرت میں ہوں۔

خاتون: میں فصد اسی لئے نہ کھلوانا چاہتی تھی۔

نجمہ: لیکن آخر یہ راز کیا ہے؟

خاتون: اگر تم یہ اقرار کرو کہ جب تک میں نہ کہوں کسی پر یہ راز ظاہر نہ کرو گی تو میں بتا دوں۔

نجمہ: اقرار کرتی ہوں۔

خاتون: میں اس راز کو ابھی ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر تمہارے احسانات اس قدر ہیں کہ....."۔

نجمہ نے قطع کلام کر کے کہا "پھر احسانات کا ذکر کیا تم نے۔ چھوٹی بہن کہہ چکی ہو اور پھر احسانات کا ذکر کرتی ہو"۔

خاتون: میرا رواں رواں تمہارا شکر گزار ہے نجمہ۔ کیسے احسان کا ذکر نہ کروں مگر تم برا مان جاتی ہو۔ اچھا اب نہ کروں گی۔

نجمہ: اگر مناسب سمجھو تو بتا دو یہ کیا راز ہے۔

خاتون: راز یہ ہے نجمہ۔ میں نے اپنی عصمت بچانے کے لئے شریفہ کا بتایا ہوا عرق مل کر اپنے چہرہ کا کہنیوں تک ہاتھوں کا اور گھٹنوں تک پیروں کا رنگ سیاہ کر لیا تھا' پہلے بہت سیاہ تھا اب سانولا ہوتا جا رہا تھا۔

نجمہ نے حیران ہو کر کہا "شریفہ جادوگرنی کا"۔

خاتون: ہاں

نجمہ: وہ تمہیں کہاں مل گئی تھی؟

خاتون: جب میں الفرامامیں تھی تو ایک روز وہ آئی تھی اس نے بتایا تھا کہ مجھ پر مصیبتیں نازل ہوں گی وہ مجھے ایک شیشی میں عرق دے کر ہدایت کر گئی تھی کہ جب ایسا موقع آئے تو تم اپنے چہرہ اور جسم پر عرق مل لینا۔ سیاہ فام ہو جاؤ گی میں نے اس سے شیشی لے لی تھی اور ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھی۔ چنانچہ اسی شیشی نے میری جان اور عصمت بچائی۔

نجمہ: یہ تو معلوم ہو گیا مگر اب یہ بتاؤ تم ہو کون۔

خاتون: میں بد قسمت خالدہ ہوں ہشام کی ماں۔

"ہشام کی ماں" نجمہ نے کہا اور حیرت سے ان کا منہ کھلا رہ گیا۔

خاتون نے سنجیدگی سے کہا "ہاں"۔

نجمہ: مگر تم نے اپنے آپ کو ان پر ظاہر کیوں نہیں کیا۔

خاتون: کئی مرتبہ چاہا۔ مگر ہمت نہ ہوئی کیونکہ جب تک چہرہ کا رنگ اصلی حالت پر نہ آجائے وہ اس وقت تک پہچان نہ سکیں گے۔

نجمہ: اسی لئے تم ہشام سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں۔

خاتون: چپ ہو جاؤ نجمہ ہشام آرہے ہیں۔

دونوں خاموش ہو گئیں۔ ہشام آئے اور وہ ان سے باتیں کرنے لگیں۔

..........☆☆☆..........

باب ۴۳

ملاپ

کئی روز تک نجمہ خالدہ کے راز کو چھپائے رہیں۔ مروہ جب یہ دیکھتی تھیں کہ ہشام اپنے اصلی ماں باپ کے لئے پریشان ہیں۔ ماں گھر میں موجود ہے مگر وہ اپنی امی کی سہیلی سمجھ رہے ہیں تو ان کے دل پر برا اثر پڑتا۔ لیکن جب وہ خیال کرتیں کہ کہیں ہشام اپنی امی کو پاکر ان سے کم محبت نہ کرنے لگیں تو ان کے کلیجہ پر مکا سا لگتا جب ہشام کی پریشانی کا خیال ہوتا تو وہ خالدہ کا راز ظاہر کرنے پر آمادہ ہو جاتیں اور جب یہ خیال ہوتا کہ کہیں ہشام ان کے ہاتھوں سے نہ جاتے رہیں تو اس راز کو راز ہی رکھنے پر تیار ہو جاتیں۔

مگر ایک روز ایسا آیا کہ واقعات ہی بدل گئے اور وہ خالدہ کا راز ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئیں ہوا یہ کہ ایک دن ہشام ان کے پاس آئے وہ کچھ مغموم تھے۔ نجمہ نے ان سے پوچھا "غمگین کیوں ہو بیٹا؟"

ہشام نے جواب دیا "امی جان! رات میں نے ایک پیر مرد کو خواب میں دیکھا ہے وہ کہہ رہے تھے بیٹا! تم غمزدہ کیوں ہو؟"

میں نے عرض کیا "میرے ابا جان اور امی جان گم ہو گئے ہیں ان کا غم مجھے کھائے جاتا ہے "۔ پیر مرد نے کہا "تلاش کرو مل جائیں گے "اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ امی جان جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے میری طبیعت بے چین ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ان کی تلاش میں نکلوں۔

اب ہشام کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ ہو گئی تھی اگرچہ وہ سمجھدار ہو گئے تھے مگر ابھی بچہ ہی تھے۔ نجمہ یہ سن کر کہ ان کا ارادہ اپنے ماں باپ کی تلاش میں جانے کا ہے سخت پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے ان کو تسلی دی اور کہا۔

"بیٹا! ابھی تمہاری عمر تلاش و تجسس میں جانے کی نہیں ہے یہیں رہو اور دیکھو کہ پردہ غیب

سے کیا ظاہر ہوتا ہے"۔

ہشام: ایک عرصہ سے میں یہی سوچ رہا تھا کہ بڑا ہو کر تلاش کروں گا مگر اب رات کے خواب نے مجھے ہمت دلائی ہے اور اب میں ضرور انہیں تلاش کرنے جاؤں گا۔

نجمہ: بیٹا! تم اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ تمہارے چلے جانے سے ہمیں کس قدر صدمہ ہو گا۔

ہشام: میں جانتا ہوں امی جان! مگر میرے دل میں عزیزوں کی یاد نے ناسور ڈال دیئے ہیں۔ ہر وقت میں غمزدہ اور پریشان رہتا ہوں مجھے یہ صدمہ جینے نہ دے گا امی جان!

نجمہ لرز گئیں۔ انہوں نے کہا "خدا نہ کرے بیٹا۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ میری روح کانپ گئی اجازت لو"۔

ہشام: ان سے بھی اجازت لوں گا مگر تم سے اجازت لینا ضروری ہے۔

نجمہ: اگر وہ اجازت دے دیں گی تو اطمینان رکھو میں بھی دیدوں گی۔

یہ سن کر ہشام کے سر سے جیسے بوجھ اتر گیا انہیں بڑا اطمینان ہو گیا انہوں نے کہا "میں آج ان سے بھی اجازت لے لوں گا؟"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ نجمہ سوچنے لگیں کیا وہ ہشام کو بتا دیں کہ ان کی امی وہی ہیں جنہیں وہ اپنی امی کی سہیلی سمجھ رہے ہیں مگر فوراً ہی ان کے دل نے کہا "خالدہ جب سنیں گی کہ وہ ان کی تلاش میں جانا چاہتے ہیں تو وہ آپ ہی پسیج جائیں گی اور آپ ہی ان پر خود کو ظاہر کر دیں گی" وہ چپ ہو کر دوسرے کاموں میں لگ گئیں۔

اسی روز عصر کی نماز کے بعد ہشام خالدہ کے پاس آئے۔ اب انہیں خاتون کی بجائے خالدہ ہی لکھنا مناسب ہے۔ انہوں نے کہا "امی جان! رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے"۔

خالدہ ہمہ تن متوجہ ہو گئیں۔ بولیں "کیا خواب دیکھا ہے بیٹا؟"

ہشام نے پیر مرد والا خواب بیان کیا۔ خالدہ کا چہرہ غم میں ڈوب گیا۔ وہ اس قدر غمزدہ ہوئیں کہ ان کی چیخ نکلنے کو ہو گئی۔ مگر انہوں نے مشکل سے ضبط کیا لیکن آنسوؤں کو نہ روک سکیں۔ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹا! تمہاری عمر تلاش کرنے کی نہیں ہے اور کیا معلوم وہ دونوں زندہ بھی ہیں یا نہیں"۔

ہشام نے ایسی نگاہوں سے انہیں دیکھا جن میں درد و کرب کوٹ کوٹ کر بھرے تھے اور کہا "امی جان، اگر وہی زندہ نہیں ہیں تو میں بھی زندہ رہ کر کیا کروں گا"۔

ہشام: اچھا تو میں کیا کروں امی جان۔

نجمہ نے ہشام کی صورت دیکھی۔ وہ بہت ہی غمزدہ اور بے چین تھے وہ خود بھی غمگین ہو گئیں اور اس قدر غمگین ہوئیں کہ یارائے ضبط نہ رہا۔ خالدہ کا راز ظاہر کرنے پر تیار ہو گئیں مگر جب دل سے زبان پر یہ بات آگئی تو فوراً انہیں خیال ہوا کہ ایسا کرنے سے خالدہ کو جو ان پر اعتماد ہے وہ جاتا رہے گا اور وہ ان کی نگاہوں میں سبک ہو جائے گی۔

اس لئے انہوں نے ضبط کیا اور کہا "بیٹا! تمہاری ایک امی اور بھی تو ہیں پہلے ان سے

خالدہ کی آنکھوں سے سیلاب جاری ہو گیا وہ بے اختیار ہشام سے لپٹ گئیں اور بولیں۔

"تمہاری بد قسمت ماں......"۔

اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکیں ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ ہشام کا گلا بھی رندگیا ان کی آنکھوں میں بھی آنسو چھلک آئے مگر وہ پی گئے۔ اس سے ان کی ناک سے ریزش جاری ہو گئی اور منہ کا ذائقہ بھی کچھ شور ہو گیا۔ انہوں نے کہا "میری امی بد قسمت نہیں تھیں بد قسمت میں تھا"۔

خالدہ نے چیختے ہوئے کہا "نہیں ہشام ایسا نہ کہو۔ تم بڑے خوش قسمت ہو۔ تم نے غیروں کو اپنا بنا لیا ہے"۔

ہشام: مگر اپنوں کو کھو دیا ہے۔ امی جان اجازت دے دو مجھے ورنہ یہ غم مجھے مار ڈالے گا۔

خالدہ: مگر تمہیں نجمہ سے اجازت لینی چاہیے۔

ہشام: انہوں نے کہا ہے اگر تم اجازت دے دو گی تو وہ بھی دے دیں گی۔

خالدہ: اچھا ہشام، تم ایک ہفتہ صبر کرو۔

ہشام: نہیں امی جان، اب میں ایک ہفتہ صبر نہیں کر سکتا۔

خالدہ: اچھا دو روز ٹھہر جاؤ۔

ہشام: بہت اچھا۔

اس کے بعد دونوں اور باتیں کرنے لگے۔ اگلے روز خالدہ نے نجمہ سے کہا "اب کیا کروں نجمہ، ہشام میری تلاش میں جانا چاہتے ہیں"۔

نجمہ: جانے دو، جو ماں ایسی کٹھور ہو کہ بیٹے کے پاس رہ کر بھی اپنے آپ کو بیٹے پر ظاہر نہ کرے اس سے اس کے بیٹے کا بچھڑ جانا ہی اچھا ہے۔

نجمہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہوئے خالدہ تم سے بت بن کر رہ گئی۔ نجمہ نے ان کی طرف دیکھا انہیں خوف ہوا کہیں ان کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔ انہوں نے کہا معاف کرو۔ بہن میں نے بڑی سخت بات کہی۔

ایسا معلوم ہوا جیسے خالدہ کہیں دور سے واپس آئی ہوں۔ انہوں نے کہا "تم نے غلط نہیں کہا نجمہ۔ میرا بچہ میری یاد میں بے قرار ہے میں دیکھ رہی ہوں۔ میری سنگ دلی حد سے گذر گئی ہے۔ مگر کیا وہ مجھے اس حالت میں پہچان لیں گے؟"

نجمہ: ضرور پہچان لیں گے۔

خالدہ: اچھا بلاؤ ہشام کو۔

نجمہ: خود جا کر ہشام کو بلا لائیں۔ خالدہ نے انہیں دیکھا۔ مسکرانے کی کوشش کی مگر نہ مسکرائیں۔ انہوں نے کہا "بیٹا ہشام' ذرا دیکھنا میری کمر پر چیونٹی رینگ رہی ہے کیا؟"

ہشام نے ان کی کمر کھولی۔ وہ ان کی کمر کا سرخ و سفید رنگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چیونٹی دیکھنا بھول گئے۔ تعجب خیز لہجہ میں کہنے لگے۔

"امی یہ کیا تمہارا بدن تو گورا ہے؟"

خالدہ: میرے سامنے بیٹھ جاؤ بیٹا۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔

ہشام: تم میری امی ہو۔ میری امی کی کمر پر بھی ایسا ہی داغ تھا جیسا تمہاری کمر پر ہے میں نے کئی مرتبہ دیکھا تھا۔

خالدہ: میں اقرار کرتی ہوں بیٹا۔ میں ہی تمہاری امی ہوں۔

ہشام ان سے لپٹ گئے خالدہ نے انہیں اپنی آغوش میں بھینچ لیا' ہشام کو اس آغوش میں بڑی راحت محسوس ہوئی۔ نجمہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔ ہشام نے الگ ہو کر کہا "مگر امی تم نے اب تک اس بات کو کیوں چھپایا؟"

خالدہ: اس لئے کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ تمہیں مجھ سے محبت باقی رہی ہے۔ یا نہیں۔ دوسرے میں نے عرق مل کر اپنی صورت سیاہ کر لی تھی۔ تم نے مجھے اس صورت میں دیکھا تھا۔ کیسے میری بات مان لیتے کہ میں تمہاری امی ہوں' یہ مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ تم نے میری کمر کا نشان دیکھ رکھا ہے۔

ہشام: خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے تم سے ملا دیا اور دعا ہے اب اللہ تعالیٰ ابا جان سے ملا

رے۔ اور ہاں امی جان! سلطانہ کہاں ہے؟

خالدہ کی آنکھوں میں پھر آنسو چھلک آئے۔ انہوں نے کہا "بیٹا میں بتاؤں گی۔ کچھ دن صبر کرو۔ میں تمہیں اپنا سب حال سنا دوں گی"۔

نجمہ نے کہا "خدا کا شکر ہے ماں اور بیٹا مل گئے"۔

خالدہ: خدا نے تمہاری بدولت ہمیں ملایا۔ تم نے ہشام کو اس وقت سہارا دیا جب دنیا میں ان کا کوئی سہارا باقی نہیں رہا تھا۔ ہشام تمہارا ہے اور میں بھی تمہاری ہوں۔

نجمہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ انہوں نے کہا "نہیں ہشام میرا ہے اور میں تمہاری ہوں"۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا۔ یہ اور بھی خوشی کی بات ہے۔

اب تینوں خوش ہو کر خوشی کی باتیں کرنے لگے۔

.........☆☆☆.........

باب ۴۴

رنگت کی تبدیلی

ہشام بہت خوش تھے ان کی والدہ ان کو مل گئی تھیں انہیں تعجب یہ تھا کہ وہ اشرب میں عیسائیوں کی قید میں کیسے پہنچ گئیں وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ان کے والد نے انہیں اپنی تمام داستان سنائی تھی اسی طرح وہ بھی سنائیں مگر وہ ان پر تقاضا نہیں کرتے تھے۔

جب انہیں یاد آتا کہ ایک وقت ان پر ایسا آیا کہ وہ تنہا رہ گئے تھے جنگلوں میں بھٹک رہے تھے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے پہننے کے کپڑے تک پاس نہ تھے تو وہ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کرتے تھے کہ اس نے ان پر کرم کیا اور ایسے مہربان لوگوں کو بھیجا جنہوں نے اُن کی نہ صرف مدد کی بلکہ انہیں اپنا بیٹا بنا لیا انہیں آرام و راحت سے رکھا اور اس قابل بنایا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکے وہ عماد الدین زنگی کے بھی بہت شکر گزار تھے انہوں نے انہیں فوج میں بھرتی کیا عہدہ دیا جس سے انہیں جہاد کرنے کا موقع ملا۔ مگر وہ جانتے تھے کہ یہ سب کچھ خدا کی مہربانی سے ہوا ہے وہ نماز پڑھتے ہیں اسے یاد کرتے ہیں خدا انہیں نوازتا ہے ان کی یہ خواہش بھی تھی کہ خالدہ کی صورت اپنی اصلی حالت پر آجائے۔

ایک روز انہوں نے اپنی امی سے کہا "امی جان! جس عورت نے تمہیں سیاہ منہ کرنے کا عرق دیا تھا اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سیاہی کیسے دور ہو سکے گی"۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا "کیا تمہیں میری سانولی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی"۔

ہشام: اچھی تو معلوم ہوتی ہے لیکن میں چاہتا یہ ہوں کہ تمہیں تمہاری اصلی صورت میں دیکھوں۔

خالدہ: اس نے مجھے اس کی تدبیر بتا دی تھی۔ مگر سوچتی ہوں کیوں کوشش کروں۔ کیوں گوری بنوں؟

ہشام: نہیں امی جان۔ تم ویسی ہی بن جاؤ جیسی تھیں۔

خالدہ: اچھا

اس وقت نجمہ بھی وہاں آگئی۔ انہوں نے کہا "یہ بات میں بھی تم سے کہنے والی تھی کہ اس سیاہی کو اپنے چہرہ سے دور کر دو۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا "کیا تمہیں میری صورت سے ڈر لگتا ہے؟"

نجمہ: ڈر تو نہیں لگتا مگر......

خالدہ: اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

نجمہ: ہاں حقیقت یہی ہے کہاں گلاب کا پھول اور کہاں کوے کے پر۔

خالدہ: خدا کرے وہ بھی مل جائیں۔

ہشام: کون ابا جان؟

نجمہ: ہاں خدا نے چاہا آہی جائیں گے وہ بھی۔

خالدہ: مجھے یہ چیز اس لئے عزیز ہے کہ اس نے میری عصمت بچائی جو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

نجمہ: مگر اب اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ تم امن کی جگہ اور محفوظ مقام پر آگئی ہو۔

خالدہ: اچھا تو تم میرے لئے چند چیزیں منگوا دو۔

نجمہ: بتاؤ کیا چیزیں منگوا دوں۔

خالدہ نے ایک پرچہ پر کچھ دوائیں لکھیں اور نجمہ کو دے دیں۔ نجمہ نے کمال کو وہ پرچہ دے دیا اور ان سے خالدہ کا تمام حال سنایا۔ انہوں نے کہا "خالدہ بہت ہی نیک اور قابل اعتماد عورت ہیں وہ عیسائی تھیں مسلمان ہوئیں اور ایسی پکی اور راسخ العقیدہ مسلمان جن کی مثال دی جا سکتی ہے۔ پھر کس قدر عصمت ماب کہ اپنی آبرو بچانے کے لئے اپنی صورت تک کالی کر کے بگاڑ لی وہ لائق ستائش ہیں"۔

انہوں نے بڑی کوشش سے وہ دوائیں منگائیں۔ جس طرح خالدہ نے کہا تیار کرائیں اور انہیں دے دیں خالدہ نے ان کا استعمال شروع کر دیا۔ وہ رات کو اونٹنی کا دودھ جسم کے ان تمام حصوں پر خوب ملتیں اور مالش کراتیں جو سیاہ تھے اور پھر ان اعضاء پر دوا پوت لیتیں۔ صبح کو اٹھ کر پھر اونٹنی کے دودھ کی مالش کرتیں۔

ایک ہفتہ کی کوشش کے بعد ان کی رنگت تبدیل ہونی شروع ہوئی سیاہی دھل گئی اور چہرہ نکھرنے لگا۔

شریفہ جس نے خالدہ کو عرق دیا تھا ایک سیاح عورت سی وہ افریقہ سے اور طرابلس ہو آئی تھی وہیں کی جڑی بوٹیوں سے عرق تیار کیا تھا۔ وہ نجوم سے بھی واقف تھی اور اس نے حکمت بھی پڑھی تھی۔ اتفاق سے وہ الفراما آگئی تھی اور اس نے خالدہ کو کچھ حالات بتا کر عرق دیا تھا۔

اس عرق کے اثر کو دور کرنے والی دوائیں بھی شریفہ نے ہی بتائی تھیں۔ یہ دوائیں اپنا کام کر رہی تھیں مگر عرق ایک دم جلد کو سیاہ کر دیتا تھا اور دوائیں رفتہ رفتہ اس کا اثر زائل کرتی تھیں شریفہ نے خالدہ کو یہ بتا دیا تھا کہ ایک مہینہ کے استعمال سے جلد اپنی اصلی حالت پر آ جائے گی۔

دوائیں روزانہ رات کو دودھ سے دھو کر ملی جاتی تھیں اور کافی دیر تک ان کی مالش کی جاتی صبح کو دودھ ہی سے دھوئی جاتی تھیں اس سے جلد بھی ملائم ہو جاتی تھی اور سیاہی بھی چھٹتی جاتی تھی مگر دیکھنے والوں کو نرمی کا تو احساس ہوتا لیکن سیاہی دور ہوتی نظر نہ آتی تھی۔

جب پندرہ روز دوائیں ملتے ہو گئے تو ایک روز نجمہ نے کہا ان دواؤں کا تو کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا آج پندرہ روز ہو گئے لیکن رنگت میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

خالدہ: یہ عرق اثر تو فوراً کرتا ہے یعنی جلد پر لگا کر خشک کر لو۔ جوں جوں خشک ہوتا جائے گا جلد سیاہ ہوتی جائے گی مسامات کے ذریعہ سے اندر تک پیوست ہو جاتا ہے مگر اس کا اثر ایک مہینہ تک دوائیں لگانے سے دور ہوتا ہے دوائیں اول جلد کے اندر صفائی کرتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ باہر کی سطح کو بھی صاف کر دیتی ہیں جب تک اندر کا حصہ صاف نہ ہو گا باہر کا ہرگز صاف نہ ہو گا۔ شریفہ نے مجھے شروع ہی میں یہ سب باتیں بتا دی تھیں۔

نجمہ: ایک بات تو ضرور ہو گئی ہے تمہارے چہرہ کی جلد نرم ہو کر بڑی بھلی معلوم ہونے لگی ہے۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا "اگر تم ان دواؤں کو استعمال کرو تو کچھ کی کچھ بن جاؤ"۔

نجمہ: کیا بن جاؤں؟

خالدہ: پری بن جاؤ۔ اس دوا میں یہ خوبی ہے کہ چہرہ کے داغ دھبے جھائیاں' مہاسوں کے نشانات سب دور کر دیتی ہے۔ چہرہ کی جلد نرم اور صاف ہو کر چمک آتی ہے جن کی رنگتیں سانولی ہوتی ہیں ان کی بھی گندمی ہو جاتی ہیں اور جن کی رنگتیں گندمی ہوتی ہیں ان کی گلابی ہو جاتی ہیں۔

نجمہ: استعمال کرنے کو تو میرا بھی جی چاہتا ہے مگر اس میں جھنجھٹ بہت کرنے پڑتے ہیں۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا "مگر فائدہ کس قدر ہے جوانی کا سا نکھار آجاتا ہے"۔

نجمہ: تو پھر بنوا لوں میں بھی یہ دوائیں۔

خالدہ: ضرور۔

نجمہ نے بھی ان دواؤں کو تیار کر کے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ایک ہفتہ اور گذر گیا۔ خالدہ کو ان دواؤں کی مالش کرتے بائیس دن ہو گئے اب ان کی سیاہ فام جلد گندمی ہو گئی۔ دیکھنے والے یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ ان کی رنگت سانولی تھی۔ البتہ چہرہ پر کہیں کہیں دھبے رہ گئے تھے"۔

خالدہ بڑے استقلال سے ان دواؤں کو استعمال کرتی رہیں جب پورے تیس دن ہو گئے تو ان کا چہرہ پہلے ہی جیسا سرخ و سفید ہو گیا بلکہ اس میں کچھ نرماہٹ آ گئی جو پہلے سے بھی اچھی معلوم ہونے لگی۔ بالکل گلاب کے پھولوں کی طرح نرم اور خوش رنگ ہو گیا۔

ایک روز نجمہ ان کے چہرہ کی طرف دیکھتی ہوئی کہنے لگیں "کیا خدا کی شان ہے کیسا پیارا چہرہ ہو گیا ہے تمہارا"۔

خالدہ: اور اپنا چہرہ بھی دیکھا ہے تم نے۔

نجمہ: روز آئینہ دیکھتی ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ میری رنگت بھی نکھر آئی ہے لیکن تمہارا چہرہ خدا کی قسم گلاب کے شاداب اور شگفتہ پھولوں کو مات کرتا ہے بات یہ ہیکہ تم تھیں ہی آفت کا پرکالہ۔ اب پھر وہی بن گئی ہو۔ اس لئے تو ولیرن تمہارا پیچھا کرتا رہا۔

خالدہ کچھ آزردہ ہو گئیں۔ انہوں نے کہا 'اسی بد بخت نے مجھے تباہ کیا اول باپ کو قتل کیا۔ پھر الفراما پر تباہی لایا۔

نجمہ: تم نے اپنا بقیہ حال سنانے کا وعدہ کیا تھا۔

خالدہ: مجھے وہ وعدہ یاد ہے کسی روز میں تمہیں اور ہشام کو وہ تمام واقعات سناؤں گی جو مجھے پیش آئے۔

کوئی ایک ہفتہ سے ہشام کمال کے ساتھ شکار کھیلنے گئے تھے۔ وہ واپس ہو گئے جب انہوں نے خالدہ کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اگرچہ ان کے سامنے ان کا سانولا پن دور ہونے لگا تھا۔ مگر اب ان کا چہرہ گلابی ہو گیا تھا۔ انہوں نے کہا "امی جان تمہاری ایسی ہی صورت میرے حافظہ میں محفوظ تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ تم پھر ایسی ہو سکو گی"۔

خالدہ: اگر تم اور نجمہ اصرار نہ کرتے تو میں ہرگز دوائیں استعمال نہ کرتی۔

ہشام: امی جان' اس عرق کا اثر کب تک رہتا ہے۔

خالدہ: شریفہ نے مجھے بتایا تھا کہ اگر دوائیں استعمال نہ کی جائیں تو آٹھ دس برس تک اس کا اثر رہتا ہے۔

ہشام: شریفہ کوئی نہایت قابل عورت تھی۔

خالدہ: ہاں نہایت قابل تھی۔ اس نے نجوم اور حکمت پڑھی تھی۔ اسے سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ وہ مصر کی جادوگرنی کے نام سے مشہور ہے۔

اس وقت نجمہ آگئیں اور ہشام سے شکار کی باتیں پوچھنے لگیں۔

.......☆☆☆.......

باب ۴۵

خالدہ کی داستاں

ہشام کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ ان کی امی خالدہ کی رنگت اپنی اصلی حالت پر آ گئی تھی وہ ان کی صورت دیکھتے تھے اور پچھلی باتیں یاد کرتے تھے اب انہیں اپنے ابا جان اور سلطانہ کی یاد زیادہ ستانے لگی تھی۔ ابا جان تو اس کے سامنے ہی سے کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اور سلطانہ، خالدہ کے ساتھ تھی ان سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ لیکن کیسے یہ انہیں معلوم نہیں تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ضیغم الدین کو ان سے اور خالدہ کو سلطانہ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اپنی خوشی سے انہیں نہ چھوڑ سکتے تھے لیکن ان کے ابا جان بھی کہیں چلے گئے تھے اور خالدہ بھی سلطانہ کو کھو بیٹھی تھی۔

انہیں یہ معلوم کرنے کا بڑا اشتیاق تھا کہ خالدہ الفراما کی تباہی کے وقت کہاں اور کیسے چلی گئی تھیں اور سلطانہ کو انہوں نے کیسے چھوڑ دیا۔ وہ کہاں ہے اشرب میں وہ کیسے پہنچیں اور قید ہو گئیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ خالدہ سے ان کے واقعات سن لئے تھے جو الفراما کی تباہی کے بعد ان پر اور ان کے والد ضیغم الدین پر گذرے تھے ایک روز خالدہ خوش تھیں۔ ہنس ہنس کر نجمہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ ہشام بھی بیٹھے تھے۔ تینوں ہنس رہے تھے۔ جب باتوں کا رخ بدلا تب ہشام نے خالدہ سے کہا۔

لو، امی جان! آج بتاؤ تم کیسے الفراما سے نکلیں۔ کہاں گئیں، اور سلطانہ کا کیا ہوا؟

خالدہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہیں ان باتوں کے سننے کا بڑا اشتیاق ہے۔ تم سے تمہارے ابا جان نے بھی اپنے حالات بیان کئے تھے۔ میں بھی سنائے دیتی ہوں۔

ہشام اور نجمہ دونوں متوجہ ہو گئے۔ خالدہ نے کہا۔

تمہیں شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔ شروع ہی سے میں حالات بیان کرتی

ہوں۔

ہشام نے کہا "ابا جان نے مجھے سب بتا دیا ہے۔ تم عیسائی تھیں عیسائی تمہیں اپنے ساتھ لائے تھے۔ ابا جان نے چھڑایا تھا۔ القراما پر دلیرن نے تمہاری وجہ سے تاخت کی تھی"۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا "اچھا...... ضیغم الدین نے سارے ہی حالات تمہیں سنا دیئے تھے"۔

ہشام: جی ہاں۔ میں وہاں سے سننا چاہتا ہوں جب تم القراما سے چلیں۔

خالدہ: کیا نجمہ کو بھی یہ حالات سنا دیئے تھے۔

نجمہ: مجھے ہشام نے تمہارے حالات سنا دیئے تھے۔ معاف کرنا' مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ تم عیسائی تھیں۔ عیسائیوں میں پہنچ کر اپنے مذہب میں شامل ہو گئیں۔ تم نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی اپنے بچہ کو بھول گئیں۔

خالدہ: میں اپنی خوشی سے مسلمان ہوئی تھی۔ کسی نے مجھ پر جبر نہیں کیا تھا۔ اسلام کی باتیں میرے دل پر اثر کر گئی تھیں۔ مجھے افسوس ہوا تھا کہ میں تین خداؤں کو مانتی رہی تھی۔ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھتی تھی۔ حالانکہ خدا واحد ہے اس نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا تھا اس میں سب کچھ قدرت ہے۔ میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو چکا تھا۔ میں مرنا قبول کر لیتی لیکن اسلام کو نہ چھوڑتی۔ مجھے اپنے شوہر اور اپنی اولاد سے بڑی محبت تھی اور اس محبت کی بدولت میں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ اور بڑے غم برداشت کیے۔

نجمہ: میں اسی بات کی تو معافی چاہتی ہوں کہ مجھے بدظنی ہوئی۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا۔

"تم نے ایک مومنہ سے بدظنی کی' خدا سے معافی چاہو"۔

نجمہ: خدا سے معافی چاہ رہی ہوں وہ ضرور معاف کردے گا' مگر تم بھی معاف کردو۔

خالدہ: میں نے معاف کیا' خدا بھی معاف کرے۔

نجمہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا "شکریہ"۔

ہشام: معافی بھی ہو گئی اب بیان کرو۔

خالدہ نے بیان کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا۔

"یہ تم سن چکے ہو ہشام کہ میں جاگ رہی تھی۔ میں نے شور سنا۔ تمہارے ابا جان کو جھنجھوڑ

کر اٹھایا۔ وہ باہر گئے۔ غلاموں سے باتیں کر کے اندر آ گئے چاندنی رات تھی۔ میں صحن میں کھڑی تھی وہ آئے انہوں نے بتایا کہ بستی پر عیسائیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ دلبرن میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہی عیسائیوں کو چڑھا کر لایا ہے۔ ایک عجیب قسم کا جوش میرے دل میں موجزن ہوا۔ تمہارے باپ مسلح ہو گئے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا۔ انہوں نے مجھے بچوں کی حفاظت پر چھوڑا۔ اور خود چلے گئے۔ جب تک وہ پاس رہے تو میرا دل شیر رہا۔ مگر ان کے جاتے ہی خوف بڑھنے لگا۔ میں نے دل میں کہا

عورت کتنی ہی دلیر اور جری ہو مگر پھر عورت ہے کمزوری کا دوسرا نام ہی عورت ہے، مرد عورت کی حفاظت کر سکتا ہے۔ عورت مرد کی حفاظت نہیں کر سکتی ہے۔

شور دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ اور جوں جوں شور بڑھتا جاتا تھا۔ خوف مجھ پر طاری ہوتا جاتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ وہاں سے کہیں بھاگ جاؤں۔ پہلے بھی کئی حادثے پیش آ چکے تھے مگر میرے دل کی ایسی کیفیت کبھی نہیں ہوئی تھی۔

بار بار اندر جا کر بچوں کو دیکھتی۔ دونوں سو رہے تھے ان کی طرف سے اطمینان کر کے فوراً باہر نکل آئی۔ صحن میں کھڑی ہو کر شور سنتی۔ دروازہ کی طرف کان لگے ہوئے تھے تمہارے ابا کے آنے کا انتظار تھا۔

ایک مرتبہ جب میں تمہیں اور سلطانہ کو کمرے میں دیکھنے کے لئے اندر گئی تو تم سو رہے تھے البتہ سلطانہ اٹھ بیٹھی تھی اور شور سن کر شاید وہ ڈر گئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر میرے پیروں سے آ چمٹی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ چاہا وہ بستر پر پڑ جائے اور سو جائے مگر وہ بستر پر نہ لیٹی۔ مجبوراً میں اسے اپنے ساتھ صحن میں لے آئی۔ اس نے پوچھا "یہ شور کیسا ہو رہا ہے، امی جان"۔

میں اسے جانتی تھی۔ وہ جب باتیں پوچھتی تھی تو بال کی کھال نکالتی تھی جب تک اس کا اطمینان نہ ہو جاتا پوچھتی ہی رہتی۔

میں نے اس سے کہا "اس وقت کچھ نہ پوچھو۔ صبح کو سب بتا دوں گی۔ تمہارے ابا معلوم کرنے گئے ہیں کہ کیسا شور ہو رہا ہے"۔

اسی وقت دروازہ پر کچھ کھٹکا ہوا۔ ساتھ ہی شور بھی ہوا۔ میں سمجھ گئی کہ خطرہ دروازہ پر آ گیا ہے۔ میں نے سلطانہ کے اٹھنے سے پہلے ہی خنجر ہاتھ میں لے لیا تھا اور شریفہ کی دی ہوئی شیشی بھی قبا میں چھپا لی تھی۔ میں دروازہ کی طرف چلی۔ مگر فوراً تمہارا خیال آ گیا۔ میرے بڑھتے ہوئے قدم

رک گئے۔ میں جلدی سے واپس ہوئی اور کمرہ میں آئی۔ تمہیں دیکھا تم اب بھی بے خبر پڑے سو رہے تھے سلطانہ نے کہا "بھائی جان کو بھی اٹھا دو"۔

میرا دل بھی چاہا کہ تمہیں اٹھا دوں مگر پھر خیال ہوا سو رہے ہیں سونے دو۔ چنانچہ میں نے سلطانہ سے کہا "سونے دو انہیں بلکہ تم بھی سو جاؤ"۔

سلطانہ نے کہا "ڈاکو آ گئے ہیں کیا امی جان؟"

میں نے کہا "ہاں ڈاکو ہی ہیں"۔

سلطانہ: ابا جان کو بلا لو۔ کہیں ڈاکو گھر میں نہ گھس آئیں۔

یہی بات میرے دل میں آئی تھی کہ مرد ہی بیوی بچوں کی حفاظت کر سکتے ہیں عورت نہیں۔ یہی بات سلطانہ کے ذہن میں آئی۔ اگرچہ وہ نا سمجھ بچی تھی اور میں اس کے پاس موجود تھی۔ میرے پاس خنجر بھی تھا جو اس نے دیکھ لیا تھا مگر اس پر بھی اس کا اطمینان نہیں ہوا تھا۔ وہ مجھے اس قابل نہیں سمجھتی تھی۔ اسی لئے ابا جان کو بلوانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "خوف نہ کرو سلطانہ، میرے سامنے ڈاکو گھر میں نہیں گھس سکتے"۔ وہ چپ ہو گئی۔

میں اسے وہاں لے آئی۔ جب صحن میں آئی تو اس قدر شور سنا کہ خدا کی پناہ۔ مرد غل کر رہے تھے۔ بچے چیخ رہے تھے اور عورتیں چلا رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہمارے مکان کے قریب ہی سب آ گئے ہوں۔ میں ہولنے لگی۔ سلطانہ بھی سہم گئی۔ میں صحن میں اکڑوں بیٹھ گئی۔ سلطانہ نے اپنا سر میری گود میں چھپا لیا۔

اس وقت میری زبردست خواہش ہوئی کہ ضیغم الدین وہاں آ جائیں۔ میں پچھتانے لگی کہ میں نے انہیں کیوں جانے دیا۔

خوف کے ساتھ ساتھ مجھے ضیغم الدین پر غصہ بھی آنے لگا۔ اس لئے کہ انہیں یہ خیال کیوں نہیں ہوا کہ میں ڈروں گی۔ بچے ڈر جائیں گے وہ واقعہ معلوم کرنے گئے تھے۔ فوراً چلے آتے۔

میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ آتے میں نہ آتے تھے سلطانہ سہمی جا رہی تھی اور میں بھی ڈر رہی تھی۔ میں نے سوچا تمہیں بھی اٹھا دوں۔ میں اٹھی اور کمرے کی طرف چلی اس وقت پھر دروازہ پر شور ہوا میں سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی دروازہ کی طرف چلی۔ وہ سخت خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"ابا جان کو بلا لو۔ امی جان"۔

میں نے کہا "تمہارے ابا جان ہی کو بلانے چل رہے ہیں، دیکھو بولو مت اگر ڈاکوؤں نے تمہاری آواز سن لی تو مجھے اور تمہیں دونوں کو مار ڈالیں گے"۔

وہ چپ ہو گئی اور پھر نہیں بولی۔ میں اسے لیکر ڈیوڑھی میں آ گئی میں نے کنیزوں کو بھی نہیں اٹھایا تھا۔ وہ سب دوسری طرف صحن میں سو رہی تھیں مگر اب وہ شاید اٹھ گئی تھیں اور صحن میں آ گئی تھیں۔ کیونکہ انکے باتیں کرنے کی آواز آنے لگی تھی۔

مجھے پھاٹک کے پاس پہنچے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ زور سے پھاٹک کھلا میں سمجھی ضیغم الدین آ گئے۔ مگر میں نے دیکھا دس پندرہ مرد گھسے چلے آ رہے ہیں چونکہ میں اور سلطانہ اندھیرے میں تھیں اس لئے انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا۔ دروازہ کھلنے سے جو چاندنی کا عکس پڑا تو میں نے پہچان لیا وہ عیسائی تھے سب گھر کے اندر گھسے چلے گئے۔ اب میرا گھر کے اندر جانا مشکل ہو گیا۔ مجھے تمہارا خیال آیا۔ دل تڑپ گیا چاہا دوڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں اور تمہیں اٹھا لاؤں۔ مگر عقل نے کہا اب اس کا موقع نکل گیا ہے۔ مجھے سخت صدمہ ہوا۔ میں نے سنا ان درندوں نے صحن میں جاتے ہی کنیزوں کو قتل کر ڈالا۔ ان کے چیخنے کی آوازیں آئیں۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔ دروازہ کے باہر چند غلاموں اور عیسائیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ میں وہاں سے تیزی سے لپکی"۔

خالدہ اتنا بیان کر کے خاموش ہو گئیں۔

.........☆☆☆.........

باب ۴۶

بقیہ داستان

خالدہ نے پھر بیان کرنا شروع کیا

"میں سلطانہ کا ہاتھ پکڑے چلی جا رہی تھی۔ دل خوف سے کانپ رہا تھا سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہاں جاؤں بستی میں پناہ کی کوئی جگہ نظر نہ آتی تھی کیونکہ ہر طرف شور ہو رہا تھا اور کہیں کہیں آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

مجھے معلوم تھا کہ عیسائی جس اسلامی بستی پر چھاپہ مارتے ہیں اسے بالکل تباہ کر دیتے ہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات آگئی کہ عیسائی القراما کو برباد کر کے چھوڑیں گے میں یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ایسی درندگی کرتے ہیں کہ بچوں کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور حسین اور جوان عورتوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے میں جوان بھی تھی اور خوبصورت بھی۔ اور میرے ساتھ ایک بچی بھی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر کسی عیسائی نے مجھے اور سلطانہ کو دیکھ لیا۔ تو وہ سلطانہ کو ضرور مار ڈالے گا اور مجھے بے آبرو کرنے کی کوشش کرے گا میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ جان دیدوں گی مگر عصمت پر دھبہ نہ لگنے دوں گی۔

مجھے رہ رہ کر ہشام تمہارا خیال آنے لگا۔ جب تمہارا خیال آتا تو دل پر چرکہ لگتا۔ چیخ چیخ کر رونے کو جی چاہتا۔ لیکن سلطانہ میرے ساتھ تھی اس کی وجہ سے میں رو بھی نہ سکتی تھی۔ حالانکہ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں سلطانہ کا ہاتھ پکڑے چلی جا رہی تھی جنگل کی طرف۔ چاہتی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو آبادی سے دور نکل جاؤں۔

می نے جلدی میں یہ خیال نہ کیا کہ دوسری طرف ہمارے گھر کے قریب بھی باغات ہیں۔ میں وہاں جلد پہنچ سکتی تھی اور شاید پناہ بھی مل جاتی۔ میں نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا۔ وہاں سے فاصلہ پر جنگل تھا۔ جب میں گھر سے کافی فاصلہ پر نکل آئی تب اس بات کا احساس ہوا اب واپس لوٹ کر

باغوں کیطرف جانا دشوار اور خطرناک تھا۔ جنگل اب بھی دور تھا مگر میں جنگل ہی کی طرف بڑھتی رہی۔

کیا عجیب بات تھی کہ انسان درندوں کے خوف سے بستی کی طرف بھاگا کرتے تھے مگر اس وقت ایسے انسانوں نے الفرامار پر حملہ کیا تھا جو درندوں سے بھی بڑھ کر تھے۔ اور ان کے خوف سے ہم بستی سے جنگل کی طرف دوڑ رہے تھے گویا درندوں کے خوف سے ہم بستی سے جنگل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ یعنی درندوں کا خوف جاتا رہا تھا اور انسانوں کا خوف بڑھ گیا تھا۔

جوں توں کر کے میں اور سلطانہ جنگل میں جا گھسے۔ وہاں پہنچ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سلطانہ کا ایک تو دم پھول گیا۔ دوسرے جنگل دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئی۔ میں ایک طرف ایک درخت سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی۔ سلطانہ میری گود میں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر میرے سینہ میں چھپا لیا۔ میں نے اس کے سر پر دوپٹہ کا آنچل اس خیال سے ڈال لیا کہ وہ اور زیادہ نہ ڈر جائے۔

جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ خوف تھا کہیں کوئی گزندہ یعنی سانپ، بچھو یا اور کوئی جانور نہ کاٹ لے۔ مگر اس خوف کے مقابلہ میں عیسائیوں کا خوف بہت زیادہ تھا۔ پتہ کھڑکنے پر میں چونکی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی تھی۔ میرے داہنے ہاتھ میں اب بھی خنجر تھا۔

اس جنگل کے درخت بڑے بڑے سایہ دار تھے۔ عام طور پر وہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اگرچہ چاندنی چٹک رہی تھی لیکن درختوں کے پتے اور شاخیں چاندنی کو زمین تک نہ آنے دیتے تھے البتہ کہیں کچھ نور کی شعاعیں سی درختوں میں سے چھن چھن کر زمین پر پڑ رہی تھیں ان شعاعوں سے کچھ اجالا سا تھا۔

میں نے سوچا جہاں ہم بیٹھے ہیں اسی جگہ کو صاف کر لیں۔ چنانچہ میں نے سلطانہ کو ایک طرف بٹھایا اور خنجر سے کافی جگہ صاف کر لی۔ وہاں میں نے سلطانہ کو لٹانا چاہا۔ اس نے کہا امی گھر چلو یہاں ڈر لگتا ہے۔

میرا دل بھر آیا۔ اس بے چاری کو کیا خبر تھی کہ ہم پر کیا مصیبت ٹوٹ پڑی گھر کیسے چلیں۔ میں نے اسے سمجھایا "بیٹی! ہمارے گھر پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے صبح تک گھر نہیں جا سکتے یہیں پڑ رہو"۔

بچوں میں دریافت کا مادہ اور تلاش و تجسس کا شوق ہوتا ہے جب تک ان کی تسلی نہیں ہو جاتی وہ باتوں میں باتیں نکالتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سلطانہ نے کہا "ڈاکوؤں نے کیوں حملہ کیا ہے

ہمارے گھر پر۔ ہم نے ان کا کیا لیا تھا؟"

میں: ڈاکو دولت کے بھوکے ہیں۔ انہوں نے دولت لوٹنے کے لئے حملہ کیا ہے۔

سلطانہ: دولت کیا ہوتی ہے امی جان؟

میں: سونا چاندی، روپے اشرفیاں اور زیورات کو دولت کہتے ہیں۔

سلطانہ: ڈاکوؤں کے پاس دولت نہیں ہوتی۔

مجھے خوف تھا کہ ہماری باتیں سن کر یہاں نہ آجائے۔ میں نے کہا بیٹی، صبح کو تمہیں سب کچھ بتادوں گی اس وقت چپ رہو اور سو جاؤ۔

وہ چپ ہو گئی اور میرے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ سو گئی۔ میں بیٹھی رہی۔ مجھے طرح طرح کے فکر ستا رہے تھے گھر کے لٹنے کا غم تھا۔ تمہارا غم تھا۔ ضیغم الدین کا غم تھا۔ کسی درندہ جانور کے آجانے کا خوف تھا۔ دشمنوں کے وہاں آجانے کا خوف تھا۔ ہمارا حشر کیا ہو گا۔ یہ فکر تھا غرض میں بہت پریشان اور مغموم تھی۔

مگر اس پر بھی نیند آنکھوں میں چلی آرہی تھی۔ میں بھی سلطانہ کو اپنے سینہ سے لگا کر اور اسے خوب بھینچ کر لیٹ گئی۔ تاکہ اگر کوئی جانور یا آدمی سلطانہ کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہے تو میری آنکھ کھل جائے۔ آخر رفتہ رفتہ میری آنکھیں بند ہو گئیں اور مجھے نیند آگئی۔ جب آنکھ کھلی تو دوپہر کا وقت قریب آگیا تھا۔ دھوپ جنگل سے باہر میدان میں پھیل گئی تھی۔ اٹھتے ہی اپنی حالت کا احساس ہوا۔ ایک گھونسہ سا دل پر لگا۔ میں خدا کو یاد کرتی ہوئی اٹھی۔ سلطانہ بھی اٹھ بیٹھی میں نے تیمم کر کے نماز پڑھی اور خدا سے بہتری کی دعا مانگی۔

اب میرے دل میں آئی کہ بستی میں چل کر دیکھوں کیا ہوا۔ میں سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر بستی میں گئی۔ وہاں شہر خموشاں کی سی خاموشی طاری تھی۔ ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں اول اپنے محل میں گئی دیکھا محل مقتل بنا ہوا ہے دروازہ کے باہر عیسائیوں اور ہمارے غلاموں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اندر صحن میں کنیزوں کی اور دو عیسائیوں کی لاشیں موجود ہیں معلوم ہوتا ہے کنیزوں نے مقابلہ کیا اور دو عیسائیوں کو مار ڈالا۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ سلطانہ بھی متوحش ہوئی اس نے کہا "کس نے مار ڈالا، انہیں امی جان؟"

میں نے کہا عیسائی لٹیروں نے۔

سلطانہ: مگر وہ تو دولت لینے آئے تھے۔ انہوں نے کنیزوں کو کیوں مار ڈالا؟

میں: بیٹی وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ مسلمانوں کو بھی مار ڈالتے ہیں اور لوٹ بھی لیتے ہیں۔

سلطانہ کچھ اور کہنے والی تھی۔ میں نے اسے روک دیا اور کمروں میں گئی۔ ہر کمرہ لوٹ کر صاف کر دیا گیا تھا۔ معمولی چیزیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں اور قیمتی چیزیں اور مال و اسباب لٹ گیا تھا۔ لیکن مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ تم وہاں نہیں تھے نہ تم سے دور تمہاری وہاں لاش تھی۔ میں سوچنے لگی تم کہاں گئے کیا وہ تمہیں اپنے ساتھ لے گئے یا تم کہیں بھاگ گئے۔ میرا خیال ہوا کہ تم غسلخانہ میں جا چھپے ہو۔ میں جان گئی اس جگہ تک عیسائی نہ پہنچے ہوں گے۔ میں جھپٹ کر وہاں گئی۔ تمہارا نام لے کر آواز دی۔ تم نہیں بولے۔ غسل خانہ کو اچھی طرح دیکھا بھالا۔ تم نہیں ملے۔ مجھے تعجب بھی ہوا اور فکر بھی۔ میں نے وہاں نہ تمہارے ابا کو دیکھا۔ نہ ان کی لاش دیکھی۔ مجھے خیال ہوا کہیں وہ شہید تو نہ ہو گئے۔

میں سلطانہ کو لے کر نکل کھڑی ہوئی۔ الفراما کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں پھرنے لگی۔ میں نے وہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ تمام بستی انسانوں سے خالی تھی' بہت سے مکان جل چکے تھے بہت سے اب تک جل رہے تھے۔ راستوں میں عیسائیوں کی لاشیں پڑی تھیں مگر تعجب یہ ہے مسلمانوں کی لاشیں نہیں تھیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی لاشیں کہاں گئیں۔

اب میں نے گھروں میں گھس کر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں مسلمانوں کی لاشیں موجود تھیں ان میں مردوں کی بھی تھیں عورتوں کی بھی تھیں۔ اور بچوں کی بھی بچوں اور عورتوں کی لاشیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ہر مکان میں گھس کر دیکھ لیا۔ تمہاری اور تمہارے ابا کی لاشیں نہیں دیکھیں۔ مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ تم دونوں بچ گئے۔

میں ساری بستی میں گشت لگا کر لوٹ آئی۔ پھر اپنے گھر میں آ گئی۔ میں نے بڑی مشکل سے کنیزوں کی لاشیں غسلخانہ میں رکھ دیں۔ عیسائیوں کی لاشیں کھینچ کر باہر پھینک دیں۔ غسل کیا۔ روزمرہ کے پہننے کے کپڑے رہ گئے تھے۔ پہنے۔ کھانا تیار کیا میں اپنے لئے تو شاید کھانا تیار نہ کرتی۔ مگر سلطانہ کا خیال تھا۔ وہ بچی تھی۔ اسے ضرور بھوک معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے اور میں نے دونوں نے مل کر کھایا۔ پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اب میں سوچنے لگی۔ کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ مجھے خیال ہوا کہ عجب نہیں تم اور ضیغم الدین کہیں چھپ گئے ہو اور رات کو آ جاؤ۔ اس لئے میں نے وہیں رہنے کا قصد کر لیا۔ اگرچہ دن میں بھی خوف معلوم ہو رہا تھا کیونکہ الفراما لاشوں کا گھر بن چکا تھا لیکن ہمت کر کے میں نے رات وہاں بسر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

......☆☆☆......

باب ۴۷

باقی افسانہ

مغرب کی نماز پڑھ کر میں نے کھانا تیار کر لیا۔ سلطانہ کو کھلایا۔ خود بھی کھایا شمع روشن کی بستر کیئے اور سلطانہ کو لیٹ جانے کو کہا۔ اگرچہ وہ بچی تھی مگر الفراما پر کچھ ایسی ہیبت اور دہشت طاری تھی کہ وہ بھی ڈر رہی تھی۔ اس نے کہا "امی جی آج کیا ہو رہا ہے مجھے ڈر کیوں معلوم ہوتا ہے؟"

حقیقت یہ ہے کہ میں بزدل نہ تھی لیکن اس وقت میرا دل بھی خوف سے لرز رہا تھا۔ خوف کی بات ہی تھی۔ جس بستی میں ہزاروں آدمی تھے آج وہاں صرف ہم ہی دو زندہ تھے باقی لاشیں ہی لاشیں تھیں خود ہمارے گھر میں اور گھر سے باہر لاشیں پڑی تھیں لیکن بچی کے دل سے ڈر نکالنا ضرور تھا۔ میں نے کہا "ڈر کس بات کا' خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر ہم کیوں ڈریں"۔

سلطانہ: ابا جان اور بھائی جان کہاں ہیں امی جان؟

میں: وہ کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ رات کو آجائیں گے۔

غرض باتیں کرتی کرتی سلطانہ تو سو گئی۔ میں نے اٹھ کر عشاء کی نماز پڑھی اور تمہارا انتظار کرنے لگی۔ جوں جوں رات آتی جاتی تھی۔ ہیبت ناک سکوت چھاتا جاتا تھا چاند نکل آیا تھا اور چاندنی پھیل گئی تھی مگر چاندنی بھی اداس تھی صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ کوئی جانور نہ گھس آئے۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ مگر زنجیر نہیں چڑھائی۔ البتہ جس کمرے میں ہم دونوں تھے اس کے دروازے بند کر کے زنجیریں لگادیں۔

وہاں گرمی معلوم ہونے لگی۔ مگر کیا کرتی۔ دروازے کھولنے سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ میں بڑی رات گئے تک بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ نیند کے جھونکے آنے لگے۔ میں بھی لیٹ گئی اور لیٹتے ہی سو گئی۔

جب آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ میں دیکھا کرتی تھی کہ ہر صبح پیغام مسرت لے کر آتی تھی لیکن وہ صبح بڑی ہی اندوہناک اور غم ربا تھی۔ میں نے اٹھ کر ضروریات سے فراغت کی۔ وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس عرصہ میں سلطانہ بھی اٹھ گئی میں نے اس کا منہ دھلایا کچھ پکایا اس نے اور میں

نے دونوں نے ناشتہ کیا۔

مجھے یہ یقین تھا کہ تم اور تمہارے ابا جان رات کو ضرور آجاؤ گے لیکن تم نہ آئے۔ اب میں ناامید سی ہو گئی اتنے بڑے میدان اور اتنی بڑی بستی میں میرا تنہا رہنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ وہاں لاشیں پڑی تھیں اور ان کا سڑنا یقینی تھا میں نے وہاں سے چلنے کا قصد کر لیا۔ مگر جاؤں کہاں۔ سوچتے سوچتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ضیغم الدین موصل جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میں بھی موصل ہی جاؤں اور عماد الدین زنگی کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی روداد سناؤں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ زنگی بہت نیک اور مسلمانوں کے بڑے ہمدرد ہیں۔ میں نے اصطبل میں جا کر دیکھا۔ کہیں سے دو گھوڑی وہاں آگئے تھے۔ میں نے پہننے کے کپڑوں کی پوٹ باندھی۔ کچھ کھانے کا سامان باندھا۔ ایک بستر لیا۔ اور یہ سب چیزیں ایک گھوڑے پر لاد دیں۔ دوسرے گھوڑے پر زین کسا اور اس پر میں اور سلطانہ سوار ہو گئیں دوسرے گھوڑے کی باگ میں نے پکڑ لی اور چل پڑی۔

میں موصل کا راستہ نہیں جانتی تھی لیکن اپنے خیال میں اس راستہ پر چلی جو اسلامی قلمرو کی طرف جاتا تھا۔

شام کے وقت میں ایک بستی میں پہنچی۔ اس بستی کا نام نہیں جانتی تھی نہ وہاں کسی سے واقفیت تھی۔ حیران تھی کس کے پاس جاؤں۔ کیا کہوں۔ کہاں ٹھہروں یہی سوچتی چلی جا رہی تھی کہ ایک مسجد آگئی۔ لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے مجھے دیکھ کر کہا "بیٹی! کہاں سے آئی ہو۔ کہاں جاؤ گی؟"

میں نے کہا "ایک آفت زدہ ہوں۔ الفراما سے آئی ہوں۔ رات بسر کرنے کا ٹھکانہ چاہتی ہوں"۔

اس عرصہ میں کئی جوان، ادھیڑ اور بوڑھے وہاں آگئے۔ حیرت سے میری طرف دیکھتے اور نظریں جھکا لیتے۔ میں سمجھ گئی کہ وہ میری حسین صورت اور تنہائی کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اور چونکہ مسلمان ہیں اس لئے نظریں جھکا لیتے ہیں۔ ایک بوڑھے شخص نے کہا "بیٹی۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں یہاں کا مقدم ہوں"۔

وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کا مکان کچا تھا۔ ان کی بیوی تھی لڑکوں کی بیویاں تھیں۔ پوتیاں تھیں۔ لڑکیاں اور نواسیاں تھیں۔ ان سب نے ہمیں گھیر لیا ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ سب سے پہلے میں نے پانی لے کر وضو کیا۔ نماز پڑھی انہوں نے ہمیں کھانا کھلایا۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو

بڑے میاں آ گئے۔ انہوں نے مجھ سے حالات پوچھے میں نے بیان کر دیئے۔ انہیں بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے بتایا الفراماوہاں سے تیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس روز ہم نے تیس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ میں گھوڑوں کو بھگاتی چلی آئی تھی۔ ان لوگوں کو الفراما کی بربادی کا کچھ حال معلوم نہیں تھا۔

رات ہم نے بڑے آرام سے بسر کی۔ صبح میں نے روانگی کی اجازت چاہی بڑے میاں نے کہا "بیٹی، تم جوان ہو اور بہت زیادہ خوبصورت، تمہارا تنہا سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔ ابھی یہیں ٹھہرو۔ ممکن ہے تمہارے شوہر اور بیٹا بھی یہیں آ جائیں اور اگر خدانخواستہ وہ نہ آئے تو پھر کسی قافلہ کے ساتھ تم موصل چلی جانا"۔

میری سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی۔ میں وہاں ٹھہر گئی...... بڑے میاں نے میری داستان کچھ لوگوں کو سنا دی تھی۔ ان کی عورتیں میرے پاس آنے اور مجھے تسلی دینے لگیں۔ انہوں نے ہماری دعوتیں بھی کیں۔

مقدم بڑے نیک اور دین دار تھے۔ وہ مجھے بھی بیٹی کی طرح چاہنے لگے سلطانہ سے تو انہیں بڑی محبت ہو گئی۔ سلطانہ بھی گل گوں تھا۔ بالکل گلاب کی کلی جو دیکھتا پیار کرتا۔ عورتیں اور لڑکیاں اس کے گرد رہتیں۔ بڑے میاں اسے اپنے ساتھ لیجاتے وہ انہیں نانا جان کہتی۔ وہ خوش ہو جاتے۔ ہمیں وہاں رہتے دو مہینے گذر گئے۔ اس عرصہ میں روز مجھے امید ہوتی کہ ضیغم الدین اور تم آج ضرور آ جاؤ گے۔ مگر جب دن چھپ جاتا تو میں ناامید ہو جاتی۔ اگرچہ مجھے اچھا ٹھکانہ مل گیا تھا لیکن میری غیرت وہاں پڑے رہنے کو نہیں چاہتی تھی۔ چنانچہ ایک روز میں نے مقدم سے کہا "اب امید نہیں رہی کہ وہ آ جائیں اور کوئی قافلہ بھی نہیں آیا۔ اجازت دیجئے کہ میں موصل روانہ ہو جاؤں"۔

انہوں نے بہت کچھ نشیب و فراز کی باتیں سنا کر مجھے وہیں رہنے پر مجبور کیا اور کہا "بیٹی، میں تمہارا تنہا سفر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ زمانہ خراب ہے۔ عیسائی منڈلا رہے ہیں۔ کہیں تم ان کے ہاتھوں میں نہ پڑ جاؤ"۔

میں چپ ہو گئی۔ اور سال بھر وہیں رہی۔ ان لوگوں نے مجھے بڑے آرام سے رکھا۔ اتفاق سے ایک قافلہ وہاں آ نکلا۔ وہ موصل آ رہا تھا۔ بڑے میاں نے میر قافلہ سے میرا ذکر کیا۔ وہ بڑی خوشی سے مجھے ساتھ لے چلنے کو تیار ہو گے چنانچہ میں ان کے ساتھ چلی۔ قافلہ آبادی میں ٹھہرتا چلا۔ ایک رات کو اچانک عیسائی بھیڑیے حملہ آور ہوئے۔ قافلہ والوں نے ان کا بڑی دلیری سے

مقابلہ کیا۔ مگر عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ انہوں نے قافلہ کے مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

بد قسمتی سے ان سب عورتوں میں زیادہ خوبصورت میں ہی تھی۔ جب ہم عیسائی افسر کے سامنے پیش ہوئے۔ تو اس نے مجھے اپنے لئے منتخب کر لیا۔ مجھے بڑا فکر ہوا۔ وہ ہمیں اور قافلہ کا مال و اسباب لے کر چلے کئے دن چلتے رہے۔ غالباً انہیں مسلمانوں کے آنے کا خوف تھا۔ کہیں قیام نہیں کرتے تھے۔ رات گئے تک چلتے رہتے اور صبح سے پہلے روانہ ہو جاتے۔

اتفاق سے ایک مقام پر کچھ اور عیسائی ملے ان کے ساتھ کچھ سیاہ فام عورتیں تھیں۔ نہ معلوم وہ انہیں کہاں سے گرفتار کر کے لائے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی مجھے شریفہ اور اس کی دی ہوئی شیشی یاد آگئی۔ میں نے رات کو اپنے منہ پر، گردن پر، کہنیوں تک ہاتھوں پر اور گھٹنوں تک پیروں پر اس عرق کی مالش کر لی۔ سلطانہ نے کہا "یہ کیا کر رہی ہو امی جان؟"

میں نے اس سے کہا "میں اپنا بدن کالا کر رہی ہوں۔ عیسائیوں کو ڈرانے کے لئے۔ تو نہ ڈر جانا"۔

رات کو ہم سو گئے۔ صبح جب اٹھے تو میرا بدن کالا ہو چکا تھا۔ سلطانہ بھی مجھ سے ڈرنے لگی۔ میں نے اسے تسلی دی اور سمجھایا کہ میں نے عیسائیوں کو ڈرانے کے لئے اپنی صورت کالی کر لی ہے۔

اب ہم عیسائی حدود میں آ گئے تھے۔ یہاں عیسائی افسر نے مجھے بلایا۔ اب جو اس نے میری صورت دیکھی تو بہت بگڑا۔

اس نے کہا "وہ عورت کہاں گئی؟"

میں نے کہا "مجھے کیا خبر؟"

اس نے مجھے بہت تلاش کرایا۔ میں موجود تھی مگر وہ نہ پہچانا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ عیسائی اس کی سخت گیری سے تنگ آکر بھاگ گئے تھے وہ یہ سمجھا کہ کوئی عیسائی مجھے لے کر بھاگ گیا ہے۔ وہ اپنے لوگوں پر سخت خفا ہوا۔ اس نے مجھ پر ظلم یہ کیا کہ سلطانہ کو مجھ سے چھین لیا۔ مجھے قلق ہوا۔ لیکن جانتی تھی کہ اگر میں نے ذرا بھی فریاد و زاری کی تو وہ مجھے قتل کرا دے گا۔ چنانچہ دل پر صبر کی سل رکھ کر خاموش ہو گئی۔ سلطانہ نے میری صورت بدلنے کا راز افسر پر ظاہر نہ کیا۔

ہم کئی کئی مہینے مختلف بستیوں میں رہ رہ کر اشرب لائے گئے یہاں سے وہ افسر ہمیں والی

اشرب کے سپرد کر کے سلطانہ کو لے کر اڈیسہ (اغراز) چلا گیا مجھے اس کی جدائی کا بھاری صدمہ ہوا۔ مگر کیا کر سکتی تھی۔ ہم اشرب میں قید کر دیئے گئے کئی عورتیں تھیں۔ ہم پر بڑی سختیاں کی گئیں۔ ہمیں عیسائی ہونے پر مجبور کیا گیا مگر کوئی ایک بھی عیسائی نہیں ہوئی۔ آخر خدا نے ہم پر رحم کیا۔ عماد الدین زنگی نے اشرب فتح کر کے ہمیں رہا کرایا۔ یہ ہے میری داستان۔

خالدہ کی داستان سب نے بڑی توجہ سے سنی۔ ہشام کو بڑا افسوس ہوا کہ ان کی والدہ نے کتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں وہ کچھ سوچنے لگے۔

......☆☆☆......

باب ۴۸

دلہن کی تلاش

ہشام خالدہ کو پاکر بہت خوش تھے۔ مگر ابھی انہیں کئی رنج بھی تھے باپ کے نہ ملنے کا رنج تھا۔ بہن کے نہ ملنے کا رنج تھا اور سب سے زیادہ اس بات کا غم تھا کہ ان کے تمام خاندان نے عیسائیوں کی بدولت بڑی بڑی سختیاں اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔

مگر جب انہیں ان سختیوں اور تکلیفوں کا خیال ہوتا تو کچھ دیر تو انہیں رنج ہوتا اور پھر جوش آجاتا۔ انہیں یہ افسوس ہوتا کہ وہ بڑے نہ ہوئے ورنہ دشمنوں سے اس کا انتقام لیتے۔ اب بھی وہ یہ سوچا کرتے کہ عماد الدین زنگی کسی اور طرف جہاد نہ کریں اعزاز پر حملہ کر دیں یا بیت المقدس پر چڑھائی کر دیں اور وہ دلوں کے حوصلے نکالیں۔

عماد الدین زنگی خاموش نہ بیٹھتے اور وہ ضرور عیسائیوں پر کوئی کاری ضرب لگاتے لیکن بدقسمتی سے سلجوقی بادشاہوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اس خانہ جنگی نے اس قدر طول کھینچا کہ بہت سا وقت ضائع ہو گیا۔ عماد الدین زنگی نے ان بادشاہوں میں صلح کرانے کی کوشش کی مگر وہ لڑائی سے باز نہ آئے۔ بادشاہ محمود سلجوقی سے ان کے بھائی مسعود سلجوقی لڑ رہے تھے کچھ عرصہ تک تو زنگی نے ثالث کی خدمات انجام دیں مگر جب ان میں فیصلہ نہ ہوا تو وہ حق والے کے طرفدار ہو گئے۔ حق پر شاہ محمود تھے مسعود ان سے ناخوش ہو گئے اور انہوں نے عماد الدین زنگی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور موصل پر چڑھائی کر دی۔ اگر عماد الدین زنگی چاہتے تو مسعود کا مقابلہ کر کے انہیں ہزیمت دے دیتے۔ مگر وہ ان کے باپ سلجوقی بادشاہوں کے نمک خوار تھے۔ اس کے علاوہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنا برا سمجھتے تھے اس لئے وہ ان سے نہیں لڑے۔ بلکہ انہوں نے جس طرح بھی ہوا۔ مسعود سلجوقی سے صلح کر لی۔ ان جھگڑوں میں عماد الدین زنگی کے کئی سال بیکار ہو گئے اور انہیں عیسائیوں سے جہاد کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ہشام بھی اسی وجہ سے مجبور رہے۔

ہشام رفتہ رفتہ بڑے ہوتے جا رہے تھے۔ اس عرصہ میں ان کی عمر پندرہ سال کے قریب قریب ہو گئی تھی۔ انہیں موصل کے قریب جاگیر بھی مل گئی تھی۔ اس جاگیر کا انتظام کمال ہی کرتے تھے۔ مگر کبھی کبھی وہ بھی خالدہ اور نجمہ کو لے کر جاگیر پر چلے جاتے تھے اور ایک ایک مہینہ وہاں رہ آتے تھے۔ اس جاگیر کے کاشتکار اپنے کمسن جاگیردار کو دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ اس جاگیر کی آمدنی کمال لا کر نجمہ کو دے دیتے تھے اور نجمہ خالدہ کو دیدیتی تھیں۔ شروع شروع میں خالدہ نے ہر چند چاہا کہ وہ جاگیر کی آمدنی نہ لیں۔ نجمہ ہی رکھیں۔ لیکن نجمہ نے انہیں اس قدر مجبور کر دیا کہ لینی ہی پڑی۔ خالدہ اور ہشام کے اخراجات بھی کمال اور نجمہ ہی برداشت کر رہے تھے۔ ایک روز خالدہ نے نجمہ سے کہا "آج میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں"۔

نجمہ: کہو

خالدہ: اگر وعدہ کرو کہ منظور کر لوں گی تو کہوں۔

نجمہ: اگر اس کا تعلق ہشام سے ہے تو مجھے معاف کرو۔

خالدہ: میں کہہ چکی ہوں کہ ہشام تمہارے ہیں۔ میں ایسی بات کہہ کر تمہارا دل ہرگز نہ دکھاؤں گی۔

نجمہ: تو کہو۔ میں منظور کر لوں گی۔

خالدہ: دو باتوں میں سے ایک بات کرو۔ یا تو جاگیر کی آمدنی تم رکھو یا ہمیں اپنے اخراجات کرنے دو۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا "برا نہ مانو تو ایک بات کہوں"۔

خالدہ: کہو۔ میں تمہاری کسی بات کا بھی برا نہ مانوں گی۔

نجمہ: تم ہم سے ہشام کو چھڑانا چاہتی ہو۔

خالدہ سخت متعجب ہوئیں انہوں نے کہا "کیسے؟"

نجمہ: اس طرح کہ تم جانتی ہو آمدنی تو میں نہ لوں گی۔ اور جب تم اپنے اخراجات اٹھاؤ گی تو علیحدہ رہو گی۔ ہشام تمہارے بچہ ہیں۔ جب تم علیحدہ رہو گی تو ہم انہیں کیسے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

خالدہ نے جب سوچا تو نجمہ نے بات صحیح کہی تھی۔

انہوں نے کہا "مگر ہشام تو تمہارے پاس ہی رہیں گے"

نجمہ: اس بات کو میں کیسے گوارا کروں۔

خالدہ: تم بڑی شوخ ہو نجمہ، تم نہیں چاہتیں کہ میں خرچ کروں۔

نجمہ: خدا نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے۔ ہم سوچا کرتے تھے کہ کوئی خرچ کرنے والا ہی نہیں۔ اب خدا

نے ہشام کو ہمیں دے دیا ہے۔ مگر وہ ایسے خدا کے بندے ہیں کہ خرچ کروانا ہی نہیں جانتے۔ ہم اپنی خوشی سے چاہے جو کچھ ان پر خرچ کر دیں مگر وہ کبھی نہیں کہتے۔ اس کا ہمیں ملال ہے۔ وہ شرماتے ہیں۔

خالدہ: یہ بات نہیں ہے ان کی تربیت شروع ہی سے ایسی ہوئی ہے کہ انہیں کبھی کچھ کہنے کی ہی ضرورت نہیں پڑی۔ پہلے میں ان کی سب ضرورتوں کا خیال رکھتی تھی۔ اب تم رکھتی ہو اس میں ملال کی کیا بات ہے۔

نجمہ: اچھا یہ بتاؤ تمہیں کچھ ان کی شادی کی بھی فکر ہے۔

شادی کا لفظ سنتے ہی خالدہ کا دل دکھا۔ انہیں اپنے شوہر یاد آگئے۔ مگر انہوں نے ضبط کیا اور جلدی سے کہا "مجھے کیا فکر تمہارا بچہ ہے' تم فکر کرو"۔

نجمہ باغ باغ ہو گئیں۔ ان کا چہرہ چمکنے لگا۔ آنکھیں روشن ہو گئیں۔ انہوں نے کہا "خدا تمہیں خوش رکھے۔ اس وقت تم نے مجھے بہت خوش کر دیا۔ خوشی سے میں پھول گئی۔ مگر سنو۔ میں اور تم دونوں ہی ان کے لئے دلہن ڈھونڈیں۔

خالدہ: نا بابا' تم آپ ڈھونڈو۔ اگر تم مجھ سے پوچھ لوگی تو تمہاری مہربانی ہو گی۔

نجمہ: یہ بات ہے تو میں نے ڈھونڈ لی ہے صرف تم سے مشورہ کرنا باقی ہے کہو تو بتا دوں۔

خالدہ: بتا دو۔

نجمہ: حور جبین کیسی لڑکی ہے؟

خالدہ: کہیں تم نے میرے دل کی آواز سن لی تھی کیا۔

نجمہ نے تالیاں بجا کر کہا "اچھا تو تمہیں پسند ہے"۔

خالدہ: کیوں پسند نہ ہوتی۔ چندے آفتاب اور چندے ماہتاب ہیں وہ۔

انہوں نے کہا ہشام کی والدہ خدا کے فضل سے موجود ہیں ہشام کی شادی ان کی والدہ کی پسند سے ہونی چاہئے۔

خالدہ: یہ ان کی مہربانی ہے مگر تم نے کہہ نہیں دیا تھا ان سے کہ ہشام کے ماں باپ ہم ہی ہیں ہمیں اختیار ہے۔

نجمہ: خدا کی قسم میں نے یہی کہا تھا۔ وہ کہنے لگے کچھ بھی ہو شادی ان کی پسند سے ہو گی۔

خالدہ: لیکن تم نے ایک بات ہی نہیں سوچی نجمہ۔

نجمہ نے خالدہ کی طرف دیکھ کر کہا "کیا؟"

خالدہ: اوصاف اور سلمٰی کو معلوم ہے کہ ہشام ایک گمنام شخص کے بیٹے ہیں اور ایک عیسائی عورت کے بطن سے ہیں وہ کیوں یہ رشتہ منظور کرلیں گے۔

نجمہ: اچھی۔ اچھی کیا بات کہی تم نے۔ سلمٰی میری بہن ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ ہشام سے محبت کرتی ہے خوشی سے منظور کرلے گی۔ اور اب تم کوئی عیسائی ہو۔ مسلمان ہو چکی ہو۔

خالدہ: اگر یہ بات ہے تو میری عین خوشی ہے۔

نجمہ: اچھا ہم نے تم نے تو طے کرلیا۔ مگر شادی ہشام کی ہوگی ان سے بھی تو پوچھنا چاہئے۔

خالدہ: ہشام ایسے نہیں ہیں کہ تمہاری پسند کو ناپسند کریں۔

نجمہ: یہ ٹھیک ہے مگر ان کے دل کی بات معلوم ہونی چاہئے۔

خالدہ: میں تو اس معاملہ میں ان سے کچھ کہہ نہ سکوں گی۔

نجمہ: میں بھی نہ کہہ سکوں گی۔

خالدہ: اگر ان کی بہن ہوتی تو معلوم ہو جاتا۔

یہ کہتے کہتے وہ کچھ غمگین ہو گئیں۔ انہیں سلطانہ یاد آگئی۔ ان کے دل کو ٹھیس لگی۔ ان کا چہرہ اتر گیا۔ نجمہ نے دیکھ لیا۔ وہ سمجھ گئیں۔ انہوں نے کہا۔

"تم آزردہ نہ ہو۔ مجھے خدا کی ذات سے پوری امید ہے کہ جس طرح تم اور ہشام مل گئے ہو۔ ایک دن اسی طرح ضیغم الدین اور سلطانہ بھی مل جائیں گے۔

خالدہ: دراصل خدا ہی کی ذات سے مجھے امید رہی ہے۔ اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی اور مجھے یہ یقین بھی ہے کہ اگر زندگی رہی تو وہ دونوں بھی مل جائیں گے۔

نجمہ: انشاء اللہ

خالدہ: اچھا تو ان کے دل کا حال کیسے معلوم ہو۔

نجمہ: میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔ اگر تم بھی پسند کرو۔

خالدہ: کیا؟

نجمہ: گلشن کنیز بڑی طرار اور سمجھدار ہے۔ ہشام سے محبت بھی کرتی ہے اس کا سن بھی زیادہ نہیں ہے ہشام اس سے باتیں کرتے شرماتے بھی نہیں اگر کہو تو اس کے ذریعہ سے معلوم کرائیں۔

خالدہ: کچھ حرج نہیں ہے میرے خیال میں اگر اس نے ہوشیاری سے دریافت کیا تو وہ ضرور اسے اپنے دل کی بات بتادیں گے۔

نجمہ نے اسی وقت گلشن کنیز کو بلا کر سمجھایا کہ وہ ہشام سے یہ معلوم کریں کہ وہ حور جبین کو کیا سمجھتے ہیں۔ ان سے شادی کرنے پر رضامند ہیں یا نہیں۔

گلشن بڑی سمجھدار اور عقلمند تھی۔ اس نے ہنس کر کہا "یہ کیا بڑی بات ہے۔ میں ضرور ان کے دل کا حال معلوم کر لوں گی سرکار، اگر چھوٹا منہ بڑی بات نہ سمجھی جائے تو عرض کروں کہ ہشام سے دولہا کے لئے حور جبین ہی سی دلہن ہونی چاہئے۔ ہم کنیزوں میں بھی یہی ذکر ہوتا رہتا ہے"۔

نجمہ اور خالدہ مسکرانے لگیں۔

.......☆☆☆.......

باب ۴۹

خوشخبری

گلشن کا جیسے پیٹ پھولا جا رہا تھا۔ وہ ہشام کا خیال حور جبین کے متعلق معلوم کرنے کے لئے بڑی ہی بے چین تھی۔ اسے کئی مرتبہ ایسا موقع ملا کہ ہشام تنہا تھے اور وہ پہنچ گئی۔ اس نے سلسلہ گفتگو شروع بھی کرنا چاہا۔ لیکن یا تو ہمت نہ ہوئی یا موقع مناسب نہ سمجھا۔ کہتے کہتے رک گئی اور واپس چلی آئی۔

ایک روز جب وہ ہشام کے کمرہ میں گئی تو وہ تنہا تھے۔ اور خوش معلوم ہوتے تھے۔ گلشن نے ان سے کہا "کیا میں بیٹھ سکتی ہوں؟"

ہشام نے اس کی طرف دیکھا۔ گلشن کافی حسین کنیز تھی۔ انہوں نے کہا "کچھ کہنا ہے"۔

گلشن: جی ہاں۔

ہشام: تو شریر ہے نہ معلوم کیا کہے گی۔

گلشن: لیکن بے مروت نہیں۔

ہشام: بے مروت کون ہے؟

گلشن: کیا کھڑی کھڑی باتیں کروں۔

ہشام: نہیں بیٹھ جا۔

گلشن قالینوں کے فرش پر بیٹھ کر بولی "شکریہ"۔

ہشام: بے مروت کون ہے؟

گلشن: کیسے بتاؤں۔ ایک پہیلی بجھاؤ' بتاؤ گے۔

ہشام: شریر پہیلی بجھانے لگی۔ میں کیا پوچھ رہا ہوں؟

گلشن: شاید اس پہیلی میں آپ کی بات کا جواب آجائے۔

ہشام: میں پہیلی بوجھنی نہیں چاہتا۔

گلشن: اچھا جانے دیجئے۔ کس قدر نیک اور خوش مزاج ہیں آپ۔ ماں باپ آپ کی تعریفیں کرتے ہیں۔ کنیزیں آپ کی تعریفیں کرتی ہیں۔

ہشام: آخر یہ تعریفوں کے پل کیوں باندھ رہی ہے تو۔

گلشن: حقیقت کا اظہار کر رہی ہوں۔

ہشام: اچھا ہو چکا۔

گلشن: حور جبین، خدا انہیں خوش رکھے.....

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ حور جبین کا نام سن کر ہشام کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی آنکھیں چمکنے لگیں۔ انہوں نے کہا "حور جبین کا کیا ذکر تھا؟"

گلشن: حور جبین بھی جس قدر خوبصورت ہیں اسی قدر نرم مزاج اور خوش دل بھی۔

ہشام: شوخ بھی تو کہا ہوتا۔

گلشن: ہاں شوخ بھی ہیں۔ مگر ان کی شوخی کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے خدا کی قسم مجھے تو جب یاد آجاتی ہیں تو.......

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے

ہشام نے مسکرا کر کہا اللہ اللہ کیسی صورت بنالی ہے جیسے یاد ہی تو کیا کرتی ہیں انہیں۔

گلشن: میں آپ کی طرح بے مروت تو نہیں ہوں کہ ایک مرتبہ بھی یاد نہیں کیا آپ نے انہیں۔

ہشام: ہش، میں کیوں یاد کرتا انہیں۔

گلشن: اسی لئے تو میں بے مروت کہہ رہی ہوں آپ کو۔

ہشام: انہوں نے مجھے کب یاد کیا؟

گلشن: آپ نے کیسے جانا کہ وہ آپ کو یاد نہیں کرتیں۔

ہشام: تیرے پاس خبر آئی ہو گی۔

گلشن: میں ایک کنیز ہوں میرے پاس کیا خبر آئی۔ البتہ آپ کے پاس آسکتی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ سے لڑ کر گئی ہیں۔

ہشام: مجھ سے لڑ کر کیوں جاتیں مجھ سے تو خوش ہو کر گئی ہیں۔

گلشن: خوش ہو کر گئی ہیں تو وعدہ بھی ضرور کر کے گئی ہوں گی۔

ہشام: کیا وعدہ؟

گلشن: یہی کہ تم ہمیں نہ بھولنا۔ ہم تمہیں نہ بھولیں گے۔

ہشام کو یاد آ گیا۔ حور جبین یہ ہی وعدہ کر کے گئی تھی۔ انہوں نے کہا۔ ہاں، انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا۔ مگر ان کے وعدہ کا اعتبار کیا۔

گلشن: یہ بات نہیں ہے وہ ضرور آپ کو یاد کرتی ہوں گی لیکن مجبور ہیں۔ کالے کوسوں کس طرح آپ کے پاس کوئی خبر بھیج سکتی ہیں۔ اچھا بتائیے آپ نے ان کے پاس کوئی خبر بھیجی؟

ہشام: میں کیسے بھیجتا۔

گلشن: اب سوچئے۔ آپ لڑکا ہو کر کوئی خبر نہیں بھیج سکے تو وہ لڑکی ہو کر کیسے کوئی خبر بھیجتیں۔

ہشام: تو نے سچ کہا۔

گلشن: مگر ایک بات عرض کروں گی۔ حور جبین ہیں محبت کرنے کے قابل۔

ہشام: بے شک

گلشن نے ہشام کی طرف دیکھ کر کہا "ہیں آپ کو پسند؟"

ہشام: شریر، پسند ہی ہوں تو کیا ہے؟

گلشن: اگر آپ اقرار کریں تو خوشخبری سناؤں۔

ہشام: سنا۔

گلشن: یوں نہیں۔ پہلے اقرار کیجئے کہ پسند ہیں یا نہیں۔

ہشام: فرض کرو پسند ہیں۔

گلشن: فرض ورض کچھ نہیں۔ صاف صاف ہاں یا نا کیجئے۔

ہشام: پسند ہیں۔

گلشن: تو خوشخبری سنئے۔ ان کے لئے آپ کا پیغام جانے والا ہے۔

ہشام شرما گئے۔ گلشن کو ان کے دل کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے کھسک آئی اور اس نے آتے ہی نجمہ سے سب کچھ بیان کر دیا۔ اور اپنی و ہشام کی پوری گفتگو دہرائی۔ وہ خوش خوش دوڑ کر خالدہ کے پاس پہنچیں اور ان سے سب کچھ سنا ڈالا۔ خالدہ بھی خوش ہو گئیں۔ مگر فوراً ہی ان کی خوشی کافور ہو گئی۔ انہوں نے کہا:۔

"یہ خوشی قبل از وقت ہے جب سلمیٰ منظور کر لیں تب خوش ہونے کا موقع ہے"۔

نجمہ: مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ ضرور منظور کرے گی۔ اچھا اب حلب چلنے کی تیاری کرو۔

خالدہ: میں جا کر کیا کروں گی۔ تم ہشام کو لے کر چلی جانا۔

نجمہ: یہ نخرے چھوڑو ہاتھ پیر تو تمہیں ہی جوڑنے پڑیں گے۔

خالدہ: حور جبین' جیسی دلہن کے لئے تو ہاتھ پیر بھی جوڑ لوں گی۔

نجمہ: بس تو تیاری کرو۔

خالدہ: میں ہر وقت تیار ہوں۔ در اصل حور جبین کو دیکھنے کو تو میری طبیعت بھی بہت چاہتی ہے۔

نجمہ نے ہنس کر کہا "حور جبین اور سلمٰی نے تمہیں کالی کلوٹی دیکھا تھا۔ اب چاند کی سی صورت دیکھ کر کیا کہیں گی"۔

خالدہ: پہچانے گی ہی نہیں۔

نجمہ: خوب دل لگی ہو گی۔

اس وقت ہشام آئے۔ انہوں نے کہا "ابا جان آ رہے ہیں"۔

خالدہ نے سامنے نجمہ کو مخاطب کر کے جب بھی ہشام کمال کو ابا جان کہا کرتے تھے تو ان کے چہرے سے حسرت سی ٹپکنے لگتی تھی۔ کبھی کبھی غمگین بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ شاید سوچتی ہوں کہ کاش ضیغم الدین بھی آ جاتے اور وہ انہیں بھی اسی طرح پکارا کرتے۔

نجمہ نے کہا "بلا لاؤ بیٹا"۔

خالدہ ان کے سامنے نقاب ڈال لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اب بھی نقاب ڈال لیا۔

کمال آئے۔ کنیزوں نے ان کے اور ہشام کے لئے کرسیاں ڈال دیں۔ دونوں ان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کمال نے کہا "اوصاف کا قاصد آیا ہے"۔

نجمہ نے خوش ہو کر ان کی طرف دیکھ کر کہا "کوئی خط لایا ہے؟"

کمال: ہاں تمہاری بہن نے تمہیں' ہشام اور خالدہ سب کو ہی بلایا ہے۔

نجمہ: خدا کا شکر ہے ہم خود ہی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔

کمال: انہوں نے ایک اور خوشخبری بھی لکھی ہے۔

نجمہ: کیا؟ مگر تم خط ہی مجھے دو نہ۔ میں آپ ہی پڑھ لوں گی۔

کمال نے مسکرا کر کہا "ایسی بے صبر کیوں بنتی ہو۔ ہم ہی سنا دیں نہ"۔

نجمہ: اچھا تو سنا دو۔

کمال نے خط نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

یا اخی المکرم' السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ

یعنی اے بزرگ بھائی' تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔

ایک عرصہ سے تمہاری اور عزیزوں کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ بڑا فکر ہے۔ سلمٰی روزانہ سب کو یاد کر لیتی ہیں۔ خصوصاً چھوٹے رسالدار کو وہ تمہیں سب کو بلاتی ہیں۔ تمہیں بھی ہشام کو بھی نجمہ کو بھی اور ہشام کی ماں کی سہیلی کو بھی۔

میں بھی چاہتا ہوں کہ تم سب آ جاؤ۔ کچھ عرصہ سے میرے پاس ایک صاحب آئے ہیں۔ وہ الفراما کے رہنے والے ہیں۔ اپنا نام نہیں بتاتے۔ ایک روز ہشام کا نام سن کر چونک پڑے تھے۔ میرا خیال ہے وہ ضیغم الدین ہیں۔ کچھ بیمار ہیں۔ میں ان کا علاج کرا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تم جلد آ جاؤ۔ تاکہ انہیں دیکھ کر اطمینان کر لو۔ ایسا نہ ہو وہ کہیں چلے جائیں۔ قاصد کو اس لئے بھیج رہا ہوں کہ وہ جلد پہنچ جائے اور تم جلد آ جاؤ۔ والسلام

طالب دعا۔ اوصاف

خط پڑھ کر سب ہی کو خوشی ہوئی۔ نجمہ نے کہا "خدا کرے وہ ضیغم الدین ہی ہوں"۔

ہشام نے کہا "اللہ میں سب کچھ قدرت ہے میرا دل گواہی دیتا ہے وہ ابا جان ہی ہیں"۔

کمال: تم تیاری کر ہی چکی ہو۔ بس کل روانہ ہو جانا چاہیے۔

نجمہ: یہی میں کہنے والی تھی۔

کمال چلے گئے۔ خالدہ نے نقاب اتارا ان کا چہرہ بھی جوش مسرت سے گلابی ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا "خدایا سن لے مجھ غمزدہ کی دعا"۔

نجمہ نے کہا "اطمینان رکھو' وہ ضیغم الدین ہی ہیں"۔

وہ دن تیاری اور انتظام میں گذرا۔ دوسرے روز یہ سب حلب کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

باب ۵۰

جوشِ مسرت

کمال کے ساتھ اپنے دستہ کے پچاس سپاہی سوار تھے۔ ہشام نے بھی عمادالدین زنگی سے تین مہینہ کی رخصت لی تھی اور پچاس سوار ساتھ لے جانے کی اجازت لے لی تھی۔ پچاس سوار ان کے ساتھ تھے۔ اس طرح سو سواروں کی معیت میں یہ قافلہ کوچ کر رہا تھا۔ اس قافلہ کے ساتھ کمال اور ہشام کے علاوہ نجمہ، خالدہ اور کئی کنیزیں اور غلام بھی تھے۔ سپاہیوں کے خیموں کے علاوہ کئی خیمے غلاموں کے لئے کئی خیمے کنیزوں کے لئے اور دو دو خیمے نجمہ، خالدہ، ہشام اور کمال کے لئے تھے۔ ان کے ساتھ اتنے خیمے تھے کہ جب کسی جگہ قیام کرتے تھے تو خیموں کا شہر سا بس جاتا تھا۔ چونکہ انہیں حلب پہنچنے کی جلدی تھی اس لئے لمبی لمبی منزلیں کر رہے تھے۔ روزانہ سفر کرتے تھے۔ کسی جگہ ایک رات سے زیادہ نہ ٹھہرتے تھے۔

جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں انہیں ہشام ملے تھے تو نجمہ نے کہا "یہاں مجھے وہ ملا تھا جس نے میری زندگی کو روشن کر دیا ہے"۔

خالدہ: اچھا تمہیں ہشام یہاں ملے تھے۔

نجمہ: ہاں ہم نے اسی جگہ اپنا کیمپ ڈالا تھا۔ یہیں سے میں اور کمال شکار کو گئے تھے اور یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر ہم نے انہیں سوتے پایا تھا۔

خالدہ: میرے بچے نے کمسنی میں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ تم جیسے نیک لوگوں میں پہنچ گیا۔

دوسرے روز انہوں نے وہاں سے بھی کوچ کر دیا۔ یہاں سے انہوں نے اس قاصد کو جو انہیں حلب سے بلانے آیا تھا۔ اپنے آنے کی خبر پہنچانے کے لئے آگے روانہ کر دیا۔ لیکن ایک

قاصد عماد الدین زنگی نے حلب کے والی کے پاس پہلے ہی پہنچادیا تھااور انہیں یہ لکھا تھاکہ "ہشام جو ہماری فوج کے سب سے کمسن رسالدار ہیں اپنے عزیزوں سے ملنے حلب جارہے ہیں۔ وہ خواہ کہیں بھی ٹھہریں شاہی مہمان ہیں ان کی مدارات میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے"۔

والی حلب ایک سن رسیدہ شخص تھے۔ ان کا نام رکن الدین تھا۔ جب ان کے پاس عماد الدین زنگی کا قاصد پہنچاتو انہوں نے طے کرلیاکہ وہ ہشام کا استقبال کریں گے انہوں نے ہشام کی بہادری کے حالات سنے تھے انہیں یہ معلوم نہیں تھاکہ حلب میں ہشام کے عزیز کون ہیں۔ انہوں نے اپنے قاصد دوڑا دیئے تاکہ وہ ہشام کے آنے کی انہیں اطلاع دیں۔ یہ قاصد واپس آگئے۔ انہوں نے بتایاکہ ہشام قریب آگئے ہیں کل حلب میں داخل ہو جائیں گے۔

چنانچہ رکن الدین نے دوسرے دن صبح کو شہر میں منادی کرادی کہ ہشام آرہے ہیں ان کا استقبال کیا جائے اور خود پانچسو سواروں کے ساتھ شہر سے باہر نکلے اس طرف سے کمال اور ہشام آرہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھاکہ رکن الدین ان کے ہی استقبال کو آئے ہیں۔ وہ سمجھے کوئی اور افسر آرہے ہیں ممکن ہے عماد الدین زنگی کے بیٹے نور الدین آرہے ہیں۔

حلب کی حکومت عماد الدین زنگی نے اپنے بیٹے نور الدین کو دے رکھی تھی۔ لیکن نور الدین موصل میں اپنے باپ کے پاس رہتے تھے اور رکن الدین حلب کا انتظام کرتے تھے۔

جب ہشام اور کمال رکن الدین کے پاس پہنچے تو حلب کے سپاہیوں نے ان کا استقبال کیا۔ اور اللہ اکبر کے پرجوش نعرے لگائے۔ ان نعروں سے انہوں نے یہ سمجھاکہ ان ہی کا استقبال کیا جا رہا ہے۔ اس سے انہیں بڑی مسرت ہوئی۔ وہ دونوں رکن الدین کے پاس پہنچے۔ دونوں نے انہیں سلام کیا۔

رکن الدین نے انہیں بتایاکہ عماد الدین زنگی نے ان کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

اس وقت ہشام سادہ لباس میں تھے۔ رکن الدین نے ان سے درخوات کی کہ وہ فوجی وردی پہن لیں۔ اتفاق سے وردی ان کے پاس موجود تھی۔ انہوں نے واپس جاکر وردی پہن لی۔ خالدہ اور نجمہ کو بتایاکہ زنگی کی تحریک پر رکن الدین ان کا استقبال کرنے آئے ہیں۔ دونوں بہت خوش ہوئیں۔ انہیں دعائیں دیں۔

وہ وردی پہن کر رکن الدین کے پاس آئے۔ حلب کی فوج نے انہیں سلامی دی اور جلوس کی صورت میں انہیں لے کر حلب کی طرف چلے۔ خواتین سواریوں میں تھیں۔ ان کے آگے حلب

کی فوج ہو گئی جس میں ہشام اور کمال شامل تھے۔ درمیان میں خواتین کی سواریاں ہوئیں۔ پیچھے ہشام اور کمال کے فوجی دستے ہوئے اس شان سے وہ حلب میں داخل ہوئے۔

اہل حلب نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ کوچہ و بازار میں لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ اللہ اکبر اور ہشام زندہ باد کے نعروں سے زمین و آسمان گونج رہے تھے۔ اکثر جگہ ان پر پھولوں کی بارش بھی ہوئی۔ لوگ ہشام کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ان کی کمسنی اور خوبروئی دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ خصوصاً عورتیں بڑی متعجب ہوئیں۔ کہتی تھیں "کیسا اچھا بچہ ہے؟"

اوصاف کو معلوم ہو گیا۔ وہ بھی استقبال میں شریک ہونے کے لئے پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ انہیں بھی ہشام عزیز ہو گئے تھے۔ اول ہشام کو دارالامارہ میں لے جایا گیا اور وہاں سے جلوس کے ہمراہ اوصاف کے مکان کی طرف چلے۔ عورتیں وہاں پہلے پہنچ گئی تھیں کیونکہ جب جلوس دارالامارت کی طرف چلا تھا اس وقت عورتوں کی سواریاں دوسرے راستہ سے اوصاف کے گھر کی طرف چلی گئی تھیں اور اس لئے جلوس سے پہلے وہاں پہنچ گئی تھیں۔

سلمٰی اور حور جبین نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ابھی ان میں باتیں نہ ہونے پائی تھیں کہ جلوس آ پہنچا۔ وہ سب جلوس کا تماشا دیکھنے کے لئے بالاخانہ پر جا چڑھیں کافی لمبا جلوس تھا۔

ہشام کے وہاں پہنچنے پر جلوس ختم ہو گیا سرکاری سپاہی اور عوام سب چلے گئے تھے مگر ہشام اندر نہیں گئے۔ اس لئے جھجکے کہ کہیں ان سے کوئی پردہ نہ کرے۔ اوصاف ان کے پاس آئے۔ انہوں نے انہیں سلام کیا۔ اوصاف اس وقت بہت خوش تھے۔ انہوں نے انہیں دعا دی اور کہا" بیٹا اندر چلو۔ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

"چلئے" ہشام نے کہا۔ اور ان کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوئے۔ سلمٰی ان کے لئے چشم براہ تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی جھپٹیں۔ ہشام نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا اور پوچھا "باہر کیوں رہ گئے تھے بیٹا"

ہشام نے کہا "مجھے خیال ہوا کہ کہیں کوئی پردہ والی نہ ہوں"۔

سلمٰی: بیٹے سے بھی کوئی پردہ کیا کرتا ہے۔

وہ انہیں لے کر وہاں پہنچیں جہاں خالدہ، نجمہ، حور جبین اور کئی اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے حور جبین کو دیکھا وہ انہیں پہلے ہی سے دیکھ رہی تھی وہ واقعی اس وقت حور جبین ہو گئی تھی۔ بچپن نے اسے شباب کی گود میں پھینک دیا تھا اور شباب نے قتالہ عالم بنا دیا تھا۔ وہ نہایت ہی

حسین ہو گئی تھیں کہ اسے دیکھ کر حواس میں رہنا ناممکن تھا۔ آنکھیں ایسی دلکش اور بے گوں ہو گئی تھیں کہ خدا کی پناہ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چاندی کی کٹوریوں میں شراب چھلک رہی ہو۔ وہ متین ہو گئی تھی اور متانت نے اسے اور بھی دلفریب بنا دیا تھا بہت ہی معصوم اور بھولی معلوم ہوتی تھی۔

ہشام کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ تو خیریت ہوئی اس ستم روزگار نے اپنی حسین نظریں جھکالیں۔ ورنہ وہ ضرور ہوش و خرد کو خیرباد کہہ دیتے۔

سلمیٰ نے کہا "ماشاء اللہ۔ ہشام کیا بن گے ہیں"۔

ہشام نے چاہا کہ کہیں "حور جبین کیا بن گئی ہیں" مگر شرم نے اجازت نہیں دی۔ سلمیٰ نے کہا "بڑے ہی بے مروت ہو ہشام، تم نے کبھی خیریت کا خط بھی نہ لکھا"۔

ہشام نے کچھ تو اس وقت پڑھا تھا جب وہ الفراما میں رہتے تھے کچھ جب پڑھا جب فنون جنگ سیکھے۔ اس لئے وہ کافی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انہوں نے کہا "مجھے شرم آئی"۔

سلمیٰ نے کہا "خوب اپنوں سے کیا شرم"۔

ہشام: میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔

سلمیٰ: واہ واہ۔ تم ہمارے سب کے بیٹے ہو۔ تم نے کبھی حور جبین کو یاد نہ کیا ہو گا مگر یہ اکثر تمہیں یاد کیا کرتی تھی۔

حور جبین ہشام سے کچھ خفا معلوم ہوتی تھی۔ اس نے کہا "میں کسی کو کیوں یاد کرتی"۔

نجمہ نے کہا "بہت خفا معلوم ہوتی ہو تم حور جبین"۔

ہشام: میں اس قابل بھی کب ہوں کہ کوئی مجھے یاد کرے۔

سلمیٰ: تم...... ہمارے دل سے پوچھو کہ تم کس قابل ہو۔ ارے ہاں، باجی نجمہ، یہ تو بتاؤ تم ہشام کی امی کی سہیلی کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائیں۔

نجمہ نے شوخی سے خالدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا "ان سے پوچھو"۔

خالدہ: وہ میں ہی ہوں۔

سلمیٰ اور حور جبین حیران رہ گئیں۔ حور جبین سے ضبط نہ ہوا۔ اس نے کہا "اچھا تم ہی وہ سانولے رنگ کی ہو"۔

خالدہ نے اسے اپنے آغوش میں لے کر کہا "شوخ حور میں وہی ہوں۔ میں نے عیسائیوں کے

خوف سے اپنا چہرہ کالا کر لیا تھا"۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی داستان مختصر طور پر سنائی۔ سلمیٰ اور حور جبین بہت حیران ہوئیں۔ سلمیٰ نے کہا "دیکھو پانی غسلخانہ میں رکھا دیا ہے۔ پہلے سب غسل کر لو۔ پھر باتیں ہوں گی ہمیں تو ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا اور بہت کچھ سننا ہے"۔

خالدہ: ٹھیک کہا تم نے منوں گردہ ہم پر پڑا ہے۔

حور جبین نے ان کے پاس سے سرکتے ہوئے کہا "خدا بچائے کہیں اس گردے سے میں نہ دب جاؤں"۔

سب ہنسنے لگیں۔ ہشام نے مسکرا کر کہا "تم ضرور ہٹ جاؤ نہیں تو گرد تم کو قطعی دبا لے گی"۔

حور جبین نے انہیں شوخ نظروں سے دیکھ کر کہا "اپنی کہو رسالدار صاحب اگر گرد نے آپ کی طرف رخ کر لیا تو کیا ہو گا۔ یہاں تو سپاہیوں کی پلٹن بھی نہیں جو بچا لے گی"۔

سب نے قہقہہ لگایا۔ ہشام کچھ محجوب ہو کر رہ گئے۔

........☆☆☆........

باب ۵۱

ضیغم الدین

اس روز کو غسل کرنے اور باتیں کہنے سننے میں فرصت نہ ملی۔ رات ہو گئی بڑی رات گئے تک نجمہ، خالدہ، سلمٰی اور جو عورتیں مہمان آئی تھیں وہ بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ آدھی رات کے وقت اپنے اپنے بستروں پر جا کر دراز ہوئیں۔

صبح کی اذان سنتے ہی سب اٹھ بیٹھے۔ عورتوں نے گھر میں نماز پڑھی۔ مردوں نے مسجد میں جا کر۔ جب نماز پڑھ کر آئے تو ہشام نے اوصاف سے کہا "یا عم! وہ الصحرا کے بزرگ کہاں ہیں؟"

اوصاف: وہ باغ میں ہیں۔

ہشام: اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟

اوصاف: بہت اچھی ہے وہ تمہارا اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں اور تمہاری باتیں بڑے شوق سے سنتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ تم آنے والے ہو۔

ہشام: خدا کرے وہ میرے ابا جان ہوں۔

اوصاف: مجھے یقین ہے وہ تمہارے ابا جان ہی ہیں۔

ہشام: تو لے چلئے مجھے ان کے پاس۔

اوصاف: چلو آ کر ہی ناشتہ کریں گے۔

انہوں نے گھوڑے کسوائے اور دونوں چلے۔ باغ حلب سے باہر تھا۔ وہ باغ میں پہنچے۔ نہایت عمدہ باغ تھا۔ اس میں ایک نہایت اچھی عمارت تھی مالیوں کے علاوہ سپاہی بھی وہاں تھے اور چند غلام بھی تھے۔ اوصاف نے وہ غلام مریض کی تیمارداری کے لئے وہاں چھوڑ رکھے تھے۔

اوصاف کے دیکھتے ہی مالیوں نے سپاہیوں اور غلاموں نے انہیں سلام کیا۔ وہ ہشام کو بھی سلام کرتے تھے اور انہیں اچھی نظروں سے دیکھتے تھے دونوں عمارت کے قریب جا کر گھوڑوں سے

اترے۔ غلاموں نے گھوڑے پکڑ لئے۔ اوصاف نے غلاموں سے پوچھا "مہمان کی طبیعت کیسی ہے ؟"

ایک غلام نے کہا "بہت اچھی ہے۔ کل جب نعرے لگائے جا رہے تھے تو وہ باغ کے دروازہ پر جا کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے "یہ نعرے کیسے لگائے جا رہے ہیں"۔ میں نے کہا "کوئی ہشام آئے ہیں۔ ان کا استقبال کیا جا رہا ہے"۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "اللہ کاش یہ ہشام وہی ہوں" مجھ سے پوچھنے لگے "جانتے ہو کون ہشام ہیں" میں نے کہا "نہیں ہم انہیں نہیں جانتے" وہ چپ ہو گئے۔

اوصاف اور ہشام دونوں عمارت کے برامدہ میں داخل ہوئے۔ اسی وقت ایک شخص ایک کمرے میں سے نکلے۔ انہیں دیکھتے ہی ہشام بے اختیار ان کی طرف جھپٹے اور چلائے "ابا جان"۔

یہ ضیغم الدین ہی تھے۔ انہوں نے بھی ہشام کو پہچان لیا۔ ان سے لپٹ گئے اور بولے "میرے بچے"۔

دونوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ مگر دونوں پی گئے دیر تک دونوں بغلگیر رہے۔ اوصاف کے دل پر بھی ان کی ملاقات کا بڑا اثر ہوا۔ ان کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ کچھ وقفہ کے بعد ضیغم الدین نے ان سے الگ ہو کر کہا "خدا کا شکر ہے جان پدر تم مل گئے"۔

اوصاف نے کہا "چلئے اندر بیٹھ کر باتیں کیجئے"۔

تینوں اندر فرش پر جا بیٹھے۔ ہشام نے یہ دیکھ لیا کہ اوصاف نے ان کے آرام و راحت کا پورا پورا سامان کر رکھا تھا۔ اور یہ سامان ان کی شایان شان تھا۔ ضیغم الدین نے کہا "تم کیسے یہاں آ گئے ؟"

ہشام: میں اپنی سب داستان سناؤں گا۔ پہلے تم بتاؤ ابا جان تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے ؟"

ضیغم الدین: میں تمہیں چھوڑ کر کہاں جا سکتا تھا بیٹا۔ میں تمہیں اپنی داستان سناتا ہوں۔

ہشام: مگر ابا جان، تم میں اتنی قوت بھی ہے۔

ضیغم الدین نے ہنس کر کہا "کیا تمہیں یاد نہیں ہے بیٹا، جب دشمنوں نے مجھے زخمی کر دیا تھا اور موت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس وقت بھی میں نے تمہیں اپنی داستان سنائی تھی اب تو خدا کے فضل سے میں اچھا ہوں۔ میں اوصاف کا بہت زیادہ شکر گذار ہوں۔ انہوں نے مجھے آرام پہنچایا۔ میرا علاج کیا اور میری بڑی خدمت کی۔

ہشام: اور ابا جان انہوں نے ہی ہمیں موصل سے تم سے ملنے کے لئے بلایا ہے۔

ضیغم الدین نے حیرت سے کہا "اچھا" اور اوصاف کی طرف دیکھا۔

اوصاف نے کہا "میں موصل گیا تھا۔ وہاں ہشام ملے تھے۔ ان کی داستان سنی تھی۔ جب آپ یہاں آئے اور آپ نے بتایا کہ الفراما کے رہنے والے ہیں تو مجھے خیال ہوا ہوں نہ ہوں آپ ضیغم الدین ہیں۔ میں نے انہیں اطلاع دی یہ آ گئے"۔

ضیغم الدین نے مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا "تمہارے احسانات بہت زیادہ ہو گئے ہیں"۔

اوصاف: احسان کا ذکر نہ کیجئے۔ میں آپ کو بڑا بھائی سمجھتا ہوں۔

ضیغم الدین: پھر بھی میں تمہارا مشکور ہوں۔

ہشام: ہاں۔ ابا جان سنایئے اپنی داستان۔

ضیغم: سنو' بیٹا۔

جب تم بستی سے سامان لانے کے لئے گئے تو میری آنکھیں بند ہونے لگیں میں نے ہر چند چاہا کہ آنکھیں کھولے رہوں لیکن دماغ بھاری ہو گیا۔ احساس کی قوت فنا ہو گئی اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ معلوم نہیں کب تک بے ہوش رہا جب ہوش میں آ گیا تو چند مسلمانوں کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا۔ جب حواس اچھی طرح درست ہو گئے تو دیکھا وہاں وہ جھونپڑی نہ تھی جس میں میں رہتا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا میں نے پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

ان میں سے ایک شخص نے کہا "تم شرف میں ہو"۔

میں نے پوچھا "شرف کیا وہ قصبہ جو لعلبک سے آگے اور حلب سے اس طرف ہے"۔

دوسرے شخص نے جواب دیا "جی ہاں"۔

مجھے فوراً تم یاد آ گئے۔ میں نے کہا "اور میرا بچہ"۔

وہ سب بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے کہا "بچہ...... مگر وہاں تو کوئی بچہ نہ تھا"۔

میں: میں نے اسے قریب کی بستی میں سامان لانے بھیجا تھا۔

ایک شخص: افسوس ہے ہمیں اس کا علم نہیں ہوا۔ جب ہم تمہاری جھونپڑی پر پہنچے۔ تو تمہیں بے ہوش پایا۔ تمہارے جسم پر پٹیاں کسی ہوئی تھیں ہم یہ سمجھتے تھے کہ تمہیں سفاک عیسائی زخمی کر گئے ہیں۔ ہم تمہیں وہاں سے اٹھا کر قریب کی بستی میں لے گئے اور وہاں سے سواری کا انتظام کر کے یہاں لے آئے۔

میں: تو میں کیا کئی روز بے ہوش رہا۔

وہی شخص: تم موت اور زندگی کے درمیان لٹک رہے تھے۔ کبھی ہوش میں آکر آنکھیں کھول دیتے تھے تو ہم تمہیں دودھ پلا دیتے تھے۔ آج تم دو ہفتہ میں اچھی طرح ہوش میں آئے ہو۔

میں نے دل میں کہا "کاش میں ہوش میں نہ آتا"۔

مجھے تمہاری جدائی کا بڑا قلق تھا۔ یہ غم تھا کہ تم نے جھونپڑی میں آکر جب مجھے نہ دیکھا ہو گا تو تمہارا کیا حال ہوا ہو گا اور تم کہاں گئے ہو گے۔ بیوی اور بیٹی کو پہلے کھو چکا تھا۔ اب تمہیں بھی کھو دیا تھا۔ پندرہ دن گذر گئے تھے۔ تمہاری تلاش بے سود تھی۔ میں چپ ہو گیا۔ انہوں نے تمہارے متعلق پوچھا۔ میں نے انہیں اس لئے کچھ نہیں بتایا کہ وہ بھی پریشان اور غمگین ہوتے اور ممکن تھا تمہاری تلاش میں جاتے۔

وہ بڑے دین دار اور مخلص لوگ تھے۔ انہوں نے میری بڑی خدمت کی۔ میں اٹھ بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ وہ مجھے حرکت نہیں کرنے دیتے تھے۔ پیشاب پاخانہ سب اٹھاتے تھے۔ سگے بھائیوں سے زیادہ مہربانی کرتے تھے۔ مجھ سے انہیں کوئی قرابت نہیں تھی محض اسلام کا ناتہ تھا۔

میں ایک سال تک پڑا رہا۔ اگر زخم اچھے ہو گئے تو بیمار ہو گیا۔ وہ برابر میری تیمارداری کرتے رہے۔ آخر ایک سال کے بعد مجھے آرام ہوا۔ اور چھ مہینے میں جا کر طاقت آئی۔ میں نے ان سے اجازت لی اور چل پڑا۔ وہاں سے .علبک پہنچا کچھ روز وہاں ٹھہرا۔ وہاں مجھے ایک شخص نے بتایا کہ تم حلب میں ہو میں واپس حلب آیا۔ مہینوں رہ کر تمہیں تلاش کرتا رہا۔ مگر مجھے تمہارا پتہ نہ چلا۔ اس عرصہ میں مجھے معلوم ہوا کہ عماد الدین زنگی نے اشرب پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا ہے اور وہاں سے مسلمان قیدی رہا کرائے ہیں ارادہ ہوا موصل چلوں۔ چل بھی پڑا۔ مگر جب شرف میں آیا تو معلوم ہوا کہ ایک بچہ یہاں آیا تھا وہ .علبک گیا ہے میں .علبک پہنچا۔ وہاں تلاش کیا مگر کچھ سراغ نہ ملا۔

میں سخت پریشان اور غمزدہ رہتا تھا .علبک میں بیمار ہو گیا چند مہینے تک علاج کرایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ وہاں میں ایک جاگیردار کے یہاں ٹھہرا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ حلب میں مشہور طبیب ہیں۔ وہاں اچھا علاج ہو گا چنانچہ وہ مجھے یہاں پہنچا گئے۔ اوصاف کو وہ جانتے تھے ان کے پاس چھوڑ گئے۔ انہوں نے بھی میری بڑی خدمت کی۔ خدا خدا کر کے کئی مہینے میں آرام ہوا۔ صرف ضعف باقی رہ گیا ہے اب تم مل گئے ہو۔۔ 'انشاء اللہ میں بہت جلد قوی ہو جاؤں گا۔ تم اپنی داستان سناؤ

اب۔

ہشام نے اپنی تمام داستان سنائی۔ ان کی داستان سنتے سنتے کبھی وہ مغموم ہو جاتے اور کبھی خوش۔ جب انہوں نے سنا کہ خالدہ بھی مل گئی ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا "یا اللہ تیرا ہزار ہزار شکر و احسان ہے"۔

ضیغم الدین: ضرور چلوں گا۔

چنانچہ وہ ان کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

........☆☆☆........

باب ۵۲

منگنی

راستہ میں ہشام نے ضیغم الدین سے خالدہ کی وہ داستان بھی سنا دی جو انہوں نے بیان کی تھی۔ انہیں یہ سن کر بڑا افسوس ہوا کہ وہ اس رات کو باغ میں رہے۔ جو رات خالدہ نے معہ سلطانہ کے اپنے مکان میں گذاری۔ اگر وہ رات کو اپنے مکان میں پہنچ جاتے تو وہ پریشانیاں' تکلیفیں اور غم نہ اٹھانے پڑتے جو اٹھائے۔ سب مل جاتے اور وہاں موصل چلے جاتے۔

جب انہوں نے سنا کہ خالدہ نے اپنی عصمت بچانے کے لئے اپنے چہرے اور ہاتھوں اور پیروں کی رنگت سیاہ کر لی تھی تو ان کے دل میں ان کی بڑی عزت اور محبت قائم ہو گئی۔ وہ کمال اور نجمہ کے بھی بڑے ثنا خواں ہوئے کیونکہ انہوں نے ہشام کو اپنی آغوش عاطفت میں لیا۔ اور بیٹے کی طرح پالا۔ انہیں اس بات کی بھی خوشی تھی کہ ان کے بیٹے نے چھوٹی عمر میں نام پیدا کر کے اپنے خاندان کو روشن کر دیا تھا وہ رسالدار ہو گئے تھے۔ اور عماد الدین زنگی ان سے محبت کرتے تھے۔

جب وہ اوصاف کے محل پر پہنچے تو کمال مردانہ میں بیٹھے ہشام اور اوصاف کا انتظار کر رہے تھے وہ ضیغم الدین کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ ہشام کے باپ وہی ہیں انہیں اس بات سے تو خوشی ہوئی کہ ہشام کے باپ مل گئے۔ مگر اس بات کا افسوس ہوا کہ اب ہشام شاید ان سی ویسی محبت نہ کر سکیں جیسی کرتے رہے ہیں۔

ہشام نے گھوڑے سے اترتے ہی کمال سے خوش ہو کر کہا۔ "ابا جان' یہ ہیں میرے ابا جان" ضیغم الدین نے انہیں سلام کیا۔ کمال نے سلام کا جواب دیا۔ اور بڑی گرمجوشی سے ان سے ملے۔ ضیغم الدین نے کہا "میں تمہارا بڑا شکر گذار ہوں۔ تم نے ہشام کو اپنا بیٹا بنایا اور اس رتبہ پر پہنچایا"

کمال نے کہا۔ "میں کیا کر سکتا تھا۔ جو کچھ کیا خدا نے کہا (کیا)۔ مجھے تو یہ خوشی ہوئی کہ تم مل گئے اور ہشام کے غم اور پریشانی میں کمی ہو گئی۔"

اوصاف' ضیغم الدین اور کمال باتیں کرنے لگے۔ ہشام جلدی سے مکان کے اندر پہنچے۔ وہ

اس وقت بہت خوش تھے۔ نجمہ' حور جبیں اور خالدہ اور سلمیٰ سب ایک جگہ بیٹھی تھیں۔ ہشام نے ان کے پاس پہنچ کر خالدہ سے مخاطب ہو کر کہا "امی جان' ابا جان مل گئے۔"

خالدہ کا چہرہ چمکنے لگا۔ آنکھوں میں تیز چمک آگئی۔ انہوں نے کہا "کیا تم ان سے مل چکے ہو؟"

اور سب بھی اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئیں اور وہ سب ہشام کی طرف دیکھنے لگیں"

ہشام نے کہا "وہ میرے ساتھ آئے ہیں باہر موجود ہیں"

خالدہ خوشی سے مدہوش ہو گئیں۔ جیسے سکتہ ہو جائے۔ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں۔ بات منہ سے نہ نکل سکی۔ نجمہ اور سلمیٰ نے کہا "خدایا تیرا شکر ہے"

یہ سن کر خالدہ کو بھی ہوش آیا۔ وہ سجدہ میں گر گئیں۔ انہوں نے کہا "خدایا تیرا شکر ہے۔ ہزار ہزار شکر"

انہوں نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ دیکھا تو اوصاف آ رہے ہیں۔ خالدہ نے اپنے چہرہ پر دوپٹہ کا آنچل کھینچ لیا۔ انہوں نے وہاں سے آکر کہا۔ بھائی ضیغم الدین آگئے ہیں۔ بھائی کمال ان کو اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔ پردہ کرنے والی پردہ کرلیں۔

نجمہ نے کہا بلالو۔ وہ کوئی غیر تھوڑی ہیں ہم اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیں گے۔"

کمال۔ مگر ایک عرصہ کے بعد وہ آئے ہیں۔ تنہائی میں ملاقات ہونا مناسب ہے۔

خالدہ شرما گئیں۔ نجمہ نے کہا "ہم سب اپنے کمروں میں جا رہی ہیں۔ خالدہ بھی اپنے کمرے میں چلی جائیں گی"

چنانچہ سب اٹھ کر چل دیں۔ کمال اور ہشام باہر چلے گئے خالدہ اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک کنیز ضیغم الدین کو خالدہ کو کمرے میں چھوڑ گئی خالدہ انہیں دیکھتے ہی بیتاب ہو کر ان کی طرف بڑھیں اور بولیں میرے سرتاج"

ضیغم الدین نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے کہا "میری جان آرزو"

خالدہ ضبط نہ کر سکیں۔ ان کا دل امنڈ آیا اور حسین رخساروں پر آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگیں۔ ضیغم الدین بیٹھ گئے۔ انہوں نے ان کے ریشم سے سر کے بالوں میں انگلی سے کنگھی کرتے ہوئے کہا "خالدہ رو رہی ہو۔ اب رونے کا کیا موقع ہے۔ خوش ہونے کا مقام ہے"

خالدہ نے اپنا سر اٹھایا۔ آنسو خشک کئے اور کہا "ضبط نہ ہو سکا آنسو نکل آئے"

وہ اب ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ ضیغم الدین نے کہا "ہشام نے مجھے تمہاری داستان سنا دی

ہے تم نے اپنی عصمت بچانے کے لئے جو کچھ کیا وہ بھی سن لیا ہے۔ میرے دل میں تمہاری اور بھی عزت اور محبت بڑھ گئی ہے۔"

خالدہ۔ اس دن کی مجھے آرزو تھی۔ مگر امید نہیں تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری آرزو پوری کر دی۔

ضیغم الدین۔ خدا میں سب کچھ قدرت ہے۔ اب تم ہنسو خالدہ' اسی طرح جس طرح کبھی ہنسا کرتی تھیں۔

خالدہ نے ناز بھری چتون سے انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "جی کیوں نہیں گویا اب بھی میں پہلی سی شوخ ہوں"

ضیغم الدین۔ اس سے زیادہ تم پہلے سے زیادہ حسین بن گئی ہو۔ شوخ بھی زیادہ ہو گئی ہو۔

خالدہ ہنس پڑیں۔ ان کے حسین چہرہ پر نور کی لہریں دوڑ گئیں۔ ضیغم الدین مسکرائے۔ ایک مدت کے بعد یہ دونوں مل کر خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ضیغم الدین باہر چلے گئے۔ خالدہ کو نجمہ نے مبارک باد دی۔ خالدہ اس وقت بہت خوش تھیں۔ نجمہ اور سلمیٰ کو بھی خوشی تھی۔ مکان کا ایک حصہ ضیغم الدین اور خالدہ کے لئے الگ کر دیا گیا۔ خالدہ کے شباب کی شوخی عود کر آئی۔ ان کا دل شگفتہ ہو گیا۔ چہرہ اور بھی حسین معلوم ہونے لگا۔

چند ہی روز میں ضیغم الدین بھی تندرست اور قوی ہو گئے۔ ہشام نجمہ ہی کے ساتھ رہتے تھے اور نجمہ اور سلمیٰ مکان کے ایک ہی حصے میں رہتی تھیں۔ حور جبیں کچھ ہشام سے خفا تھیں۔ انہیں دیکھتی تو رہتی تھیں۔ مگر بات کم کرتی تھیں۔ ایک روز ہشام اپنے کمرے میں بیٹھے تھے۔ حور جبیں کسی کام سے اس طرف جا نکلی۔ اس نے کمرے میں جھانکا۔ ہشام نے کہا "جھانکتی تاکتی کیا پھر رہی ہو۔ میں بیٹھا ہوں ڈرو مت آ جاؤ۔"

حور جبیں کو کچھ طرارہ سا آ گیا۔ اس نے کہا "گویا میں تمہیں دیکھنے آئی تھی" ہشام اور کسے دیکھنے آئیں؟

حور جبیں ان کے پاس چلی گئی۔ اس نے کہا "تمہیں کس بات پر ناز ہے؟ ہشام نے سادگی سے کہا "اس بات پر جو کہ حور جبین مجھے یاد کرتی تھی"

حور جبیں نے رسیلے ہونٹ پچکا کر کہا "میں کیوں یاد کرتی۔ تم امی جان کی باتوں میں آ گئے"

ہشام۔ کس بات پر خفا ہو تم مجھ سے؟

حور جبیں۔ میں کیوں خفا ہوتی

ہشام۔ بس تو بیٹھ جاؤ میرے پاس۔

حور جبیں۔ بہت بیٹھی

ہشام۔ تو تم خفا ہو مجھ سے

حور جبیں۔ اچھا خفا ہیں۔ پھر

ہشام۔ میں منالوں گا

حور جبیں۔ منا چکے

ہشام۔ کیوں نہ مناؤں گا۔ یاد ہے تم نے موصل میں مجھے منایا تھا۔

حور جبیں۔ وہ بچپن کی باتیں تھی۔

ہشام نے کھڑے ہو کر حور جبیں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دونوں کے جسموں میں بجلی سی دوڑ گئی۔ حور جبیں شرما گئی۔ ہشام نے کہا۔ "مان جاؤ"

حور جبیں نے شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا "تم بڑے بے مروت ہو۔"

ہشام۔ حور جبیں میں تمہیں دل میں یاد کرتا تھا۔ زبان پر تمہارا نام کیسے لاتا۔

نام اس ڈر سے نہ لیتے تھے کہ سن لے نہ کوئی

دل ہی دل میں تمہیں ہم یاد کیا کرتے تھے

حور جبیں نے حسین نگاہوں سے انہیں دیکھا اور مسکرا دی اور جلدی سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔ اب وہ ان سے خفا نہیں تھی۔ ان سے باتیں بھی کرتی اور چھیڑ بھی دیتی۔ خالدہ نے ضیغم الدین سے بھی ہشام کے حور جبیں سے رشتہ کرانے کی اجازت لے لی تھی۔ مگر خود اس معاملہ میں کچھ نہ کہنا چاہتی تھیں۔ اس فکر میں تھیں کہ نجمہ سلسلہ جنبانی کریں آخر ایک روز نجمہ نے سلمیٰ سے کہا "حور جبین مجھے دیدو سلمیٰ!

سلمیٰ سمجھ گئیں۔ انہوں نے کہا "اوصاف سے کہنا"

نجمہ۔ ان سے بھی کہوں گی پہلے تم امید دلاؤ

سلمیٰ۔ اگر وہ اقرار کرلیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

نجمہ خوش ہو گئیں۔ اسی روز شام کے وقت جبکہ اوصاف اور کمال دونوں بیٹھے تھے۔ نجمہ نے اوصاف سے کہا "تمہیں معلوم ہے ہم کیوں آئے ہیں؟"

اوصاف۔ میں نے بلایا تھا۔ سلمیٰ ملنا چاہتی تھیں۔ تم آگئیں

نجمہ۔ مگر ہم تمہارا قاصد پہنچنے سے پہلے ہی آنے کی تیاری کر رہے تھے

اوصاف۔ ایسے فقرے کسی اور سے کہنا۔ مگر میں مان لیتا ہوں۔ کس لئے آ رہے تھے تم؟

نجمہ۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ہم اس لئے آ رہے تھے کہ ہشام کو اپنی فرزندی میں لے لو

اوصاف۔ مگر حور جبیں کا اختیار تو سلمیٰ کو ہے

سلمیٰ بھی وہیں بیٹھی تھیں۔ نجمہ نے کہا "سلمیٰ کو بعد میں ہے۔ پہلے تمہیں ہے"

اوصاف۔ مگر ہشام کے ماں باپ ہوتے ہوئے تمہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کا کیا حق ہے۔

نجمہ۔ ہشام میرا بچہ ہے۔ میرا بیٹا ہے۔ مجھے اور کمال کو پورا پورا حق ہے۔

اوصاف۔ یہ میں مانتا ہوں۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ ہشام تم سے زیادہ مانوس ہیں تمہارے ہی پاس رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ خالدہ اور ضیغم الدین کے بیٹے ہیں انہیں زیادہ حق ہے۔

نجمہ۔ دراصل وہ تم سے کہتے شرماتے ہیں۔

اوصاف۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ کیا وہ ہمارے رتبہ نہیں ہیں؟

نجمہ۔ اچھا ٹھہرو۔ میں ابھی آئی

یہ کہتے ہوئے وہ دوڑی گئیں اور خالدہ کو بلا لائیں۔ خالدہ نے اوصاف سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بھائی میرا حوصلہ نہیں پڑتا تھا میں اس سلسلہ میں کچھ کہوں۔ اب عرض کرتی ہوں "ہشام کو اپنی فرزندی میں قبول کر کے ہمیں عزت بخشو"

اوصاف۔ بہن، تمہیں حوصلہ کیوں نہیں پڑتا تھا۔ تم جیسی عورتیں تو بہت کم ہوتی ہیں۔ میرے دل میں تمہاری بڑی عزت ہے۔ حور جبیں تمہاری ہو چکی۔

خالدہ خوش ہو گئیں۔ انہوں نے کہا

بہت بہت شکریہ۔ تم نے میرے دل کو خوش کر کے حج اکبر کا ثواب کمایا۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔

اس گفتگو کے چند ہی روز بعد ہشام کی حور جبیں سے منگنی ہو گئی۔

......☆☆☆......

باب ۵۳

پیکر جلال

اس منگنی کی خوشی سب ہی کو ہوئی۔ نجمہ کو بھی، سلمٰی کو بھی، خالدہ کو بھی، کمال کو بھی، اوصاف کو بھی اور ضیغم الدین کو بھی۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھ رہا تھا کہ انہیں زیادہ خوشی ہے۔ حالانکہ سب ہی کو بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ ہشام اور حور جبیں کو بھی بہت خوشی ہوئی تھی۔ مگر وہ دونوں اپنی بڑھتی ہوئی خوشی کو شرم کے پردہ میں چھپائے ہوئے تھے خصوصاً حور جبیں بہت شرمانے لگی تھی۔ خالدہ اور نجمہ کے سامنے جاتے حجاب آتا تھا اور ہشام کو تو دیکھتے ہی محجوب ہو کر کترا جاتی تھی۔

خالدہ کو اپنی اس شوخ حور سے ایسی ہی محبت ہو گئی تھی جیسی سلطانہ سے تھی اگر وہ اسے تھوڑی دیر بھی نہ دیکھتیں تو بے چین ہو جاتیں۔ جب حور جبیں ان سے شرمانے لگیں اور ان کے پاس کم آنے جانے لگی تو وہ خود اس کے پاس چلی جاتیں۔ وہ بڑی بڑی دلفریب آنکھیں اٹھا کر حسین نگاہوں سے انہیں دیکھتی اور شرم کی گڑیا بن کر رہ جاتی۔

ایک روز خالدہ نے اس سے کہا "بھئی تم یہ مجھ سے کیوں شرمانے لگیں مجھے تو تم اپنی امی سمجھو۔ میرے پاس آجاؤ۔ جاؤ بلبل کی طرح چہکو۔"

اس نے شوخی سے ان کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کی جرات کی مگر حیا نے اس کی نظریں جھکا دیں۔ اور شرم نے بولنے کی اجازت نہ دی۔

خالدہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ انہوں نے کہا "ہنسو۔ حور جبیں۔ آج میں ہنسا کر رہوں گی" اس نے اور شرم سے سر جھکا لیا۔ خالدہ نے اس کی نازک ٹھوڑی ہاتھ میں پکڑ کر اونچی کی۔ اور کہا "یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھ سے شرماؤ۔ ہنسو"

حور جبیں مسکرائی۔ خالدہ نے کہا باتیں کرو۔ یہ کیا کہ شرما کر چپ ہو گئیں

حور جبیں۔ کیا باتیں کروں؟

خالدہ۔ پہلے بھی بہت کچھ باتیں کرتی تھیں۔

حور جبیں۔ یوں ہی واہی تباہی بک لیا کرتی تھی۔

خالدہ۔ اچھا یہ بتاؤ تم ہمارے ساتھ چلو گی؟

حور جبیں۔ موصل

حور جبیں۔ امی بھی چلیں گی؟

خالدہ۔ ہاں بھی بھی چلیں گی۔

حور جبیں۔ میں بھی چلوں گی۔

خالدہ۔ اور اگر وہ نہ چلیں

حور جبیں۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو میں پھر چلوں گی

خالدہ۔ شاباس' اچھا اب تو شرمائے گی تو نہیں ہم سے

حور جبیں۔ نہیں

خالدہ۔ ہاں۔ بیٹی بھی اپنی امی سے شرمایا کرتی ہے۔

اس زور سے حور جبیں کا حجاب کم ہو گیا اور وہ پھر پہلے کی طرح نجمہ اور خالدہ کے پاس آنے جانے لگی۔ ایک روز وہ کسی ضروری کام سے اس طرف جا نکلی جس طرف ہشام کا کمرہ تھا۔ ہشام اپنے کمرہ میں موجود تھے اس نے دیکھا۔ بے خیال میں وہ کمرے کے اندر گھس گئی۔ ہشام اس رشک قمر کو دیکھ کر پہلے تو کچھ مبہوت رہ گئے پھر سنبھلے اور بولے "یہ تمہاری تاک جھانک کی کیا عادت ہے؟"

حور جبیں اپنے خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔۔ وہ ہشام کی آوازیں سن کر چونکی اب جو اس نے دیکھا تو وہ ہشام کے کمرے میں تھی۔ دراصل وہ کسی اور کمرہ میں جانا چاہتی تھی۔ آنکلی ان کے کمرے میں۔ اس نے کہا "یہ میں کہاں آگئی"

ہشام نے جلدی سے کہا "جہاں آنا چاہتی تھی"

اس نے ذرا تیز نظروں سے دیکھ کر کہا "دا۔۔ درست ہیں"

ہشام پہلے تو تھے۔ مگر اب خدا ہی حافظ ہے۔

حور جبیں لوٹنے لگی۔ ہشام نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس طرح نہیں جا سکتیں"

وہ ان کی طرف سے منہ پھرا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ نہ بولی۔ ہشام نے کہا "اس طرف دیکھو ہماری طرف"

اس نے ان کی طرف اپنا رخ کیا اور کہا "چھوڑ دو مجھے"

ہشام۔ کیوں چھوڑ دیں۔

حور جبیں۔ کوئی آجائے گا۔

ہشام۔ آجانے دو۔ ہم کہہ دیں گے یہ روز ہمارے پاس آیا کرتی ہیں۔

حور جبیں۔ نے تیکھی چتون سے ان کی طرف دیکھ کر کہا "جانتے ہو کیا ہو گا"

ہشام نے ڈھٹائی سے کہا "جانتے ہیں کچھ بھی نہیں ہو گا" آخر تم ہماری منگیتر ہو"

حور جبیں شرم سے دوہری ہو گئی۔ اس کی ساری شوخی کوچ کر گئی۔

ہشام نے کہا۔ "ارے تم تو شرما گئیں۔ اچھا ہم چھوڑ دیں گے۔ ایک وعدہ کرو"

اس نے شرمیلی نظریں اٹھا کر، بھولی صورت سے ان کی طرف دیکھ کر کہا "کیا"

ہشام۔ دیکھو ایسی نظروں اور اس ادا سے نہ دیکھو۔ ورنہ ہم اپنے حواس میں نہ رہیں گے۔ یہ وعدہ کرو کہ موصل آؤ گی"

حور جبیں نے باہر کی طرف دیکھ کر گھبرائی ہوئی نظروں سے ہشام کو دیکھ کر کہا "اف وہ آگئیں خالہ جان"

ہشام نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ہنستی ہوئی وہاں سے زقند لگا کر بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ ہشام نے جھانک کر دیکھا۔ کوئی بھی نہ تھا۔ انہوں نے کہا "شریر جل دے گئی"

چونکہ نجمہ اور کمال کو آئے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ ہشام کی رخصت بھی ختم ہونے والی تھی۔ اس لئے اب انہوں نے اوصاف اور سلمٰی سے اجازت چاہی۔

اب تک ان کے دن بڑے مسرت اور شادمانی میں گذرے ایسے کہ دن گزرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے لیکن رخصت کا ذکر شروع ہوا تو سب ہی کچھ چونک گئے جیسے انہیں یہ خیال ہی نہ تھا کہ ان میں جدائی بھی ہونے والی ہے۔ سلمٰی نے کہا "واہ وا ابھی سے جانے کا نام لینے لگیں تم"

نجمہ۔ ہم تو اور ٹھہر جاتے لیکن ہشام کی رخصت ختم ہونے والی ہے عماد الدین زنگی ان سے بڑی محبت کرتے ہیں ان کا جانا ضروری ہے۔

سلمٰی۔ مگر انہیں اتنی تھوڑی رخصت دلا کر کیوں لائے۔ لمبی رخصت دلاتے۔ روز روز تو آنا جانا

ہوتا نہیں۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا "خدا نے چاہا تو اب جلدی آویں گے۔ تم نے شادی کی تاریخ بھیجی اور ہم آئے؟

سلمیٰ۔ تو کیا شادی سے پہلے نہ آؤ گی

نجمہ۔ کچھ دنوں کے لئے تم ہی پہلی آنا۔ اب وہ ابتدا ہو جائے گی۔

سلمیٰ۔ اچھا میں آؤں گی۔

اب نجمہ اور خالدہ نے تیاری شروع کر دی۔ جوں جوں۔ وہ تیاری کر رہے تھے سلمیٰ، حور جبیں اور اوصاف کو رنج ہوتا تھا۔ آخر تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ان کی روانگی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ اس سے اس محل میں جہاں ہر وقت قہقہے گونجتے رہتے تھے افسردگی چھا گئی۔

ہشام اس فکر میں تھے کہ کوچ سے پہلے ایک مرتبہ حور جبیں سے مل لیں۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ سلمیٰ، خالدہ اور نجمہ باغ میں گئی تھیں۔ کمال، اوصاف اور ضیغم الدین بھی ان کے ساتھ گئے تھے۔ حور جبیں نہ جا سکی تھی اور ہشام قصداً وہاں اس وقت ٹل گئے تھے جب وہ سب باغ میں جا رہے تھے ان کے جانے کے بعد وہ مکان میں آ گئے انہوں نے دور سے دیکھ لیا کہ حور جبیں شہ نشین میں کھڑی ہے نہ معلوم کس چیز کو دیکھنے میں کھوئی ہوئی ہے۔ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ اس کے حسین سر سے دوپٹہ سرک کر نیچے جا پڑا ہے اور اس کے گھونگریالے بال غضب ڈھا رہے ہیں۔

ہشام نے ادھر ادھر کنیزوں کو دیکھا۔ کچھ کنیزیں تو سلمیٰ کے ساتھ باغ میں گئیں تھیں۔ کچھ اپنے کاموں میں مصروف تھیں وہ دبے قدموں شہ نشین کی طرف چلے

حور جبیں بڑی جامہ زیب تھی۔ اس نے اس وقت پھولدار ریشم کی عبا اور شلوار پہن رکھی تھی جو اس کے جسم پر ہی بہت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ہشام چوروں کی طرح چل کر حور جبیں سے بالکل ہی پاس پہنچ گئے۔ اتفاق سے حور جبیں اسی وقت پلٹی۔ بے خیال میں اس سبب سے عارض ہشام کے منہ سے ٹکرا گئے اور وہ چونکی اور ہشام کی روح سی نکل گئی۔ حور جبیں نے نہیں دیکھا اور سخت غصہ میں بھر کر کہا "یہ کیا حرکت ہے"

واقعی حرکت نازیبا ہو گئی تھی۔ اگرچہ قصداً نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس پر بھی ان کا ضمیر انہیں ملامت کرنے لگا۔ انہوں نے کہا "حور جبیں، یقین جانو۔ یہ حرکت مجھ سے قصداً نہیں ہوئی۔ میرا اتنا قصور ضرور ہے کہ میں دبے قدموں تمہارے پاس آ رہا تھا اور جوں ہی یہاں آیا تاکہ تمہیں ڈراؤں نہ اتم میری طرف پلٹ گئیں اور تمہارے عارض میرے منہ

سے ٹکرا گئے۔ معاف کر دو مجھے حور جبیں"

"حور جبیں غضب کی دیوی بن گئی تھی۔ اس نے کہا "دور ہٹ جاؤ میرے سامنے سے"

ہشام عرق عرق ہو گئے۔ انہوں نے کہا "واقعی میں اسی قابل ہوں، اطمینان رکھو۔ اب میری صورت کبھی نہ دیکھو گی"

یہ کہتے ہوئے وہ چل پڑے۔ حور جبیں ہول گئی۔ وہ خوب جانتی تھی کہ وہ جو کہہ دیتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ اسے خود بھی اس بات کا احساس ہو گیا کہ انہوں نے یہ حرکت قصداً نہیں کی ہے۔ اتفاقاً ایسا ہو گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "اچھا سنو"

ہشام شرمندہ تھے۔ وہ لوٹ آئے مگر ندامت سے ان کی آنکھیں نہیں اٹھتی تھیں۔ انہوں نے کہا "مجرم حاضر ہے"

حور جبیں۔ تمہاری یہ حرکت معاف کر دی گئی

ہشام۔ شکریہ

حور جبیں۔ کیا کہنے آئے تھے تم؟

ہشام۔ اب نہ کہہ سکوں گا

حور جبیں انہیں حسیں نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ سر جھکائے کھڑے تھے اس نے کہا "نہیں، کہو۔"

ہشام۔ میں اس قدر شرمندہ ہوں کہ نہیں کہہ سکتا۔ ایک درخواست ہے۔ اس حرکت سے خفا ہو کر میری زندگی کے ساتھ دشمنی نہ کرنا۔

حور جبیں اس کا کیا جواب دیتی۔ چپ رہ گئی۔ ہشام وہاں سے چلے آئے۔ اس واقعہ کے تیسرے روز یہ لوگ یعنی کمال، ضیغم الدین، ہشام، خالدہ اور نجمہ سب موصل کی طرف روانہ ہو گئے۔

.......☆☆☆.......

باب ۵۴

ضیغم الدین زنگی کے دربار میں

یہ قافلہ جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس ہوا۔ اور موصل جا پہنچا۔ کئی روز تک آرام کر کے راستہ کا کسل دور ہوا۔

کمال کا مکان بھی کافی وسیع تھا۔ نہایت شاندار اور بڑا فراخ محل تھا۔ اس میں کئی خاندان بافراغت رہ سکتے تھے۔ اگر ضیغم الدین علیحدہ ٹھیرنا چاہتے تھے لیکن کمال نے اصرار کر کے انہیں اپنے محل میں ہی ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ وہ وہیں رہنے لگے۔

خالدہ نے ہشام کا مال غنیمت اور ان کی جاگیر کی آمدنی ضیغم الدین کے سامنے رکھ دی وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا "مگر خالدہ! سب کچھ تم نے کیوں لے لیا یہ حصہ تو کمال اور نجمہ کا ہے۔"

خالدہ۔ میں نے تو بہت دینا چاہا۔ ہر چند اصرار کیا لیکن وہ لینے پر کسی طرح رضامند نہ ہوئی۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو کہنے لگے اچھا میں نے قبول کر لیا۔ مگر تم میری بڑی بہن ہو۔ چھوٹی بہن کا تحفہ قبول کرو" مجبوراً مجھے لینا پڑا۔

ضیغم الدین نے تمسخرانہ انداز میں کہا "مگر تم ہی بڑی بہن کیوں بنیں۔ چھوٹی ہی بن جاتیں۔

خالدہ نے ہنس کر کہا "اگر میں چھوٹی بہن بنتی تب وہ کہہ بیٹھتی کہ بڑی بہن کا حکم مانو اسے میری طرف سے قبول کرو"

ضیغم الدین۔ حقیقت یہ ہے کہ کمال اور نجمہ دونوں ہی بڑے نیک اور رحمدل ہیں۔ خدا انہیں خوش رکھے۔ ان کی بدولت ہمارا خاندان پھر ایک جگہ ہو گیا۔

خالدہ نے افسردہ ہو کر کہا۔ "ہاں! خدا کا شکر ہے۔ مگر ابھی میری سلطانہ نہیں ملی ہے"

ضیغم الدین۔ خدا پر نظر رکھو۔ شاید مل جائے۔ خدا نے مجھے صحت بھی عطا کر دی اور قوت بھی دے دی۔ اب میں کسی روز امیر ملت غاز عماد الدین زنگی کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں اعزاز پر لشکر کشی کی ترغیب دوں گا۔ تم کہتی ہو وہاں کا حاکم سلطانہ کو لے گیا تھا۔

خالدہ۔ یہ میں نہیں جانتی کہ وہ اعزاز کا حاکم ہے یا کوئی افسر تھا مگر اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ بدبخت اس بچی کو اعزاز ہی لے گیا ہے۔ مگر کیا اب تک وہ وہاں بیٹھا ہو گا۔

ضیغم الدین۔ اگر اعزاز فتح ہو جائے تو یقین ہے اس کا کچھ سراغ چل جائے گا۔

خالدہ۔ میرا دل کہتا ہے کہ یا تو ظالموں نے اسے مار ڈالا ہو گا۔ یا عیسائی بنا لیا ہو گا۔ وہ آٹھ نو برسوں کی تھی جب ہم سے بچھڑ گئی تھی اب اگر وہ زندہ ہو گی تو ماشاء اللہ جوان ہو گئی ہو گی ہمیں کیا پہچانے گی۔

ضیغم الدین۔ مگر ہم تو اسے پہچان لیں گے۔ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی پر شگاف آیا تھا یہی شناخت اس کے پہچاننے کے لئے کافی ہے۔

خالدہ۔ سب سے بڑھ کر شناخت ماں کی مامتا ہوتی ہے۔

ضیغم الدین نے مسکرا کر کہا۔ "ارے ہاں یہ بات تو میں بھول ہی گیا تھا۔ واقعی اپنی اولاد کو دیکھ کر سینے میں ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔"

خالدہ نے دلفریب نگاہوں سے انہیں دیکھ کر کہا "تمہیں یقین نہیں آتا لیکن اگر تم نے دودھ پلایا ہوتا تو جانتے"

اس وقت ہشام آ گئے۔ انہوں نے کہا۔ "ابا جان! امیر نے مجھے یاد کیا ہے"

ضیغم الدین۔ بہت اچھا ہوا بیٹا۔ میں بھی امیر سے ملنا چاہتا ہوں۔

ہشام۔ تو چلئے پھر۔

ضیغم الدین تیار ہوئے۔ ہشام نے درباری لباس پہنا۔ دونوں محل سے باہر آئے۔ یہاں سو سواران کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ہشام اور ضیغم الدین گھوڑوں پر سوار ہو کر سواروں کے ساتھ چلے۔ قصر شاہی پر پہنچے۔ اول ہشام اندر گئے۔

اس محل کے کئی حصے تھے۔ پہلا حصہ مردانہ تھا۔ اس میں کئی شاندار عمارتیں تھیں دوسرے حصے میں غلام رہتے تھے۔ تیسرے میں خواجہ سرا۔ چوتھے میں کنیزیں۔ باقی تین حصوں میں زنانخانہ

غلاموں نے ہشام کو غازی عماد الدین زنگی کے حضور میں پہنچایا۔ ہشام نے امیر کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ زنگی نے سلام لے کر انہیں اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ان کے پاس جا بیٹھے۔

زنگی نے کہا "برخودار نے حلب میں بہت زیادہ وقت گذارا۔ ایسی وہاں کیا دلچسپی تھی۔"

ہشام۔ اعلیٰ حضرت' وہاں میرے والد تھے۔ اوصاف الدین نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ القرامامے ایک شخص آئے ہیں۔ ہم لوگ وہاں گئے۔ وہ میرے والد تھے۔

زنگی۔ کون ضیغم الدین؟

ہشام۔ جی ہاں اعلیحضرت۔ وہ امیر کے سلام کو حاضر ہوئے ہیں۔

زنگی۔ بلاؤ انہیں۔

ہشام اٹھنے لگے۔ زنگی نے کہا "تم نہ جاؤ"

غلام چلا گیا۔ عماد الدین زنگی' ہشام سے باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ضیغم الدین حاضر ہوئے اور انہوں نے امیر کو سلام کیا۔ امیر نے سلام کا جواب دیا۔ انہیں ہشام کے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور ان سے حالات دریافت کیا۔ انہوں نے اپنے تمام حالات بیان کیے۔ عماد الدین سنتے جاتے تھے اور ان کے دل پر اثر ہوتا جاتا تھا۔ جب ضیغم الدین سب کچھ سنا چکے تب عماد الدین نے کہا "عیسائیوں نے بڑی سفاکیاں اور مظالم کیے ہیں افسوس یہ ہے کہ مسلمان فرمانرواؤں کو اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ عیسائی مسلمانوں کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں۔ اسی لئے وہ آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ ہمیں بھی مسلمانوں کی خانہ جنگی نے الجھائے رکھا۔ ورنہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ عیسائیوں سے اغراز' انطاکیہ اور بیت المقدس چھین لیں اور یورپ کی طرف دھکیل دیں"

ضیغم الدین۔ اس وقت سب کی نظریں اعلیٰ حضرت کی طرف لگی ہوئی ہیں بالڈون کی شکست نے عیسائیوں میں ہلچل مچادی تھی اور اشرب کی فتح نے انہیں سراسیمہ کر دیا تھا۔ وہ وقت اغراز پر حملہ کرنے کا نہایت ہی مناسب تھا۔ لیکن مسلمانو بدقسمتی ہے وہ زمانہ مسلمان فرمارواؤں کی خانہ جنگی کی نذر ہو گیا۔ اشرب میں جو مسلمان قید تھے اور وہ رہا ہو کر اپنے اپنے گھر پہنچے۔ وہ اور ان کے عزیز رات دن ظل اللہ کو دعائیں دیتے ہیں۔ میری بیوی یعنی ہشام کی والدہ بھی وہیں قید ہیں۔ میں ہشام تو اعلحضرت کے بہت دعاگو ہیں"

زنگی۔ ہمیں ہشام نے سب کچھ سنا دیا تھا یہ بچہ بڑا ہی ہونہار اور اقبال مند ہے خدا کا شکر ہے تم سب مل گئے۔

ضیغم الدین۔ ہاں خدا نے بڑا کرم کیا۔ ظل اللہ نے ہشام پر جو الطاف شاہانہ روا رکھے ہیں ان کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک درخواست ہے اعلیٰحضرت'

زنگی۔ کہو

ضیغم الدین۔ اعزاز میں بھی کچھ مسلمان ہیں۔ خود ہشام کی بہن سلطانہ کو کوئی عیسائی افسر وہاں لے گیا ہے ان کی رہائی کی طرف توجہ کیجئے۔

زنگی۔ میرا ارادہ اعزاز پر لشکر کشی کرنے کا ہے۔ دراصل اشرب کے نکل جانے کا عیسائیوں کو بڑا ملال ہے۔ اور اب وہ اعزاز میں جمع ہو کر مسلمانوں پر چھاپے مارنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس وقت اعزاز کا حکمراں جو سلن ثانی ہے۔ ہم نے اس کے پاس قاصد بھیجا ہے یا تو وہ ان عیسائیوں کو جو یورپ سے آئے ہیں اور صلیبی مجاہد کہلاتے ہیں اور مسلمانوں پر تاخت کرتے رہتے ہیں یورپ واپس بھیج دے ورنہ اعزاز پر لشکر کشی کی جائے گی۔ قاصد کی واپسی کا انتظار ہے۔ اگر جو سلن ثانی نے عیسائی لیٹروں کو واپس یورپ بھیج دیا تو خیر ورنہ انشاء اللہ اس پر چڑھائی کی جائے گی۔

ضیغم الدین۔ میں بھی فوجی خدمات انجام دینا چاہتا ہوں۔

زنگی۔ بھرتی کا دروازہ سب پر کھلا ہوا ہے ہمیں بہادر اور تجربہ کار لوگوں کی ہر وقت ضرورت ہے۔ تم وزیر جنگ کے پاس چلے جاؤ۔ وہ تمہیں بھرتی کر لیں گے۔

ہشام نے غازی عماد الدین زنگی سے عرض کیا۔ لیکن اعلیٰحضرت میرے والد عام سپاہیوں میں کیسے بھرتی ہو سکتے ہیں۔

عماد الدین نے مسکرا کر ہشام سے کہا "تم کیا چاہتے ہو"

ہشام۔ میری یہ درخواست ہے کہ اعلیٰحضرت کوئی عہدہ عطا کریں۔

زنگی۔ ہم تمہاری درخواست منظور کرتے ہیں۔ ضیغم الدین کو پانصدی عہدہ کیا جاتا ہے۔

ہشام اور ضیغم الدین دونوں خوش ہو گئے۔ دونوں نے زنگی کا شکریہ ادا کیا زنگی نے ضیغم الدین کو خلعت عطا کیا۔ ہشام اور ضیغم الدین دونوں وہاں سے خوش خوش اٹھ کر چلے آئے۔

..........☆☆☆..........

باب ۵۵

اسلامی لشکر کی روانگی

اغراز یعنی اڈیسہ پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ اور جو سلن ثانی وہاں کا فرماں روا تھا جب سے عماد الدین زنگی نے اشرب فتح کیا تھا اس وقت سے عیسائیوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اشرب واپس لینے کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن ایشیا میں جو عیسائی تھے انہیں یہ جرات نہیں ہوئی کہ عماد الدین زنگی کے مقابلہ میں آ جاتے۔ انہوں نے یورپ سے مدد طلب کی۔ یورپ کے عیسائی مدد بھیجنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ مدد رومی حکومت میں سے قسطنطنیہ ہو کر آ سکتی تھی اس وقت رومن عیسائیوں کا قسطنطنیہ پر قبضہ تھا اور وہ عیسائی مجاہدوں سے اس لئے ناراض تھے کہ پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر جب ٹڈی دل عیسائی یورپ سے سمٹ کر ایشیا کی طرف چلے اور قسطنطنیہ میں آئے تو انہوں نے بڑی بے ہودگیاں کی تھیں۔ وہاں کے عیسائیوں کو لوٹنے مارنے لگے اور حسین و پری جمال عورتوں کو زبردستی اٹھا کر لے گئے اور ان کی آبرو ریزی کی۔ اسوجہ سے قیصر روم ان برگشتہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اس قسم کے اوباش عیسائیوں کو اپنے علاقہ سے گذرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

مگر پوپ روم نے بہت کچھ کہہ سن کر قیصر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ تھوڑی فوجیں اپنے علاقہ سے گذرنے دے۔ چنانچہ وہ رضامند ہو گیا۔ اور یورپ سے عیسائی مجاہد آنے لگے۔ ان میں سے کچھ لوگ اغراز میں بھی پہنچ گئے تھے اور وہ اسلامی بستیوں پر ڈاکے ڈالنے اور لوٹ مار کرنے لگے تھے۔ ان ہی لوگوں کو اغراز سے واپس بھیجنے کیلئے عماد الدین زنگی نے جو سلن ثانی کو لکھا تھا۔ لیکن اس نے ان کے کہنے سننے کی کچھ پرواہ نہیں کی اور اس قاصد کو واپس کر دیا۔

جو سلن ثانی کو یہ خوف ہو گیا کہ کہیں عماد الدین زنگی اس پر یورش نہ کر دیں اس لئے اس نے انطاکیہ اور بیت المقدس کے عیسائی بادشاہوں سے مدد طلب کی۔ انہوں نے مدد کا وعدہ کر لیا۔

عماد الدین زنگی کو اول تو یہی بات ناگوار گذری کہ جو سلن ثانی نے ان کے کہنے پر عمل نہیں

کیا۔ اس کے علاوہ جب انہوں نے سنا کہ اس نے انطاکیہ اور بیت المقدس سے مدد طلب کی ہے تو انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں جو سلن ان پر ہی حملہ نہ کر دے۔ اس لئے انہوں نے اعزاز پر لشکر کشی کا اعلان کر دیا۔

ایک دفعہ پھر مسلمانوں میں جوش و حمیت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں جوش بھی تھا۔ اور وہ جہاد کے لئے بھی تیار تھے۔ مگر مسلمان فرماں روا خانہ جنگی میں مصروف تھے۔ وہ ان سے صحیح کام نہ لیتے تھے۔

عماد الدین زنگی نے بھرتی کا کام شروع کر دیا۔ مسلمان جوق در جوق آنے اور بھرتے ہونے لگے۔ آخر ۵۲۳ھ میں زنگی نے کوچ کا اعلان کیا۔ فوجیں شہر سے باہر جا کر فروکش ہو گئیں۔ کمال اور ضیغم الدین بھی اپنے اپنے دوستوں کے ساتھ باہر جا کر ٹھہرے۔ ہشام نے جس وقت روانگی کی تیاری کی تو خالدہ اور نجمہ نے انہیں مل کر زرہ پہنائی اور ہتھیار لگائے۔ ہشام نے اول نجمہ اور پھر خالدہ کو سلام کیا۔ دونوں نے انہیں دعائیں دیں۔

نجمہ نے کہا "بیٹا پہلے تم اپنی امی جان کو سلام کیا کرو"۔

خالدہ نے مسکرا کر کہا "کیوں، تم میں اور مجھ میں فرق کیا ہے۔ ہم دونوں ہی ان کی امی ہیں"۔

نجمہ: ایک فرق ہے تم نے مجھے اپنی چھوٹی بہن مانا ہے۔ تمہارا رتبہ مجھ سے زیادہ ہے۔

خالدہ: یہ تمہاری مہربانی ہے نجمہ کہ تم نے مجھے بڑی بہن بنا لیا۔ لیکن ہشام پر تمہارا حق زیادہ ہے اس لئے انہیں اول تمہیں ہی سلام کرنا چاہئے اور ہر بات میں پہلے تم سے ہی مشورہ کرنا چاہئے۔

نجمہ: تم اپنی مہربانی سے میرا حق فائق بتاتی ہو۔ مگر دنیا اس بات کو نہیں مان سکتی اس لئے کہ ہشام تمہارے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ تم ان کی اصل ماں ہو۔

خالدہ: وہ ماں جو ڈر کر اپنے بچوں کو دشمنوں کی تلواروں میں اور موت کے منہ میں چھوڑ آئی۔ میرا حق اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔ قدرت نے انہیں بچایا۔ تم نے انہیں سہارا دیا۔ تمہارا حق بڑھ گیا ہے۔

نجمہ: خیر ہمیں اس وقت اس حق پر بحث نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں مجھے ایک بات ضرور کہنی ہے وہ یہ کہ ہم نے ایک چھوٹا سا سنہرا سنسار بنا لیا ہے اسے بنا رہنے دینا۔ میں نے ہشام کو ہی اپنا سب کچھ سمجھا

خالدہ: نجمہ انشاء اللہ ہشام تمہارے ہی رہیں گے۔ مجھے تو یہ اطمینان ہے اور رہے گا وہ میرے بیٹے ہیں۔

نجمہ: تمہارا شکریہ۔

خالدہ: تم میرا شکریہ ادا نہ کیا کرو نجمہ۔

ان دونوں میں یہ بحث ہو رہی تھی اور ہشام کھڑے سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا "خل اللہ' روانہ ہونے والے ہیں۔ مجھے یہاں دیر ہو رہی ہے۔ اجازت دو کہ جہاد پر جاؤں"۔

اگر اس وقت کے زمانہ میں ایسا ہوتا کہ کسی کا بیٹا جہاد پر جانے کی اجازت مانگتا تو شاید ماں کا دل بھر آتا اور وہ کبھی دل سے اجازت نہ دیتی۔ مگر وہ' وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان سنبھل گئے تھے اور اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ جہاد ہی سے مسلمانوں کی عزت ہے جہاد ہی سے دنیا میں سرخروئی اور عقبیٰ میں جنت ملتی ہے۔ جہاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت کی مائیں اپنے بچوں کو ہنسی خوشی سے جہاد پر بھیجا کرتی تھیں۔

چنانچہ نجمہ اور خالدہ نے بھی ہشام کو اپنے ہاتھوں سے وردی پہنائی تھی۔ ہتھیار لگائے تھے۔ اگرچہ انہیں ان سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ ان کی جدائی کو بڑی مصیبت اور تکلیف سمجھتی تھیں لیکن جہاد پر بھیجنے کے لئے انہیں بنا سنوار رہی تھیں۔ چنانچہ نجمہ نے کہا "بیٹا! شوق سے جاؤ۔ یہ سمجھ کر کہ تم اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے بغیر کسی طمع کے جا رہے ہو۔ خدا تمہاری مدد کرے"۔

انہوں نے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ خالدہ نے ان سے کہا "جاؤ میرے لعل۔ میں نے تمہیں خدا کو سونپا۔ تمہارے دل میں ناموری اور شہرت حاصل کرنے کا خیال نہیں پیدا ہونا چاہئے۔ کوئی لالچ نہیں ہونا چاہئے صرف مذہب کا خیال' خدا کا خیال۔ مذہب اور خدا کے لئے جہاد کرنے کا خیال ہونا چاہئے آج تم خدا سے معاملہ کر رہے ہو۔ اس کے حکم کے بموجب اس کے ہاتھ اپنی زندگی بیچ رہے ہو اس لئے کہ اگر شہید ہو جاؤ تو جنت کے دروازے تم پر کھل جائیں۔ خدا تم پر اپنے بے پناہ لطف و کرم کی بارش کرے۔ یہ سمجھنا کہ خدا تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے جہاد میں سستی اور کم ہمتی نہ کرنا۔ اس سے جہاد کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ نماز سے غافل نہ ہونا اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔ خدا کے رسول کا حکم ہے مظلوموں پر تلوار نہ اٹھانا۔ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ بچوں کو بچانا۔ میں کیا تمہیں نصیحت کروں۔ تم خود سمجھ دار اور

ہوشیار ہو خدا کا نام لو اور سدھارو"۔

انہوں نے بھی ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ ہشام وہاں سے چلے۔ نجمہ اور خالدہ ان کے ساتھ چلیں۔ کنیزوں کی پلٹن ان دونوں کے پیچھے چلی۔ کنیزیں کچھ آزردہ تھیں۔ انہیں ہشام کی جدائی بڑی شاق معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن نجمہ اور خالدہ کے دل میں کچھ بھی ہو۔ مگر ان کے چہرے بشاش اور روشن تھے۔ وہ ڈیوڑھی کے پہلے دروازہ تک ان کے ساتھ گئیں۔ ہشام نے ان دونوں کو یہاں پھر سلام کیا۔ اور آگے بڑھ کر ڈیوڑھیوں کو طے کر کے باہر نکلے۔ یہاں کچھ سوار ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔ وہ ان کے ساتھ روانہ ہوئے اور شاہی محل پر پہنچے۔

شاہی محل کے سامنے شاہی رسالہ اپنی فوق البھڑک وردی پہنے اور اعلیٰ قسم کے ہتھیار لگائے بڑی شان سے کھڑا تھا۔ ہشام بھی ایک صف میں اپنے سواروں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

اسی وقت نوبت بجی۔ قصر شاہی کے صدر دروازہ پر ایک بڑا نقارہ تھا۔ اس پر چوٹ پڑی۔ نقارہ کی آواز نے منادی کر دی کہ غازی عماد الدین زنگی محل سے برآمد ہو رہے ہیں۔

تمام سوار ہوشیار ہو گئے۔ افسروں کی نگاہیں دروازہ کی طرف لگ گئیں۔ نقارہ اس زور سے بج رہا تھا کہ کئی کئی میل تک اس آواز پہنچ رہی تھی۔ تمام شہر اس آواز سے گونج رہا تھا۔ موصل کے مسلمان اپنے ہر دلعزیز والی یا امیر کو رخصت کرنے کے لئے دوڑ آئے اور ان سے راستے بھر گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں عماد الدین زنگی فوجی وردی پہنے محل سے برآمد ہوئے انہیں دیکھتے ہی تمام افسروں اور سواروں نے انہیں سلامی دی۔ انہوں نے سلامی لی اور سواروں کے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔ علمبردار ان کے پیچھے آ گئے۔ اسلامی علم لہرانے لگا۔

عماد الدین زنگی نے کہا "اللہ اکبر" تمام سواروں نے اس مبارک نعرہ کی تکرار کی۔ اور چار چار کی قطاروں میں سواروں نے کوچ کیا۔ جب یہ شاہانہ جلوس بازاروں اور موصل کی عام گذرگاہوں میں سے گذرا تو عام مسلمانوں نے نعرے لگائے "اللہ اکبر" "اسلام زندہ باد" "عماد الدین زنگی زندہ باد" "امیر اسلام کی عمر دراز"۔

جوں جوں جلوس بڑھتا جاتا تھا ہجوم بھی زیادہ ہوتا جاتا تھا اور نعروں کی آواز کا شور بھی بڑھتا جاتا تھا۔

عماد الدین زنگی مسلمانوں کا خلوص اور ان کی محبت دیکھ کر خوش ہو رہے تھے جلوس موصل سے گذر کر باہر پہنچا اور اس میدان میں آیا۔ جہاں تمام لشکر کوچ کے لئے تیار کھڑا تھا۔

رسد، جنگی سامان اور خیمے وغیرہ پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے۔ زنگی بڑھ کر لشکر کے بیچ میں پہنچ گئے۔ اور انہوں نے لشکر کو روانگی کا اشارہ کیا۔ تمام سپاہیوں نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اسلامی فوجی روانہ ہوئیں۔ جو مسلمان اس لشکر کو رخصت کرنے آئے تھے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر فتح یابی کی دعا مانگی۔ جب تمام لشکر روانہ ہو گیا اور گرد و غبار نے اس لشکر کو اپنے دامن میں چھپا لیا تب مسلمان واپس لوٹے۔

........☆☆☆........

باب ۵۶

عیسائیوں کی ہزیمت

ہشام کے چلے جانے سے نجمہ اور خالدہ کو ایسا معلوم ہوا جیسے محل خالی ہو گیا ہو اور اس کی رونق جاتی رہی ہو۔ وہ دونوں خوش رہنے کی کوشش کرتیں لیکن دل کچھ بجھا سا رہتا تھا۔ ہشام کی یاد ستاتی رہتی تھی۔ جنگ میں دونوں ہی صورتیں تو ممکن ہیں۔ فتح بھی اور شکست بھی۔ غازی بن کر واپس بھی اور شہادت بھی۔

وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ ضیغم الدین اور کمال بھی گئے تھے۔ ان کی اور ہشام کی سب کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ انہوں نے حلب بھی قاصد بھیج دیا تھا اور سلمٰی اور اوصاف کو بھی ہشام کے جہاد پر جانے کی اطلاع دے دی تھی۔

یہ قاصد حلب پہنچ گیا تھا۔ سلمٰی اور اوصاف کو ہشام کے جہاد پر جانے سے خوشی ہوئی مگر جب اسے یاد آیا کہ جب وہ حلب سے جانے والے تھے اور اتفاقیہ ان کے منہ سے اس کے گال ٹکرا گئے تھے اور اس نے انہیں ڈانٹا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ”اب تم میری صورت کبھی نہ دیکھو گی“ اس کے نازک دل پر مکا سا لگا۔ اسے خوف ہوا کہیں وہ بات انہیں یاد نہ ہو۔ اور وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کر کے دشمنوں کے نرغوں میں نہ گھس جائیں۔ وہ کچھ بے چین ہو گئی۔ وہ بھی ہر نماز کے وقت دل سے ان کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ کبھی کبھی دعا مانگتے اس کا دل بھر آتا اور وہ رونے بھی لگتی۔ سلمٰی بھی ان کے لئے دعائے خیر کیا کرتی تھیں۔

عماد الدین زنگی کی لشکر کشی کی خبر پھر اسلامی دنیا میں پھیل گئی۔ مصر اور بغداد میں پھر چرچے ہونے لگے اور پھر مسلمانوں کی نظریں ان کی طرف لگ گئیں۔ ان کے اغراز پر حملہ آور ہونے کا یہ اثر بھی ہوا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگیاں بند ہو گئیں لیکن یہ توفیق کسی فرماں روا کو نہ ہوئی کہ ان کی مدد کرتا۔ البتہ عباسی خلیفہ نے بغداد میں یہ حکم دیدیا کہ مسلمان مسجدوں میں زنگی کی فتح یابی کی دعائیں مانگا کریں۔[1]

---

[1] از تاریخ عالم اسلام جلد سوم ۶۵۶۔

اعزاز (اڈیسہ) میں بھی غازی عماد الدین زنگی کی حملہ آوری کی اطلاع ہو گئی جو سلن ثانی بہت گھبرایا۔ اس نے انطاکیہ اور بیت المقدس کے عیسائی بادشاہوں کے پاس مدد کے لئے قاصد دوڑائے۔ بالڈون ثانی کو پچھلی لڑائی میں یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ زنگی سے لڑنا کھیل نہیں ہے اس لئے وہ خود تو نہیں آیا۔ البتہ اس نے فوج اعزاز کو بچانے کے لئے بھیج دی۔ انطاکیہ سے بھی مدد آ گئی۔

اعزاز پر قبضہ رکھنا عیسائیوں کے لئے اس لئے ضروری تھا کہ اس کی وجہ سے انطاکیہ اور بیت المقدس کی حکومتیں محفوظ تھیں۔ عیسائی اس بات کو خوب جانتے تھے کہ اگر اعزاز پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو انطاکیہ اور بیت المقدس خطرہ میں پڑ جائیں گے اس لئے عماد الدین زنگی کی اعزاز پر لشکر کشی کی خبر سن کر تمام عیسائیوں میں عام کھلبلی مچ گئی[1] اور وہ اسے بچانے کے لئے دوڑ پڑے۔

عماد الدین زنگی کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی کہ عیسائی فوجیں اعزاز کو بچانے کے لئے بڑے جوش و خروش سے جمع ہو رہی ہیں۔ جاسوسوں نے عیسائیوں کے لشکر کی جو تعداد بتائی تھی اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ستر ہزار سے کم نہیں ہے۔ عماد الدین کے ساتھ کل پندرہ ہزار مجاہدین تھے گویا ایک مسلمان کے مقابلہ میں پانچ عیسائی تھے۔ لیکن نہ عماد الدین پر دشمنوں کی کثرت کا کوئی اثر ہوا۔ نہ مجاہدوں پر وہ برابر اعزاز کی طرف بڑھتے رہے۔

اعزاز میں عیسائیوں کا کافی لشکر موجود تھا اتنا زیادہ کہ انطاکیہ اور بیت المقدس سے جو فوجیں آئی تھیں ان کی گنجائش قلعہ میں نہیں تھی۔ وہ قلعہ کے باہر فروکش تھیں۔

ان فوجوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ غازی عماد الدین زنگی طوفان کیطرح بڑھ رہے ہیں باوجود کہ ان عیسائیوں میں کافی جوش تھا لیکن ان پر کچھ مسلمانوں کی ہیبت سی طاری ہوتی جاتی تھی۔

آخر عماد الدین زنگی اعزاز کے سامنے پہنچ گئے مسلمانوں نے اس تمام میدان کو ڈھک لیا جو اعزاز کے اس طرف تھا۔ مسلمان اس میدان میں فروکش ہو گئے۔ عیسائی اعزاز کے تین طرف پھیلے ہوئے تھے مگر جب عماد الدین زنگی وہاں آ گئے تو وہ بھی سمٹ کر ایک ہی طرف آ گئے۔

جس روز زنگی وہاں آئے اس سے اگلے دن عیسائی مسلح ہو کر میدان میں نکلے اور صف بستہ ہو گئے۔ انہوں نے میمنہ اور میسرہ قائم کئے ان کا لشکر دور تک پھیل گیا۔ زنگی نے بھی اپنی فوجیں میدان میں جا اتاریں۔ انہوں نے بھی میمنہ اور میسرہ اور قلب قائم کئے۔ میسرہ میں کمال اور ضیغم الدین، میمنہ میں مسعود اور احمد رفیع، قلب کے اگلے حصہ میں شمس الدین اور ہشام اور پچھلے حصہ

---

[1] ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اعزاز کو بچانے کے لئے انطاکیہ اور بیت المقدس سے بڑے بڑے کر آئے تھے عماد الدین کے لشکر کشی کی خبر سے عیسائیوں میں بڑی کھلبلی مچ گئی (صادق)

رکنے نہ دیا۔ وہ پسپا ہونے لگے اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اور بھی تیزی سے حملہ کر دیا۔ عیسائی جم نہ سکے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹے۔ عماد الدین زنگی نے آخری ضرب لگائی۔ ان کے ساتھیوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا، بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائی خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ انہوں نے یہ کوشش کی کہ یہ بھگوڑے عیسائی قلعہ میں نہ گھسنے پائیں وہ ان عیسائیوں اور قلعہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ عیسائی ایسے ڈر گئے تھے کہ وہ انطاکیہ کی طرف بڑی بے اوسانی سے بھاگے اس طرح عماد الدین زنگی نے عیسائیوں کے متحدہ لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا۔

........☆☆☆........

باب ۵۷

اغراز کی فتح

مسلمانوں نے عیسائیوں کے کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مسلمانوں کو اس فتح کی جس قدر خوشی ہوئی تھی اغراز کے عیسائیوں کو اسی قدر ملال ہوا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہیں تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اور انطاکیہ اور بیت المقدس کی فوجیں ہی زنگی کو ہزیمت دے کر بھگا دیں گی۔ ان کی شکست سے وہ دل شکستہ ہو گئے۔ لیکن اب بھی انہیں یہ اطمینان تھا کہ اغراز کا قلعہ نہایت ہی مضبوط اور فراخ تھا۔ اس پر آسانی سے مسلمانوں کی دسترس نہیں ہو سکتی تھی اس کے علاوہ قلعہ میں زنگی سے زیادہ فوج بھی موجود تھی۔

زنگی نے فتح کے دوسرے روز قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور پندرہ روز تک ایسا سخت محاصرہ رکھا کہ پرندتک کو اڑ کر قلعہ کی طرف نہیں جانے دیا۔ اس سے عیسائی تنگ آ گئے۔ ان کے پاس رسد ختم ہونے لگی۔ ضروریات زندگی کی چیزیں نایاب ہو گئیں۔ زنگی کا اس سخت محاصرہ سے یہ مطلب تھا کہ عیسائی تنگ آ کر میدان میں نکل آئیں۔ لیکن انہیں ایسی جرات نہ ہوئی۔

مجبور ہو کر سولہویں روز زنگی نے قلعہ پر یورش کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے ہلہ بول دیا۔ عیسائی فصیل کے اوپر بڑے بڑے پتھر، سنگ ریزے اور پتھر برسانے لگے۔ مسلمانوں نے ہر چند زور لگایا کہ آگے بڑھیں لیکن عیسائیوں نے نہ بڑھنے دیا۔ دوپہر تک جنگ و پیکار کا بازار گرم رہا۔ جب کامیابی کی کوئی امید نہ دیکھی تو مسلمان واپس لوٹ آئے۔

اسی طرح کئی روز تک مسلمان دھاوے کرتے رہے لیکن عیسائی اس کثرت سے پتھر اور تیر برساتے تھے کہ مسلمان فصیل تک نہ پہنچ سکیں۔ روزانہ دوپہر تک لڑتے اور واپس لوٹ آتے۔ ان حملوں میں مسلمانوں ہی کا نقصان رہا۔ کچھ مجاہدین شہید ہوئے اور کچھ زخمی ہوئے۔

عماد الدین زنگی روزانہ حملہ کے وقت میدان میں نکل آتے تھے اور جنگ کا منظر دیکھتے تھے۔

مسلمانوں کو قتل اور زخمی ہوتے دیکھ کر انہیں جوش آجاتا تھا۔ مگر وہ ضبط کرتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اعزاز کا قلعہ نہایت وسیع بڑا بلند اور مضبوط ہے۔ مسلمان جوش میں آکر حملہ کرتے ہیں اور بڑی قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔ لیکن عیسائی انہیں روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ اس کثرت سے تیر اگنی اور سنگ اندازی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔

ایک روز صبح کی نماز پڑھ کر غازی عماد الدین زنگی نے کہا۔

"شیران اسلام' میں جانتا ہوں قلعہ مضبوط ہے۔ عیسائی سختی سے مقابلہ کر رہے ہیں لیکن مجاہدوں کو کوئی رکاوٹ نہیں روک سکتی۔ آج سروں پر کھیل جاؤ جانوں کی بازیاں لگا دو اپنی لاشیں بچھا دو اور قلعہ فتح کر لو"۔

مسلمانوں کے دلوں میں جوش و غضب کا طوفان اٹھ آیا۔ انہوں نے طے کر لیا کہ یا تو وہ خدا کی راہ میں مارے جائیں گے یا قلعہ فتح کر کے رہیں گے۔ وہ غازی زنگی کے حکم کا بڑا احترام کرتے تھے۔

چنانچہ مسلمان مسلح ہو کر صف بستہ ہوئے اور دو طرف سے قلعہ پر بڑھے آج انہوں نے یہ انتظام کر لیا کہ اگلی صف میں پیدل رکھے اور انہیں لمبی لمبی ڈھالیں دے دیں۔ تاکہ وہ ان کے سائے میں بڑھیں اور دو ڈھالوں کے بیچ میں ایک ایک تیر انداز رکھا۔ مسلمان بڑھے۔ عیسائیوں نے حسب معمول تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کی۔ مسلمانوں نے دونوں ہاتھوں سے ڈھالیں مضبوطی سے تھام لیں۔ تیر اور پتھر ڈھالوں پر آکر پڑنے لگے۔ مسلمان قدم قدم بڑھتے رہے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے تھے عیسائی تیر بازی اور سنگ اندازی بھی اسی شدت سے کرتے جاتے تھے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر چلاتے بھی رہے تھے لیکن مسلمان اس طرح بڑھ رہے تھے جیسے ان کے چلانے اور حربے پھینکنے کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ عیسائیوں کو مسلمانوں کی یہ جسارت دیکھ کر طیش بھی آ رہا تھا اور حیرت بھی ہو رہی تھی۔

جب مسلمان کافی بڑھ گئے تب ان کے تیر اندازوں نے نہایت قاعدہ اور ترتیب میں باڑھ ماری۔ ان میں سے کچھ تیر تو پتھر کے کنگروں سے ٹکرا کر گر پڑے۔ کچھ فصیل پر پہنچ کر عیسائیوں کے جسموں میں پیوست ہو گئے۔ بہت سے عیسائی تو فصیل پر اوندھے گرے اور کچھ فصیل سے نیچے گرے۔ وہ شور و فریاد کرنے لگے۔ مسلمانوں نے تیروں کی دوسری باڑھ ماری۔ اس سے بھی عیسائیوں کو کافی نقصان پہنچا۔ اس سے ان میں ابتری پھیل گئی اور ابتری پھیلنے کی وجہ سے ان کے

حملوں کی شدت میں بڑی حد تک کمی ہو گئی۔

مسلمانوں کو اس سے موقع مل گیا۔ سواروں کے رسالوں نے آگے بڑھنا شروع کیا سب سے آگے ہشام کا رسالہ چلا۔ اس رسالہ کے سواروں نے ڈھالیں سامنے کر دیں۔ اور گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر کے قلعہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

عیسائیوں نی دیکھا۔ انہوں نے پھر جمع ہو کر پھرتی اور کثرت سے تیر برسائے لیکن فوراً مسلمان پیادوں نے تیرباری کر کے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اس سے سواروں کو پھر موقعہ ملا اور وہ اور بھی تیزی سے دوڑنے لگے۔

چنانچہ یہ رسالہ فصیل کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے پاس ریشم کی دوڑیں تھیں جن میں سیڑھیاں بندھی ہوئی تھیں۔ سیڑھیاں بھی ریشم کی ڈوری کی ہی تھیں۔ کچھ سواروں نے گھوڑوں پر کھڑے ہو کر ڈوریں پھینکیں۔ ان میں سے کئی ڈوریں کنگوروں میں پھنس گئیں۔ فوراً کئی مسلمان ان سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ انہوں نے تلواریں دانتوں میں دبالیں اور خاموشی سے چڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ مسلمان اپنے ساتھ آلات نقب بھی لائے تھے انہوں نے نقب زنی شروع کر دی۔

چند مسلمان فصیل پر پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں جاتے ہی تلواریں میانوں سے کھینچ لیں اور عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ تھے ہی کتنے گنتی کے چند ہی تھے جو فصیل پر پہنچے تھے۔ عیسائیوں نے ان پر نرغہ کر لیا۔ مگر انہوں نے جوش سے لڑنا شروع کر دیا۔ اس عرصہ میں اور بھی کئی مسلمان وہاں جا پہنچے اور پہنچتے ہی لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ان کا تانتا بندھ گیا۔

ہشام بھی فصیل پر پہنچے اور انہوں نے بھی تلوار نکال کر پر زور حملے شروع کر دیئے۔ ہشام کے فصیل پر پہنچنے اور لڑائی شروع کر دینے سے مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا ہر مسلمان خونخوار شیر بن کر حملے کرنے لگا۔ عیسائیوں نے بڑی دلیری سے ان کا مقابلہ کیا انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو شہید بھی کر ڈالا۔ لیکن ایک تو مسلمان برابر سیڑھیوں کے ذریعہ سے فصیل پر پہنچ رہے تھے دوسرے وہ ایسی بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ایک ایک مسلمان کئی کئی عیسائیوں کو قتل کر کے شہید ہوتا تھا۔

جب زیادہ تعداد میں مسلمان فصیل پر پہنچ گئے تو انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ عیسائیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ جھپٹ جھپٹ کر حملہ کر کے انہیں قتل کرنے لگے۔

عیسائی بھی بڑی جاں بازی سے لڑ رہے تھے۔ نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں۔ خون کی بارش ہو رہی تھی۔ عیسائی مسلمانوں پر اور مسلمان عیسائیوں پر بڑے پر زور حملے کر رہے تھے۔

ہشام بڑے جوش سے لڑ رہے تھے وہ ادھر ادھر اور سامنے جھپٹ کر حملے کر رہے تھے اور ہر حملے میں ایک دو عیسائی کو ضرور مار ڈالتے تھے۔

ایک مرتبہ مسلمانوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ انہوں نے بے دریغ عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ عیسائی بھاگ نکلے۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑے وہ عیسائیوں کے ساتھ ہی قلعہ کے صحن میں جا اترے اور انہوں نے وہاں جنگ شروع کر دی۔ وہ پچاس مسلمانوں کو ساتھ لے کر دروازہ کی طرح جھپٹے۔ عیسائی ان کے سامنے آ گئے۔ مسلمان انہیں قتل کرتے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ پھاٹک پر پہنچ گئے اور محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیا۔

مسلمان جیسے پھاٹک کھلنے کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ پھاٹک کے کھلتے ہی وہ اندر گھس گئے اور جاتے ہی تلواروں کی دھاروں پر عیسائیوں کو رکھ لیا۔ عیسائی بھی ڈٹ گئے۔ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ہاتھ پیر' اور سر دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "عماد الدین زنگی نے اس زور سے حملہ کیا کہ قلعہ تھرا گیا۔ زمین لرز گئی اور عیسائی کانپنے لگے"۔

تھوڑی ہی دیر میں عیسائیوں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ دوسرے دروازہ سے بھاگ گئے۔ زنگی کا قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ ۲۳ دسمبر ۱۱۴۴ء کو مسلمانوں کا قلعہ اغزا پر قبضہ ہو گیا۔ اس سے عیسائیوں کو روحانی صدمہ پہنچا۔

........☆☆☆........

باب ۵۸

شاد کامی

عیسائی سپاہی بڑی بے اوسانی سے بھاگ رہے ہیں ان پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ جو سلن ثانی بھی بھاگ گیا تھا۔ اغراز کے سپاہی سخت پریشان اور بدحواس تھے۔ بچے چلا رہے تھے عورتیں بھاگ رہی تھیں اور مرد آنسو بہا رہے تھے۔ زنگی نے حکم دے دیا تھا کہ جو شہری عیسائی ہیں جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا ہے انہیں قتل نہ کیا جائے۔ نہ عورتوں اور بچوں کو ستایا جائے۔

چنانچہ مسلمانوں نے شہری اور غیر جنگجو عیسائیوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ نہ عورتوں اور بچوں کو ستایا۔ البتہ لڑنے والے عیسائیوں کو بھاگتے بھاگتے قتل بھی کیا اور ان کی بھاری تعداد بھی گرفتار کر لی۔

مال غنیمت بھی جمع کرنے لگے۔ اغراز کے خزانہ میں مسلمانوں کی لوٹی ہوئی دولت کافی جمع تھی۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کی دولت اور بیش قیمت ساز و سامان بہت کچھ ملا۔

جبکہ مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے تھے اس وقت ہشام اور شمس الدین گشت لگا رہے تھے ایک مکان میں سے کسی عورت کے چلانے کی آواز آئی۔ ہشام جلدی سے اس گھر میں گھس گئے۔

یہ مکان نہایت عالی شان تھا کسی معزز رئیس یا فوجی افسر کا معلوم ہوتا تھا ہشام جب مکان کے اندر پہنچے تو انہوں نے دیکھا "ایک ادھیڑ عمر کا خوفناک صورت عیسائی ایک عیسائی دوشیزہ کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ لیجانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لڑکی نہایت حسین ہے۔ وہ خوف و دہشت سے کانپ رہی ہے۔ خوفناک صورت شخص نے کہا "میرے ساتھ چل ورنہ تیرا سر اڑا دوں گا"۔

حسینہ نے کہا "میں نہیں جاؤں گی، ہرگز نہیں جاؤں گی"۔

خوفناک شخص: تجھے مسلمان مار ڈالیں گے یا اپنی کنیز بنا لیں گے۔

ہشام کو ان دونوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ارمنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ خوش قسمتی سے ہشام اس زبان سے واقف تھے۔ وہ خاموش ہو کر سننے لگے۔ حسینہ نے کہا "مجھے تم مار ڈالو یا مسلمان مار ڈالیں۔ مگر میں یہاں سے نہ جاؤں گی"۔

خوفناک شخص: تو بھی اپنی ماں کی طرح ضدی اور احمق ہے۔ وہ بھی مسلمانوں کے پاس چلی گئی تھی اور تو بھی مسلمانوں ہی کے پاس جانا چاہتی ہے۔ میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ یا تو چل میرے ساتھ ورنہ ابھی ٹکڑے ٹکڑے کیے دیتا ہوں۔

حسینہ: مجھے تم سے نفرت ہے۔

"نفرت ہے"۔ خوفناک شخص نے چیختے ہوئے کہا اور خون آشام نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا "اچھا تو لے ......"۔

یہ کہہ کر اس نے تلوار اٹھائی۔ ہشام نے جلدی سے کڑک کر کہا "خبردار"۔

خوفناک شخص نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور جلدی سے ہشام کی طرف پھرا اور اس نے انہیں گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا "ناتجربہ کار نوجوان' تو دلیرن کے منہ آتا ہے"۔

"دلیرن ....." ہشام نے گرج کر کہا۔ اور تلوار سونت کر بولے "بدبخت شخص' تیری بدولت ہمارے خاندان نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں میں تجھ سے انتقام لوں گا"۔

یہ دلیرن ہی تھا۔ اس نے کہا "تو کل کا لونڈا اور دلیرن سے انتقام لے۔ اچھا لے سنبھل"۔

اس نے ہشام پر تلوار سے وار کیا۔ ہشام نے ڈھال پر اس کا وار روکا اور خود بھی حملہ کیا۔ انہیں اس پر سخت غصہ تھا۔ انہوں نے پوری قوت سے تلوار ماری۔ دلیرن نے ڈھال سامنے کر دی۔ تلوار ڈھال کو پھاڑ کر اس کے شانہ پر پہنچی اور آدھی گردن تک اتر گئی۔ دلیرن گرا۔ ہشام نے کہا "مردود' تجھے کیتھرائن یاد ہے۔ میں اسی کا بیٹا ہشام ہوں۔ آج میں نے تجھ سے انتقام لیا"۔

دلیرن تڑپ رہا تھا۔ اس کی آدھی گردن اڑ گئی تھی وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ حسینہ نے ہشام کو دیکھا۔ اس نے کہا "تم اس کیتھرائن کے بیٹے ہو جو مسلمان ہو گئی تھی"۔

ہشام نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "ہاں' میں اس کیتھرائن کا بیٹا ہوں اس بدبخت نے ہمارے خاندان کو تباہ کرایا۔ اس کی بدولت میرے باپ اور میں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور میری بہن سلطانہ ......"

حسینہ' ہشام سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا "تم میرے بھائی ہو۔ میں تمہاری بہن سلطانہ ہوں

ہشام نے غور سے دیکھا۔ وہ اٹھارہ سالہ مست شباب دوشیزہ تھی بہار حسن کی نو شگفتہ کلی۔ وہ اسے پہچان نہیں سکے۔ انہوں نے کہا" تم مجھے اپنا بایاں ہاتھ دکھاؤ تمہاری ایک انگلی میں شگاف کا نشان ہے"۔

حسینہ نے بڑی ہی سادگی سے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ ہشام نے دیکھا۔ ایک انگلی میں شگاف کا نشان تھا۔ انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا" میری بہن سلطانہ۔ میں تیری ہی تلاش میں تھا۔ خدا کا شکر ہے تو مل گئی"۔

یہ کہتے ہی انہوں نے خدا کی بارگاہ میں سجدہ کیا۔ جب انہوں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھرتھرا رہے تھے۔ انہوں نے سلطانہ سے کہا" تجھے بچپن کی باتیں یاد رہیں سلطانہ"۔

سلطانہ نے کہا" مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔ اسی کمینے ولیرن نے تمہارے آنے سے پہلے مجھے بتایا تھا کہ میری ماں کیتھرائن تھی۔ وہ کسی مسلمان کے ساتھ بھاگ گئی تھی اسکے دو بچے ہوئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا موصل میں ہے اور مجھے میکائیل یہاں لایا تھا"۔

ہشام: میکائیل کون؟

سلطانہ: میکائیل ایک فوجی افسر تھا۔ اس نے مجھے پالا تھا۔ میں اسے اپنا باپ سمجھتی تھی۔ ولیرن نے مجھے بتایا کہ مسلمانوں نے میکائیل کو مار ڈالا ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

ہشام: خدا نے مجھے وقت پر پہنچا دیا۔ میں تمہاری چیخ کی آواز سن کر یہاں آیا تھا۔ میرے ساتھ آؤ۔ مگر تم مسلمان ہو۔ اور مسلمانوں میں پردہ کا رواج ہے اس لئے تم اپنے چہرہ پر دوپٹہ کا آنچل ڈال لو۔

سلطانہ نے اپنے چہرہ پر دوپٹہ کا آنچل کھینچ لیا۔ مگر دوپٹہ ریشمی اور باریک تھا اس میں اس کے حسن کی شعاعیں چھننے لگیں۔ ہشام اس رشک قمر کو اپنے ساتھ لے کر باہر آئے۔

شمس الدین باہر کھڑے تھے۔ انہوں نے ان سے کہا" یہ میری بہن سلطانہ ہے"۔ شمس الدین ان کے خاندانی حالات سے واقف تھے۔ انہیں بھی خوشی ہوئی۔ شمس الدین نے ان سے کہا " تم انہیں اپنے کیمپ میں لے جاؤ"۔

ہشام: میں اول غازی عماد الدین زنگی کے پاس لے جاؤں گا۔

چنانچہ وہ وہاں سے چلے۔ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ضیغم الدین گھوڑے پر سوار سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ ہشام نے سلطانہ سے کہا" یہ ہمارے والد ہیں سلطانہ"۔

ضیغم الدین کو تعجب ہوا کہ ہشام کسے ساتھ لا رہے ہیں۔ انہوں نے پاس آکر دریافت کیا"

بیٹا تمہارے ساتھ کون ہے؟"

ہشام نے کہا "ابا جان! یہ میری بہن سلطانہ ہے"۔

ضیغم الدین کا چہرہ کھل گیا۔ وہ جلدی سے گھوڑے سے کودے اور سلطانہ کے پاس آئے۔ سلطانہ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے اپنے سینے سے لگالیا۔ دیر تک بھینچے کھڑے رہے اور بولے "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ محنت ٹھکانے لگ گئی"۔

ہشام نے کہا "ابا جان! میں نے سفاک ولیرن کو بھی مار ڈالا ہے"۔

"تم نے ولیرن کو مار ڈالا" انہوں نے حیرت سے ہشام کو دیکھ کر کہا۔

ہشام نے انہیں تمام واقعہ سنایا۔ انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا "بیٹا تم نے کیسے کیسے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ اپنی ماں کو ڈھونڈا۔ باپ کو تلاش کیا بہن کا سراغ لگایا اور اسے مار ڈالا جس نے ہمارے خاندان کو برباد کیا اور جس سے تمہاری ماں ڈرتی تھی۔ خدا تمہارے بازوؤں میں اور قوت دے"۔

شمس الدین وہاں سے چلے گئے۔ ضیغم الدین ہشام اور سلطانہ آگے بڑھے۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ غازی عماد الدین زنگی کی سواری ملی۔ بہت سے سوار ان کے جلو میں تھے۔ ضیغم الدین وغیرہ ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ جب عماد الدین زنگی ان کے پاس آئے تب انہوں نے ہشام کے پاس ایک عیسائی دوشیزہ یعنی سلطانہ کو دیکھ کر کہا "کمسن مجاہد، یہ تم اس عیسائی لڑکی کو کیوں ساتھ لئے پھرتے ہو"۔

ہشام نے عرض کیا "اعلیٰ حضرت یہ میری بہن سلطانہ ہے"۔

زنگی نے مسکرا کر کہا "مبارک ہو"۔

وہ بڑھ گئے۔ ہشام اور ضیغم الدین اسے لے کر اپنے کیمپ میں قلعہ سے باہر آ گئے۔

جب قلعہ اعزاز پر زنگی کا تسلط ہو گیا اور شہری عیسائیوں نے اطاعت اختیار کر لی تو زنگی نے انہیں مذہبی آزادی عطا کر دی۔ انہیں بدستور رہنے دیا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ اپنے لئے رکھ دیا اور چار حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ کچھ روز وہاں رہ کر اس قلعہ اور اس کے مضافات کا انتظام کر کے وہ موصل کی طرف روانہ ہوئے۔

اس عرصہ میں کچھ رومن عیسائی دوشیزاؤں نے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں یہ لڑکیاں بھی مسلمانوں کے ساتھ آئیں۔ موصل میں اعزاز کی فتح کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

اہل موصل نے زنگی کو مجاہد اعظم کا خطاب دیا اور ان کا نہایت شاندار استقبال کیا۔

ہشام نے سلطانہ کو اپنی والدہ کی، اپنی اور ضیغم الدین کی تمام داستان سنا دی تھی۔ انہوں نے یہ کہا کہ "ہماری ماں کیتھرائن بھاگ کر نہیں آئی تھی۔ بلکہ دلیرن نے اسے اغوا کرایا تھا۔ ہمارے باپ نے اسے عیسائیوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ وہ مسلمان ہو گئیں"۔ چونکہ میکائیل نے سلطانہ کو بپتسمہ دے کر عیسائی کر لیا تھا۔ اس لئے اسے مسلمان کیا گیا۔ سلطانہ کے حافظہ میں بھی کچھ باتیں محفوظ تھیں۔ وہ اسے یاد آ گئیں اور اس نے ہشام سے بیان کیں۔

موصل میں داخل ہو کر ہشام سلطانہ کو ساتھ لے کر اپنے محل میں پہنچے۔ نجمہ اور خالدہ ان کی منتظر تھیں۔ سلطانہ کو اپنی ماں سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ جب ہشام محل میں داخل ہوئے تو نجمہ نے اور خالدہ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ وہ سلطانہ کو دیکھ کر کچھ ٹھٹکیں۔ متعجب ہو کر اسے اور ہشام کو دیکھنے لگیں۔ ہشام نے خالدہ سے مخاطب ہو کر کہا "امی جان، یہ ہیں میری بہن سلطانہ"۔

"سلطانہ......" خالدہ نے کہا اور وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئیں۔ سلطانہ بھی ان سے بغل گیر ہو گئی۔ خالدہ کے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے کہا "میری بچی، میری نور نظر"۔

سلطانہ بھی رونے لگی۔ نجمہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ ہشام نے کہا "ارے رونے لگیں تم"۔

خالدہ نے سلطانہ کا منہ چوم لیا انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ انہیں سلطانہ کے ملنے کی بڑی خوشی ہوئی۔ وہ سب اندر کمرے میں جا بیٹھیں۔ ہشام نے سلطانہ کے ملنے اور دلیرن کو مار ڈالنے کے حالات بیان کئے۔ خالدہ اور بھی خوش ہوئیں انہوں نے ہشام کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا "میرے بیٹے، تم نے دشمنوں سے انتقام بھی لیا اور ہمیں سب کو بھی ملایا۔ خدا تمہاری عمر میں برکت دے۔ تم بڑے بااقبال ہو"۔

سلطانہ سے سب محبت کرنے لگے۔ وہ نہایت ہی نازنین اور بڑی مہ جبین تھی۔ کافی شوخ تھی۔ اس کی شوخی نہایت ہی دلفریب تھی۔

ہشام کے مع الخیر واپسی کی اطلاع حلب بھیج دی گئی۔ سلمٰی اور حور جبین چشم براہ تھیں انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ شادی کی تیاریاں ہونے لگیں بارات بڑی شان سے روانہ ہوئی۔ حلب پہنچی رکن الدین نے اس بارات کا انتظام کیا بڑی دھوم سے بارات چڑھی۔ نکاح ہوا اور رخصتی ہو گئی۔ جب دلہن یعنی حور جبین موصل میں آئی۔ تو نجمہ اور خالدہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سلطانہ نے جب حور جبین کو دیکھا۔ تو اس نے کہا "حقیقت میں میری بھاوج حور ہی ہے"۔

حور جبین شرما گئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد سلطانہ کی شادی وزیر اعظم کے بیٹے سے ہو گئی۔
اس طرح ایک گمنام بچے نے ناموری حاصل کی اور عماد الدین زنگی نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ تمام عالم اسلام میں مشہور ہو گئے۔ عباسی خلیفہ بغداد نے ان کا نام خطبہ میں لئے جانے کا حکم دیا۔ اور ان کا نام جمعہ کے دن خطبے میں پڑھا جانے لگا۔ عیسائیوں پر ان کی ہیبت چھا گئی۔ اور عیسائیوں کا سیلاب جو اسلامی دنیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ رک گیا۔

(صادق سردھنوی)

۱۔ از تاریخ عالم اسلام جلد سوم ۶۵۷